500

سوال و جواب برائے

خرید و فروخت

لاصحاب الفضیلة

العلامة ابن باز — العلامة العثیمین

العلامة الفوزان — سعودی فتوی کمیٹی

ترجمہ
پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ
فاضل کنگ سعود یونیورسٹی ریاض

مکتبہ بیت السلام
الریاض۔ لاہور

اسٹاکسٹ اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
دار النور اسلام آباد

لأصحاب الفضيلة

الإمام ابن باز   العلامة العثيمين

العلامة الفوزان   سعودی فتوی کمیٹی

ترجمہ

پروفیسر حافظ عبد الجبار حفظہ اللہ

فاضل کنگ سعود یونیورسٹی ریاض

مکتبہ بیت السلام

ریاض۔ لاہور

طبع اول

۱۴۳۳ھ ——— ۲۰۱۲ء
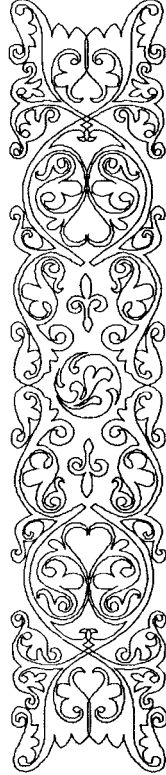
مکتبہ بیت السلام الریاض لاهور
ص۔ب 16737 سعودی عرب
فون نمبر 4381122-4381155 فیکس 4385991
موبائل نمبر 0566661236 - 0532666640
لاہور 0321-6466422
bait-us-salam@hotmail.com

500
سوال و جواب برائے
خرید و فروخت

فہرس

پہلی قسم؛ خرید و فروخت کے احکام

عرضِ ناشر

ہر مسلمان کے لیے اپنے دنیوی و اخروی تمام معاملات میں شرعی احکام اور دینی تعلیمات کی پابندی از بس ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ [البقرة: 208]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے مت چلو، یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''

کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ عبادات میں تو کتاب و سنت پر عمل پیرا ہو اور معاملات اور معاشرتی مسائل میں اپنی مَن مانی کرے اور اپنے آپ کو شرعی پابندیوں سے آزاد تصور کرے۔ ہمارے دین کی وسعت و جامعیت ہے کہ اس میں ہر طرح کے تعبدی امور اور کاروباری معاملات و مسائل کا مکمل بیان موجود ہے اور ہر مسلمان بہ آسانی انھیں سمجھ کر ان کو بروئے کار لا سکتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں تجارتی معاملات اور خرید و فروخت کے متعلق عالم اسلام کے کبار علمائے دین کے **500** فتاویٰ کو جمع کیا گیا ہے، تاکہ ہر مسلمان ان کی روشنی میں اپنے کاروباری معاملات سنوار سکے اور انھیں شریعت کے منشا کے مطابق انجام دے سکے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے برادرِ محترم پروفیسر حافظ عبدالجبار حفظہ اللہ کو جنھوں نے نہایت جان فشانی سے اس مجموعے کو اردو داں قارئین کے لیے اردو قالب میں ڈھالا اور اس سے استفادہ آسان کیا ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے اس کتاب کو دنیوی اور اخروی فوز وفلاح کا ضامن اور جنت میں بلندیِ درجات کا باعث بنائے۔ آمین یا رب العالمین.

والسلام

ابو میمون حافظ عابد الٰہی

مدیر

مکتبہ بیت السلام ریاض۔ لاہور

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی أشرف الخلق والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ، وسلم تسلیماً کثیراً.

یہ کبار علماء کرام کے ''500 جوابات'' کا ایک سلسلہ ہے جس میں مَیں نے ایک مسلمان کو زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے جوابات جمع کیے ہیں، یہ جوابات کاروباری معاملات اور خرید و فروخت کے مسائل پر مشتمل ہیں۔

یہ جوابات اس اعتبار سے ممتاز ہیں کہ جہاں ان میں ایک طرح کی مرونت، نرمی اور لچک ہے وہیں یہ ہر زمانے اور ہر علاقے کے تمام انسانوں کے لیے قابل عمل اور بالکل موافق ہیں، کیونکہ یہ انسانی فطرت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور انسان کی تمام روحانی اور نفسیاتی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل وتسکین کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

اس جامعیت اور اکملیت کا راز اجتہاد کا قاعدہ ہے۔ یہ وہ حقیقی اسلامی قاعدہ ہے جس کے ذریعے سے اسلام ہر پیش آنے والی نئی مشکل اور جدید مسائل و واقعات کا حل پیش کرتا ہے۔

چنانچہ ہمارے فاضل علماءِ کرام نے واقعات اور جدید مسائل کو اسلامی شریعت کے اصول کی کسوٹی پر پیش کرنے میں بھرپور جدوجہد کی ہے تاکہ انسانی حاجات اور ضروریات کو پورا کیا جا سکے، اس مقصد کی خاطر ہم نے اس کتاب

میں خرید و فروخت اور معاملات کے احکام کے متعلق فتویٰ جات میں "500 جوابات" کا انتخاب کیا ہے اور ان کی باقاعدہ باب بندی اور تقسیم کر دی ہے تاکہ جو ان معاملات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو جاننا چاہتا ہے اس کے لیے یہ کتاب زاد راہ بن سکے۔

اسلوبِ تالیف:

1. "خرید و فروخت اور معاملات" کے متعلق احکام کے بارے میں کبار علماءِ کرام کے عصری فتاویٰ میں تقریباً **500** جوابات کا انتخاب۔
2. سوال کی عبارت کو مختصر کر کے فتویٰ کے موضوع کے متعلق عنوان بنا کر پیش کر دیا گیا ہے، البتہ جواب کی عبارت میں، سوائے چند حالات کے اور وہ بھی بقدر ضرورت، کوئی تصرف نہیں کیا گیا، ہر جواب کے آخر میں مفتی صاحب کا نام اور فتویٰ کے ماخذ کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے۔
3. عبارت کا تقابل کر کے تصحیح اور موضوعات کی ابواب بندی کر دی گئی ہے تاکہ قاری جو مسئلہ تلاش کرنا چاہے، اس تک آسانی سے پہنچ سکے۔
4. تمام قرآنی آیات کے نمبر اور سورت کا نام ذکر کر دیا گیا ہے۔
5. احادیث مبارکہ کی تخریج کر دی گئی ہے، وہ احادیث جو صحیح بخاری و مسلم میں ہیں ان کے صحیح ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ صحیحین کی احادیث ہیں اور جو حدیث بخاری و مسلم سے باہر ہے اس کو اس کے ماخذ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور جن احادیث پر حکم لگائے گئے ہیں ان میں ہم نے شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے۔

آخر میں

یہ ایک کم ہمت آدمی کی محنت ہے، اگر اس میں کوئی کامیابی اور خوبی نظر آئے تو وہ محض اللہ، وحدہ لا شریک لہ، کی توفیق اور عنایت سے ہے اور اگر کوئی غلطی اور لغزش ہے تو وہ ہماری اور شیطان کی طرف سے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ وہ ہمیں بخش دے، ہماری خطائیں معاف فرمائے، وہی اس پر قادر ہے اور ہمارے اس کام کو خالصتاً اپنے لیے کر دے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين، وصلى اللّٰه على نبينا محمد، وعلى آله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً.

پہلی قسم

خرید وفروخت کے احکام

1. عقد بیع (خرید وفروخت کا معاہدہ)
2. خرید وفروخت کی شرطیں۔
3. خرید وفروخت میں اختیار۔
4. خرید وفروخت کی بعض اقسام۔
5. نرخ بندی اور ذخیرہ اندوزی۔
6. قسطوں پر خرید وفروخت۔
7. متفرق مسائل

عقد بیع (خرید و فروخت کا معاہدہ)

1- اسلامی معاشیات کے اجزائے ترکیبی

اسلامی معاشیات شرعی تجارت کی بنیاد پر قائم ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ کاموں میں، معاملات کے شرعی قواعد و ضوابط کے مطابق سرمایہ کاری اور تجارت کی جاتی ہے۔

ان قواعد کی بنیاد اس قانون پر قائم ہے کہ معاملات میں اباحت اور حلال ہونا اصل قانون ہے، اور ہر قسم کی حرام کردہ اشیا، جیسے: سود وغیرہ سے اجتناب کرنا لازمی ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرۃ: 275]

''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔''

نیز فرمایا:

﴿ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [الجمعة: 10]

''پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل سے (حصہ) تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

(اللجنة الدائمة: 11170)

2- عورت کے لیے تجارت اور کاروبار کرنا

سفر ہو کہ حضر، مرد اور عورت دونوں کے لیے تجارت اور کاروبار کرنا اصل اور قاعدے کے اعتبار سے حلال ہے، کیونکہ یہ اس آیت کے عموم سے ثابت ہے:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔''

نیز مندرجہ ذیل حدیث کے عموم سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سی کمائی پاکیزہ تر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر بیع مبرور (جو احکام شریعت کے مطابق ہو)۔''[1]

اس کے جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں عورتیں باوقار اور باحیا انداز میں زیب و زینت کا اظہار کیے بغیر خرید و فروخت کیا کرتی تھیں۔ لیکن جب عورت کا تجارت کرنا اس زیب و زینت کے اظہار کا سبب بنے جو حرام ہے، جیسے: چہرہ کھلا رکھنا، محرم کے بغیر سفر کرنا یا غیر مردوں سے اس انداز میں میل جول رکھنا کہ کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو پھر اس کے لیے تجارتی معاملات اور لین دین میں شمولیت اختیار کرنا جائز نہیں، بلکہ اس کو منع کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ محض مباح اور جائز کام کے حصول کے لیے حرام عمل کا ارتکاب کر رہی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 2761)

3- لین دین کرتے وقت لکھنے کا حکم

اگر ادھار خرید و فروخت کی جائے، جسے ادا کرنا ایک مقررہ مدت تک کسی

---

[1] مسند أحمد [141/4] الصحيحة، رقم الحديث [607]

کے ذمے واجب الادا ہو، تو اللہ تعالیٰ نے اسے لکھنے اور اس پر گواہ مقرر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ بھول اور نسیان کا سدباب ہو سکے۔

سورۂ بقرہ کے آخر میں آیتِ دَین میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا﴾

[البقرۃ: 282]

''اور اس سے مت اکتاؤ وہ چھوٹا (معاملہ) ہو یا بڑا کہ اسے اس کی مدت تک لکھو، یہ کام اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والا اور شہادت کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔''

یعنی گواہی لکھ لینا عدل کے زیادہ قریب، زیادہ محفوظ و مضبوط، زیادہ درست اور شک و شبہے سے بہت دور ہے۔ جب ضرورت پیش آئے تو ''لکھا ہوا'' کاغذ پیش کر دیں جس میں ہر چیز لکھی ہوئی ملے گی، لہٰذا لکھنا حقیقت میں حقوق کو محفوظ کرنا ہے۔

رہا سوال نقد لین دَین کا جسے لوگ فوراً نپٹا دیتے ہیں، جس میں کوئی قرض ہوتا ہے نہ کوئی مقررہ مدت تو اسے نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً کسی نے گاڑی خریدی، موقع پر اس کی قیمت ادا کی اور چل دیا، کوئی عبایا (برقعہ) خریدی، اس کے پیسے ادا کیے، اور چلا گیا، یا کوئی برتن خریدا، اس کے پیسے ادا کیے اور چلتا بنا، تو ان تمام صورتوں میں لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن جو لین دین واجب الادا ہو، اسے لکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ بھول نہ جائیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

﴿فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ﴾ [البقرة: 282]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور ایک لکھنے والا تمھارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔''

کیونکہ لکھنے سے حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 34/19)

4- آدمی کا اپنی اولاد میں سے کسی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا

آدمی کے لیے اپنے مال میں سے کوئی چیز اپنی اولاد میں سے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، جب وہ خریداری پر قادر ہو، وہ اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے جس طرح غیر معروف خریدار کے ساتھ پیش آتا ہے اور اس معاملے میں اس کے ساتھ جانبداری کا اظہار نہ کرے، جس میں اس کے دیگر بھائیوں پر اس کو ترجیح دینے کا کوئی پہلو ظاہر ہو۔ (اللجنة الدائمة: 4153)

5- مسلمانوں کے درمیان خرید و فروخت

اصلاً ہر مسلمان کے لیے ہر ضرورت کی چیز، جو اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہو، مسلمان یا کافر سے خریدنا جائز ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے خود یہودیوں سے خریداری کی ہے۔

لیکن اگر ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے دھوکا دہی، مہنگائی یا خرابیٔ سامان جیسے کسی بھی سبب کے بغیر پہلو تہی کرتے ہوئے کافر سے خریدنا پسند کرے اور کسی عذر کے بغیر اس کو مسلمان پر ترجیح دے تو یہ حرام ہے، کیونکہ اس

میں کفار کے ساتھ دوستی، محبت اور ان سے راضی رہنے کا پہلو ظاہر ہوتا ہے، اور اگر ایک مسلمان یہ اپنی عادت بنا لے تو یہ رویہ مسلمان تاجروں کو نقصان پہنچانے اور ان کے کاروبار ٹھپ کرنے کا ایک ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔

لیکن اگر اس پہلو تہی کے اسباب ہوں جس طرح سطورِ بالا میں ذکر ہوا ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے کہ وہ یہ تمام عیوب چھوڑ دے۔ اگر تو وہ نصیحت پکڑ لے تو بہت خوب اور کلمہ شکر ادا کرے، وگرنہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے سے خرید لے، چاہے وہ کافر ہی ہو، اگر وہ معاملات میں سچائی اور فوائد ومنافع کا احسن انداز میں تبادلہ کرنے والا ہو۔

(اللجنة الدائمة: 3233)

6- بازار میں داخل ہونے کی دعا کے متعلق حدیث

بازار میں داخل ہونے کی دعا کے متعلق حدیث ضعیف ہے، یہ حدیث اس طرح ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص بازار میں داخل ہو اور پڑھے: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'' اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں، اس کی دس لاکھ برائیاں مٹا دیتے ہیں اور اس کے لیے دس لاکھ درجے بلند کر دیتے ہیں۔''[1]

یہ حدیث نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت نہیں۔ اس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ یہ

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [3428]

حدیث معلول (علت والی) اور ضعیف ہے۔

ان حفاظ میں امام ابن قیم رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، ان سے امام عجلونی نے ''کشف الخفاء'' میں نقل کیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں عمرو بن دینار مولی آلِ زبیر ہے، جو ضعیف ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس کا متن بھی منکر ہے۔

(اللجنة الدائمة: 16103)

خرید وفروخت میں شرطیں[1]

7- رضا مندی کے بغیر لین دین

رضا مندی کے بغیر لین دین کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ [النساء: 29]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

لیکن اگر کسی مال کے ساتھ کسی دوسرے کا کوئی مالی حق وابستہ ہو جو واجب الادا ہو تو اس میں مالک کی رضا مندی ضروری نہیں، جس طرح عدالت کا گروی میں رکھی ہوئی اشیا بیچ دینا۔ (اللجنة الدائمة: 8859)

[1] خرید وفروخت میں شرط سے مراد ہے کہ ایک فریق کا دوسرے فریق کو معاہدہ بیع کی وجہ سے کسی ایسی چیز کا پابند کرنا جو عقد کا تقاضا نہیں، عقد کا تقاضا تو صرف یہ ہے کہ سامان خریدار کی ملکیت ہو جاتا ہے اور قیمت فروخت کرنے والے کی ملکیت اور عقد مکمل ہونے کے بعد ایک فریق رقم دینے کا پابند ہوتا ہے اور دوسرا سامان مہیا کرنے کا۔

8- اس عبارت: ''خریدا ہوا مال واپس یا تبدیل نہیں ہوگا'' کا شرعی حکم

اس شرط کے ساتھ سودا بیچنا کہ یہ نہ واپس ہوگا نہ تبدیل، جائز نہیں، کیونکہ یہ شرط صحیح نہیں، اس میں نقصان اور حقیقت چھپانے کا اندیشہ ہے۔ فروخت کرنے والا یہ شرط لگا کر گویا خریدار پر یہ سامان خریدنا لازم کر دیتا ہے چاہے اس میں کوئی عیب ہی ہو۔ اس کا یہ شرط لگانا سامان میں موجود عیب سے اس کو بری نہیں کر سکتا، کیونکہ اگر اس عیب دار سامان میں کوئی عیب ہو تو یہ فروخت کرنے والے کی ذمے داری ہے کہ وہ اس کو صحیح سامان کے ساتھ تبدیل کر دے، یا خریدار کو اس عیب کا ہرجانہ یعنی زرنقصان دے، کیونکہ مکمل قیمت صحیح سامان کے بدلے میں وصول کی جاتی ہے۔ فروخت کرنے والا سامان میں عیب کے ہوتے ہوئے ناجائز قیمت وصول کرتا ہے، نیز شریعت عرفی شرط کو لفظی شرط کے قائم مقام قرار دیتی ہے اور عُرفاً سامان کا عیب سے پاک ہونا شرط تسلیم کیا جاتا ہے، جس کی بنا پر اگر عیب نکل آئے تو واپس کرنے کا جواز پیدا ہوجاتا ہے، اس طرح عرف کے اعتبار سے سامان کے عیب سے پاک ہونے کی شرط لفظاً شرط کے قائمقام قرار دی گئی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 13788)

9- اس شرط کا حکم کہ تاجر یا خریدار یہ شرط لگائے کہ اگر خریدار کو نقصان ہوا تو تاجر خسارے کا عوضانہ ادا کرے گا

جب خریدار یہ شرط لگائے کہ خسارے کا بوجھ اس پر نہیں، یا جب سودا ہو تو یہ شرط عائد کرے کہ جو سامان بک جائے گا اس کے وہ (خریدار) پیسے دے گا اور جو بچ جائے گا اسے واپس کر دے گا یا فروخت کرنے والا یہ شرط لگائے کہ مجھ سے

یہ سامان خرید لو اگر تجھے خسارا پہنچا تو میں خسارے کا عوض ادا کر دوں گا۔

یہ اکیلی شرط باطل ہے جبکہ بیع (سودا) درست ہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

«كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل وإن كان مائة شرط» [1]

''ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں، باطل ہے، چاہے وہ سو شرطیں ہی ہوں۔''

نیز اس معاہدے کا یہ تقاضا ہے کہ سامان قیمت ادا کرنے کے بعد خریدنے والے کی طرف منتقل ہو جائے، وہ اس میں آزادانہ تصرف کر سکتا ہے، اس کے منافع یا خسارے کا وہ اکیلا ہی مالک ہو۔ مزید برآں اس متوقع ضرر کا دفعیہ کرنا بھی ضروری ہے کہ خریدار اگر اس سامان کی ترویج میں سستی دکھاتے ہوئے اسے خسارے کے ساتھ فروخت کر دے تو وہ خسارہ فروخت کرنے والے کے کھاتے میں پڑ جاتا ہے کیونکہ فروخت کنندہ کا یہ کہنا: ''اگر سامان میں خسارہ ہوا تو میں خسارہ پورا کر دوں گا'' ایک طرح کی دھوکا دہی ہے جس میں خریدار کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ یہ سودا بکنے والا ہے، اس کی مانگ ہے اور یہ اس قیمت کے برابر ہے۔ (اللجنة الدائمة: 19637)

10- تعزیراتی شرطوں کا حکم

یہ خاص حالات میں جائز ہیں جس طرح ٹھیکیدار کے ساتھ معاہدہ جس میں یہ شرط ہو کہ اگر وہ سامان سونپنے میں تاخیر کرے تو اس کا ٹھیکہ منسوخ ہو جائے گا یا اساتذہ یا ملازمین کے ساتھ معاہدہ کرتے وقت خلاف ورزیوں کی صورت میں کٹوتی وغیرہ کرنے یا معاہدہ ختم کر دینے کی شرط لگانا۔

(عبدالرزاق عفیفی: فتاویٰ: 212/1)

---

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [3451]

خرید و فروخت میں اختیار

11- اختیار کے ساتھ ایک مقرر مدت تک بیع کا حکم

اہل علم کا اختیار کے ساتھ ایک مقررہ مدت تک بیع کے جواز میں اختلاف ہے، جب یہ مدت تین دن سے زیادہ ہو۔ ایک گروہ نے اس کی اجازت دی ہے جبکہ دوسروں نے اس سے منع کیا ہے، لیکن صحیح تر موقف کے مطابق یہ جائز ہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

((المسلمون على شروطهم إلا شرطا حرم حلالا أو أحل حراما)) [1]

''مسلمانوں کی شرطوں کا اعتبار کیا جائے گا (یعنی ان پر عمل کرنا ضروری ہوگا) مگر وہ ایسی شرط نہ ہو جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔''

اس کے علاوہ دیگر دلائل بھی ہیں۔ جواز کے قائل تمام علماء کرام نے یہ بات بھی ذکر کی ہے کہ اس میں یہ قید لگائی جائے گی کہ اگر فروخت کرنے والا بیچنے میں رغبت رکھتا ہو اور خریدنے والا خریدنے میں، لیکن اختیار کی شرط صرف اس لیے لگائے کہ سامان میں کوئی شبہ ہے، یا قیمت میں کوئی بات زیر غور ہے یا کوئی اور اچھا مقصد ہو۔

اگر معاہدہ بیع کا مقصد خریدار کا خرید شدہ سامان کی آمدن سے فائدہ

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [5349]

اٹھانا ہو اور فروخت کرنے والے کا قیمت سے مستفید ہونا اور دونوں بائع اور مشتری کا ارادہ ہو کہ جب فروخت کرنے والا قیمت واپس کرنے پر قادر ہو جائے گا تو بیع (سودا) فسخ کر دی جائے گی تو یہ جائز نہیں بلکہ سود ہے کیونکہ یہ قرض کے مفہوم میں ہے اور ہر وہ قرض جس میں منافع کی شرط ہو وہ باجماع (باتفاق) حرام ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جیسے معاملے میں خریدار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سامان سے فائدہ اٹھائے، تا آنکہ اس کی قیمت اسے واپس مل جائے اور اس مال کا منافع ضائع نہ ہو جائے جو فروخت کنندہ کے قبضے میں ہے۔ ہر وہ حیلہ جس کے ذریعے سود حلال کیا جائے باطل ہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

«لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُّوا مَحَارِمَ اللّٰهِ بِأَدْنٰى الْحِيَلِ»[1]

''اس برائی کا ارتکاب نہ کرو جس کا ارتکاب یہود نے کیا، مبادا تم چھوٹے چھوٹے حیلوں سے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کو حلال کرنے بیٹھ جاؤ۔''

اس حدیث کو ابو عبداللہ بن بطہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس کے ہم معنی حدیث بھی صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« قاتل الله اليهود لما حرم الله عليهم الشحوم جملوها ثم باعوها فأكلوا ثمنها»[2]

''اللہ تعالیٰ یہود کا ستیاناس کرے! جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی

---

[1] ضعيف. غاية المرام، رقم الحديث [11]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2236] صحيح مسلم [1581/71]

حرام کر دی تو انھوں نے اسے پگھلا لیا، پھر اسے بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھا گئے۔''

اہل علم کی ایک جماعت نے اس مسئلے کا واضح الفاظ میں ذکر کیا اور اس کی حرمت بیان کی ہے۔ ان میں شیخ علامہ عبدالرحمٰن بن ابو عمر حنبلی صاحب ''الشرح الکبیر'' کا نام بھی شامل ہے، ان کی عبارت (80/4) پر ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

''جب وہ قرض سے فائدہ اٹھانے کی خاطر بطور حیلہ ''اختیار'' کی شرط لگائے تاکہ قرض دار کے قیمت سے مستفید ہونے کی مدت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس فروخت شدہ سامان کی آمدن اور منافع حاصل کر سکے، پھر قیمت لوٹانے کے وقت ''اختیار'' کی شرط کی وجہ سے سودا واپس کر دے، ایسی صورت میں کوئی اختیار نہیں، کیونکہ یہ حیلہ سازی ہے اور قیمت لینے والے کے لیے اختیار کی مدت میں اس سے فائدہ اٹھانا یا اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔''

اثرم کہتے ہیں:

''میں نے ابو عبداللہ سے سنا، ان سے سوال کیا گیا: ایک آدمی کسی دوسرے آدمی سے کوئی چیز خریدتا ہے جیسے کوئی زمین، اور کہتا ہے: فلاں، فلاں مدت تک تجھے اختیار ہے، اس نے کہا: جائز ہے، اگر حیلہ نہ ہو، یعنی: وہ اس کو قرض دینا چاہتا ہے اور نتیجے میں اس سے زمین لے لیتا ہے، پھر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس میں شرطِ خیار عائد کر دیتا ہے تاکہ اس حیلے کے ذریعے اس نے جو قرض دیا تھا اس میں نفع کما سکے، اگر اس کا یہ ارادہ نہیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

''ابو عبداللہ سے پوچھا گیا: اگر اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے اس نے اس کو مال بطورِ قرض دینے کا ارادہ کیا اور اسے خدشہ ہوا کہ وہ چلا جائے گا لہٰذا وہ اس سے کچھ خرید لیتا ہے اور شرط اختیار عائد کر دیتا ہے جبکہ اس نے اختیار کی شرط عائد کر دی، اس کا حیلے سازی کا کوئی ارادہ نہیں؟ تو انھوں نے کہا: یہ جائز ہے، البتہ یہ ہے کہ اگر وہ مر گیا تو اختیار منقطع ہو جائے گا، اس کے ورثا کے لیے نہیں ہوگا۔

''اس مسئلے میں امام احمد کے جواز کا قول اس سودے پر محمول ہوگا جس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، اِلا یہ کہ وہ تلف ہو جائے، یا اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ خریدار اختیار کی مدت میں سامان سے فائدہ نہ اٹھائے تا کہ یہ اس قرض کی طرف نہ لے جائے جو منافع کماتا ہے۔''

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیع اگر قرض کے مقصد اور ارادے سے خالی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں ابو عبداللہ سے ان کی مراد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔

حیلہ سازی کی ایک یہ علامت ہے کہ وہ اس کو زمین یا کوئی بھی چیز اس کی اس قیمت سے کم پر فروخت کر دے، جس قیمت میں اسے بیچا جاتا ہے، اگر حقیقت میں بیع مقصود ہوتی تو کیا اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی جو چیز سو کی ہے اسے پچاس میں بیچ دے؟ اس نے یہ کام اس وجہ سے کیا ہے کہ اس کو یقین ہے کہ یہ بیع نہیں بلکہ بیع کی صورت میں قرض ہے۔ واللہ اعلم

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 125/19)

12- عیب دار چیز کا عیب بیان کیے بغیر بیچنا

عیب دار چیز کا عیب بیان کیے بغیر بیچنا جائز نہیں، کیونکہ یہ اس دھوکے

اور خیانت کی ایک صورت ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا)) [1]

”جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔“

نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((البيعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا، و بينا بورك لهما في بيعهما، و إن كتما و كذبا محقت بركة بيعهما)) [2]

”دو بیع کرنے والوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوجائیں، اگر وہ سچ بولیں اور بیان کر دیں تو ان دونوں کی بیع مبارک ہوگی اور اگر انھوں نے چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان دونوں کی بیع برکت سے محروم ہوجائے گی۔“

لہٰذا جس نے دھوکا دیا اور عیب دار چیز صحیح چیز کی قیمت میں بیچ دی، اسے اپنے فعل پر شرمندہ ہونا چاہیے، آئندہ ایسا نہ کرنے کا ارادہ رکھنا چاہیے، اسے توبہ کرنی چاہیے، اور اس دھوکے دہی کو حلال نہیں سمجھنا چاہیے۔ لہٰذا اس کا جو حق بنتا ہے، اسے لوٹانے کے لیے اس کے ساتھ مصالحت کرے۔

(اللجنة الدائمة: 4708)

13- حد سے زیادہ منافع خوری کی مقدار

اس میں علما کا اختلاف ہے، کسی کا قول ہے: ”تیسرا حصہ“ درست ہے۔ کسی کا قول ہے اس سے کم، لیکن اس مسئلے میں جو بہترین بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جسے

---

1. صحیح مسلم [102/164]
2. صحیح البخاري، رقم الحدیث [2079] صحیح مسلم [1532/47]

لوگ اپنے عرف میں غبن شمار کرتے ہیں یعنی غیر معمولی نفع خوری، جسے خرید و فروخت کرنے والے اس اعتبار سے غبن سمجھیں کہ وہ خریدار کے لیے نقصان رساں ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 128/19)

14- چوپائے کے امید سے ہونے کی شرط پر فروخت کا حکم

اس شرط کا صحیح ہونا مخفی نہیں کہ فروخت شدہ گائے حاملہ ہونی چاہیے لیکن فلاں فلاں مہینے میں اس کے جنم دینے کی شرط درست نہیں تاہم یہ شرط عقد باطل نہیں کرتی، اگر پیدائش، اس گائے کے وضع حمل کی معروف عادت اور مہینے کی نسبت بہت زیادہ تاخیر سے ہو، تو خریدار کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو برقرار رکھے اور اس مخصوص صفت کے نہ ہونے کی وجہ سے زرنقصان لے لے یا یہ سودا ختم کردے۔ یہاں یہ فقہی قاعدہ ہے کہ بیان کردہ صفت کا نہ پایا جانا عیب کے قائمقام ہے۔

البتہ خریدار گائے کو جو چارہ ڈالتا رہا ہے اس کی قیمت، اگر وہ سودا واپس کرنا چاہتا ہے، تو اس کے مال سے ادا ہوگی اور یہ ایک معروف بات ہے کہ یہ گائے اگر اس مدت میں مر جاتی تو یہ خریدار کے ذمے ہوگی کیونکہ وہ عقد درست ہے جو ملکیت کے ثبوت کا تقاضا کرتا ہے۔

خریدار اس بات کو قبول کرے گا کہ سامان میں اس کا تصرف اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ اس کے عیب پر راضی ہے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اس کو زرنقصان کے ساتھ روکے ہوئے ہے اور اس پر قسم کھانے کو بھی تیار ہے، چاہے اس کے لیے اس پر گواہی قائم کرنا ممکن تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، یا اس کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

(عبداللہ بن عقیل: فتاویٰ: 278)

خرید و فروخت کی بعض اقسام

15- پھل پکنے سے پہلے پیداوار کی خرید و فروخت کا حکم

یہ حرام ہے، زرعی پیداوار کی خرید و فروخت اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کی نشو ونما مکمل نہ ہو جائے، یعنی اگر وہ دانوں کی صورت میں ہو تو مکمل پک جائیں اور اگر انگور وغیرہ کی طرح کوئی پھل ہو تو اچھی طرح پختہ ہو جائے اور کھانے کے صحیح قابل ہو جائے لیکن اس سے پہلے پیداوار کی بیع حرام ہے۔

جہاں تک اس چیز کی بیع کا تعلق ہے جسے اس وقت کاٹ لیا جاتا ہے، جب اس کی کٹائی کا وقت آ جاتا ہے تو اس کی بیع جائز ہو جاتی ہے، مثلاً کوئی گھاس یا فصل جو بطور چارہ استعمال ہوتی ہو یا چارے کے کھیت جب ان کی کٹائی کا وقت آ جائے تو تب ان کی خرید و فروخت میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے جب تک غلہ پک نہ جائے، یا پھل کا پکنا ظاہر نہ ہو جائے تب تک اس کی خرید و فروخت ممنوع قرار دی ہے۔ اس کی وجہ سے تنازعات مٹ جاتے ہیں، جھگڑوں کے امکانات دور ہو جاتے ہیں اور خریدار جب اس کو خریدتا ہے تو اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اگر پھل پکنے سے پہلے ہی بیچ دیا جائے تو اس پر کوئی آفت بھی آ سکتی ہے جس کی وجہ سے کئی تنازعات، جھگڑے اور مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں۔

شریعت نے اسی حکمت کے پیش نظر ہر ایسی خرید و فروخت ممنوع قرار

دی ہے جو تنازعات، جھگڑوں اور دشمنی کا باعث ہوسکتی ہو، کیونکہ ہر وہ چیز جو تنازعات کا سبب ہو وہ اہل ایمان کے درمیان بغض اور افتراق پیدا کرتی ہے جو کمالِ ایمان کے منافی ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 229/3)

16- کھجور اور انگور کی پکنے سے پہلے خرید وفروخت

کھجور اور انگور کے پھل اور گندم، جَو اور مکئی وغیرہ سے حاصل ہونے والے غلے کی علاحدہ سے، انھیں ان کے درختوں پر باقی رکھتے ہوئے، پکنے سے پہلے خرید وفروخت درست نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھل پکنے سے پہلے ان کی بیع ممنوع قرار دی ہے۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدار اور فروخت کرنے والے، دونوں کو منع کیا ہے، نیز حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پھلوں کی خرید وفروخت (درختوں پر پکنے سے پہلے) کیا کرتے تھے پھر جب پھل توڑنے کا وقت آتا اور مالک (قیمت کا) تقاضا کرنے آتے تو خریدار یہ عذر کرنے لگتے کہ پہلے ہی اس کا گابھا خراب اور کالا ہوگیا، اس کو بیماری لگ گئی، یہ تو ٹھٹھر گیا، اس طرح مختلف آفتوں کا ذکر کر کے مالکوں سے جھگڑتے، جب اس طرح کے مقدمات آپ کے پاس بہ کثرت آنے لگے تو آپ نے فرمایا:

اس وقت تک ان کی خرید وفروخت نہ کرو جب تک پھل کا پکنا ظاہر نہ ہوجائے۔[2] ان کے بکثرت جھگڑوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی، لیکن

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2193]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [1486] صحيح مسلم [1534/49]

اگر بیچنے والا درختوں سمیت ان کو بیچ دے تو بیع صحیح ہوگی کیونکہ یہ درختوں کے ضمن میں شامل ہیں، اسی طرح کاٹنے یعنی ان کو درختوں سے اتارنے کی شرط پر پکنے سے پہلے ہی ان کی بیع کر لینا بھی جائز ہے۔

پھلوں میں پکنے کا ظاہر ہونا ہر پھل کے حسب حال ہوتا ہے۔ کھجور کے پھل پکنے کی نشانی یہ ہے کہ اس میں سرخی یا زردی، چاہے کچھ پھلوں ہی میں ہو، ظاہر ہو جائے۔ دانہ پکنے کی یہ علامت ہے کہ وہ سخت ہو جائے اور انگور پکنے کی علامت یہ ہے کہ وہ سفید یا کالے ہو جائیں۔ (اللجنة الدائمة: 3476)

17- کئی سالوں کے لیے پھلوں کی پیداوار خرید لینا

پانچ سال کی مدت کے لیے باغوں کی پیداوار خرید لینا جائز نہیں کیونکہ اس میں غرر، دھوکا اور جہالت (لاعلمی) ہوتی ہے، لہٰذا مذکور تاجر کے ساتھ تمھاری شراکت جائز نہیں نہ اس تجارت کا منافع لینا ہی جائز ہے، چاہے تم اس پر راضی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 11549)

18- مصحف (قرآن کریم) کی خرید و فروخت

قرآن کریم کی تجارت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی حاجت رہتی ہے یا کبھی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مثال کے طور پر ایک آدمی کو مصحف کی ضرورت ہے اور اس کے پاس مصحف نہیں لیکن پیسے ہیں جن کے ساتھ وہ اسے خرید سکتا ہے، اور خریدے بغیر وہ اس مصحف کو حاصل نہیں کر سکتا، بنا بریں اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن جس صاحب علم نے اس سے منع کیا

ہے تو اس کے قول کو اس معنی میں لیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ اس کی توہین اور تحقیر کا سبب ہو تو اس وجہ سے ممنوع ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/253)

19- پانی کی خرید و فروخت

اس میں تفصیل ہے، اگر کوئی آدمی پانی اپنے کسی برتن یا تالاب میں جمع کرے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کے لیے اسے بیچنا جائز ہو گا کیونکہ اس نے اسے اکٹھا کیا اور اس پر قبضہ کیا ہے اور اس کام میں اس نے کافی مشقت اٹھائی ہے، لہٰذا یہ اس کی ملکیت میں چلا جائے گا، لیکن اگر پانی کنویں میں یا نہر میں یا کسی ایسی گزرگاہ آب میں باقی رہے جو اس کی ملکیت میں بہتی ہو تو اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے اور صحیح موقف یہ ہے کہ اس کے لیے ایسے پانی کی فروخت جائز نہیں، لیکن دوسروں کی نسبت اس کا اس سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ استحقاق ہے، تاہم اس کو دوسروں کو اس سے اس انداز میں فائدہ اٹھانے سے منع کرنے کا حق حاصل نہیں جس سے کسی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو کیونکہ نبی ﷺ نے زائد از ضرورت پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 2)

20- بلّی کی خرید و فروخت

بلی اگرچہ گھر میں رکھنا جائز ہے لیکن اس کی بیع جائز نہیں۔

(الفوزان: المنتقیٰ: 14)

21- چڑیوں کی خرید و فروخت

چڑیوں کی خرید و فروخت جائز ہے کیونکہ یہ بیع کے حلال ہونے کے عمومی حکم میں داخل ہے۔ (اللجنة الدائمة: 18248)

22- خاص قسم کے کتوں کی خرید و فروخت

کتوں کی خرید و فروخت جائز ہے نہ ان کی قیمت ہی حلال ہے، چاہے یہ حفاظتی کتے ہوں کہ شکاری یا کوئی اور، کیونکہ حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، عصمت فروش عورت کی کمائی اور کاہن کے نذرانے سے منع فرمایا ہے۔[1] (متفق علیه)

(اللجنة الدائمة: 6554)

23- بندروں کی خرید و فروخت

بلیوں، بندروں، کتوں اور اس قسم کے دوسرے کچلی والے درندوں کی خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا اور روکا ہے، نیز اس میں مال ضائع ہوتا ہے جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے۔[2]

(اللجنة الدائمة: 18564)

24- بیمار بکریوں کی خرید و فروخت

خرید و فروخت وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2237] صحيح مسلم [1567/39]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [5527] صحيح مسلم [1932/13]

کیا ہے اور یہ ان کے مفادات اور مصلحتوں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ضروری ہے کہ یہ خرید و فروخت سچائی، امانتداری اور خیر خواہی پر مبنی ہو۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«البيعان بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا، وبينا بورك لهما في بيعهما، وإن كتما وكذبا محقت بركة بيعهما»[1]

''دو خرید و فروخت کرنے والے جب تک ایک دوسرے سے علاحدہ نہ ہو جائیں تب تک انھیں اختیار ہے، اگر وہ سچ بولیں اور بے لاگ انداز میں ہر چیز واضح کر دیں تو ان دونوں کی خرید و فروخت بابرکت ہو جائے گی، اور اگر ان دونوں نے جھوٹ بولا اور چھپایا تو ان دونوں کی بیع سے برکت مٹ جائے گی۔''

نیز آپ ﷺ نے دھوکے سے منع فرمایا ہے:

«من غش فليس منا»[2]

''جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

اور فرمایا:

''اور بولی نہ بڑھاؤ، کوئی آدمی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کی منگنی (پیغام نکاح) پر منگنی ہی کرے۔''[3]

اس مفہوم کی بہت زیادہ احادیث ہیں۔ جب آپ اپنا کوئی سامان بیچیں اور اس میں کوئی عیب ہو تو آپ کے لیے ضروری ہے کہ خریدار کے سامنے اسے

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2079] صحيح مسلم [1532/47]
2. صحيح مسلم [102/164]
3. صحيح البخاري، رقم الحديث [2140] صحيح مسلم [1413/51]

واضح کریں، اسے چھپائیں نہ غلط بیانی سے کام لیں۔ یہ بیمار بکریاں جو آپ بیچ رہے ہیں، ضروری ہے کہ ان کی بیماری واضح کریں، انھیں اس طرح بیچیں کہ یہ عیب والی ہیں اور خریدار کو اس پر مطلع کریں، تاکہ تمھاری یہ بیع سچائی پر قائم ہو۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 55)

25- درندوں کی خرید و فروخت کا حکم

درندوں کو ان کے شر، خباثت اور بے فائدگی کی وجہ سے بیچنے سے پرہیز کریں مثلاً: شیر، چیتا، تیندوا (Leopard)، بھیڑیا وغیرہ ان تمام جانوروں کو بیچنا جائز نہیں، ان کی بیع بالکل باطل ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 40/19)

26- ان پرندوں کو رکھنے کا حکم جو کھائے نہیں جاتے

اگر ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو، جیسے: شکرا، شاہین اور انھیں شکار کے لیے خریدا گیا ہو، تو انھیں رکھنے کے متعلق اہل علم کا ظاہر کلام یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے شکاری کتا رکھنا، جس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح شکرا بھی ہے اگرچہ اس کا پنجہ ہوتا ہے، لیکن یہ شکار کرنے کے لیے فائدے مند ہوتا ہے، لہٰذا یہ جائز ہوگا، اسی طرح اس عقاب یا شاہین کا حکم بھی یہی جس کی تربیت کر کے اس سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 41/19)

27- غیر مسلموں کے لیے شراب اور خنزیر بیچنا

جو حرام کھانے پینے والی اشیا ہوں، جیسے: شراب، سُور؛ ان کی تجارت

کافروں کے ساتھ بھی جائز نہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے:

«إن الله إذا حرم شيئاً حرم ثمنه» [1]

''یقیناً اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز حرام قرار دیتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں۔''

نیز یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے شراب، شراب نوش، شراب فروش، خریدار، ساقی، اسے اٹھانے والے، جس کو پیش کی جائے، اس کی قیمت کھانے والے، اسے نچوڑنے اور کشید کروانے والے، ان تمام پر لعنت کی ہے۔ [2]

28- مردہ حیوان کی خرید و فروخت

اس فرمانِ خداوندی: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ [المائدة: 3] (تم پر مردار حرام کر دیا گیا ہے) کی وجہ سے حرام ہے، اگر یہ حرام ہے تو اس کی خرید و فروخت اور قیمت بھی حرام ہے۔ کسی انسان کے لیے اسے مجبوری کی حالت کے سوا کھانا جائز نہیں۔ سورۂ مائدہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے حرام کردہ اشیا کا تذکرہ کیا ہے، وہیں مردار کا ذکر بھی کیا اور اس کے بعد فرمایا:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [المائدة: 3]

''پھر جو شخص بھوک کی صورت میں مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ کسی گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

---

1. مسند أحمد [293/1] بلوغ المرام، رقم الحديث [318]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3674] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3380]

لیکن اس مردار سے ٹڈی اور مچھلی کا مردار مستثنیٰ ہے اور وہ اس میں داخل نہیں، لہٰذا اس کی تجارت میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ مچھلی اور ٹڈی حلال کی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِلسَّيَّارَةِ﴾ [المائدة: 96]

''تمھارے لیے سمندر کا شکار حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی، اس حال میں کہ تمھارے لیے سامان زندگی ہے اور قافلے کے لیے۔''

نیز سمندر کے متعلق یہ فرمانِ نبوی بھی ہے:

((هو الطهور ماؤه الحل ميتته)) [1]

''اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال۔''

اسی طرح آپ ﷺ سے مروی ہے:

''ہمارے لیے دو خون اور دو مردار حلال کر دیے گئے ہیں جو دو مردار ہیں: وہ ٹڈی اور مچھلی ہیں، اور جو دو خون ہیں وہ کلیجی اور تلی ہیں۔'' [2]

(اللجنة الدائمة: 1818)

29- زندہ جانور تول کر بیچنے کا حکم

جس جانور کی بیع حلال ہے، جیسے: اونٹ، گائے، بکری وغیرہ، تو اسے تول کر زندہ یا ذبح کر کے بیچنے کے متعلق ہمارے علم میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ یہ اس آیت:

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [69] سنن النسائي، رقم الحديث [59] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3246]

[2] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3314]

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔“

کے عمومی حکم میں داخل ہے، اور نبی ﷺ کا یہ قول بھی اس کی دلیل ہے کہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر مبرور (مقبول مبارک) بیع۔“ [1]

اور اس وجہ سے بھی اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس میں جہالت (لاعلمی) اور دھوکا نہیں ہوتا۔ واللہ ولي التوفيق۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 39/19)

30- گوبر اور بکریوں کے فضلات کی خرید و فروخت کا حکم

پاکیزہ کھاد کی بیع میں کوئی حرج نہیں، جیسے: بکریوں، اونٹوں اور گائے وغیرہ کے گوبر کی کھاد، جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا گوبر پاک ہے اور اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں، لہٰذا اس کی قیمت بھی جائز ہے اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں، البتہ جو کھاد ناپاک ہو یا پلید صرف اس میں اشکال اور اختلاف ہے لیکن پاکیزہ کھاد کے استعمال میں کوئی حرج ہے نہ اس کی خرید و فروخت اور قیمت کھانے میں کوئی ممانعت ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 5)

31- چینی سے شہد بنانے والی مکھیوں کے شہد کی خرید و فروخت کا حکم

چینی سے خوراک لے کر شہد بنانے والی مکھیوں کے شہد کی خرید و فروخت میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر یہ شہد اس شہد کی کوالٹی سے مختلف ہو جو چینی سے غذا

[1] مسند أحمد [141/4] الصحيحة، رقم الحديث [607]

لے کر مکھیاں بنائیں تو ایسی صورت میں بیچنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خریدار کے لیے وضاحت کر دیے کہ یہ چینی سے تیار شدہ شہد ہے، تاکہ وہ اس دھوکا دہی کا مرتکب نہ ہو جس کو کرنے والے سے رسول کریم ﷺ نے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا)) ❶

''جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔''

اور اس کی بیع میں بے برکتی نہ پڑ جائے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

''دو خرید وفروخت کرنے والے جب تک ایک دوسرے سے علاحدہ نہ ہو جائیں تب تک انھیں اختیار ہے، اگر وہ سچ بولیں اور بے لاگ انداز میں ہر چیز واضح کر دیں تو ان دونوں کی خرید وفروخت بابرکت ہو جائے گی، اور اگر ان دونوں نے جھوٹ بولا اور چھپایا تو ان دونوں کی بیع سے برکت مٹ جائے گی۔'' ❷

لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ سچائی اور صاف صاف بیان کر کے معاملات کرے اور اسی انداز میں ان کے ساتھ پیش آئے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہو، یہی ایمان کی حقیقت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ نہ پسند کرے جو وہ اپنے لیے کرتا ہے۔'' ❸

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

❶ صحيح مسلم [102/164]

❷ صحيح البخاري، رقم الحديث [2079] صحيح مسلم [1532/47]

❸ صحيح البخاري، رقم الحديث [13] صحيح مسلم [45/71]

”جو یہ پسند کرتا ہے کہ اسے آگ سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے اور اس حالت میں اس کی موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے پاس ایسے ہی آئے جس طرح وہ ان کا اپنے پاس آنا پسند کرتا ہو۔“[1] (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 9/230)

32- خون دینے کا معاوضہ لینے کا حکم

صحیح بخاری میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خون کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر کسی مسلمان کے لیے خون کا کوئی عوض لینا جائز نہیں اور اگر اس نے اس کا معاوضہ لے لیا ہو تو اسے فقرا پر صدقہ کر دے۔[2] (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 48/19)

33- گردے کی پیوندکاری اور خرید و فروخت کا حکم

مجبور آدمی کے لیے گردے کی پیوند کاری کروانا جائز ہے، اگر یہ کسی جائز طریقے کے ذریعے سے ممکن ہو، لیکن کسی انسان کے لیے اپنا گردہ یا جسم کا کوئی عضو بیچنا جائز نہیں کیونکہ ایسے شخص کے متعلق وعید آئی ہے جو کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھا جائے۔[3] اور کسی عضو کی بیع بھی اس میں داخل ہے کیونکہ انسان اپنے جسم کا مالک ہوتا ہے نہ اپنے اعضا ہی کا۔ مزید برآں اس میں یہ خرابی بھی نظر آتی ہے کہ کہیں یہ کام اعضا کی تجارت کا ذریعہ ہی نہ بن جائے،

---

1. سنن النسائي، رقم الحديث [4191] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3956]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [2238]
3. صحيح البخاري، رقم الحديث [2227]

مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی یہ جائز نہیں کہ مبادا یہ غریبوں پر ظلم کا سبب بن جائے اور مال کے لالچ میں ان کے گردوں کی چوری رواج پکڑ جائے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 60)

34- آلاتِ تصویر کی خرید وفروخت

اس میں تفصیل ہے۔ سٹوڈیو میں جائز اور ناجائز دونوں طرح کی تصویریں بنائی جاتی ہیں، اگر اس میں جائز اشیا کی تصویریں اتاری جائیں، جیسے: گاڑیاں، جہاز اور پہاڑ وغیرہ، جن میں روح نہیں ہوتی تو ایسے آلاتِ تصویر بیچنے میں کوئی حرج نہیں، ان سے بے جان اشیا کی تصویر بنائی جا سکتی ہے اور انسان کو بھی اس کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔

رہا سوال ذی روح اشیا کی تصویر کشی کا، مثلاً: انسانوں کی تصویریں، جانوروں کی تصویریں اور پرندوں کی تصویریں تو یہ ضرورت کے بغیر جائز نہیں، جس طرح ایسی چیز کی تصویر بنانا جس کے لیے لوگ مجبور ہوں، جیسے شہریت کی شناخت کے لیے جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے، جسے عرف عام میں برتھ سرٹیفکیٹ یا شناختی کارڈ کہا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح پاسپورٹ اور تعلیمی اسناد کا معاملہ ہے جو تصویر کے بغیر نہیں ملتے، ایسے ہی مجرموں کی تصویر بنانا تاکہ ان کی شناخت ہو اور ان کے شر سے بچا جا سکے، اس طرح اس کے ساتھ ملتی جلتی صورتوں میں جو ضرورت کا تقاضا ہو، تصویر بنائی جا سکتی ہے۔ اس کی دلیل قرآن کریم میں یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [الأنعام: 119]

”حالانکہ بلاشبہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔“

مقصد یہ ہے کہ انھیں (آلاتِ تصویر) صرف جائز چیز کے لیے استعمال کیا جائے، اگر اسے لوگوں کو بیچ دیا جائے تو اس کی بیع میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ اچھی اور بری دونوں چیزوں میں استعمال ہوتا ہے، جس طرح تلوار یا چھری اور ان کے ساتھ ملتی جلتی اشیا کی بیع کرنا، جو اچھائی اور برائی دونوں میں استعمال ہوسکتی ہیں، جائز ہے، تاہم گناہ اس کے سر ہوگا جو انھیں برائی میں استعمال کرے گا، لیکن جس کو علم ہو کہ چھری یا تلوار یا ان جیسی اشیا کا خریدار انھیں برائی میں استعمال کرے گا تو اس کے لیے اس شخص کو یہ اشیا بیچنا حرام ہوگا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 81/19)

35- مجسموں کی خرید و فروخت اور انھیں بطور زیبائش رکھنے کا حکم

گھروں میں رکھے ہوئے ان مجسموں کا حکم، خواہ یہ لٹکے ہوئے ہوں یا الماریوں میں رکھے ہوئے ہوں، یہ ہے کہ انھیں حاصل کرنا اور رکھنا حرام ہے، چاہے یہ مجسمے حیوانات کے ہوں، یا گھوڑوں، شیروں یا اونٹوں وغیرہ کے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو۔[1] جب فرشتے اس گھر میں داخل نہ ہوں تو اس گھر میں کوئی خیر نہیں ہوسکتی، لہٰذا جس کے پاس کوئی ایسی چیز ہے اسے چاہیے کہ اسے تلف کر دے یا کم از کم اس کا سر کاٹ دے اور اسے مٹا دے، تاکہ فرشتے اس کے گھر میں داخل ہونے سے نہ رکیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3226] صحيح مسلم [2106/86]

آپ ایسے لوگوں پر تعجب کریں گے کہ وہ ان جیسی اشیا خطیر رقم خرچ کر کے خریدتے ہیں، پھر انھیں اپنی مجالس کی زینت بناتے ہیں، گویا وہ بچے ہیں۔ حقیقت میں شیطان نے یہ چیز ان کے لیے خوبصورت بنا کر پیش کی ہے وگرنہ اگر وہ اپنے دل میں جھانکیں تو اس نتیجے تک پہنچیں گے کہ یہ بیوقوفی ہے، کسی صاحب عقل کو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے چہ جائیکہ کوئی مومن انھیں اپنے گھر میں رکھے۔ صرف ایمان اور مضبوط ارادے کے ذریعے سے اس سے چھٹکارا پانا، انھیں مٹانا اور ختم کرنا ممکن ہے، اگر لوگ انھیں اپنے پاس رکھنے پر اصرار کریں تو وہ گناہ گار ہوں گے اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کا گناہ بڑھتا جائے گا، ہم اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے اور اپنے لیے ہدایت مانگتے ہیں۔

جہاں تک ان کی خرید و فروخت کا تعلق ہے تو یہ حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان نبوی ہے:

"اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز حرام قرار دیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں۔"[1]

لہٰذا ان کی درآمد جائز ہے نہ برآمد اور نہ خرید و فروخت ہی حلال ہے، اس مقصد کے لیے دکان کرائے پر دینا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی کے کام پر مدد دینے کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتے ہیں:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: 2]

"اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"

---

[1] مسند أحمد [293/1] بلوغ المرام، رقم الحدیث [318]

اسی طرح دیواروں اور کھڑکیوں پر ایسے پردے لگانا بھی حرام ہے، جن میں گھوڑوں، شیروں اور اونٹوں وغیرہ کی تصویریں ہوں کیونکہ تصویریں لٹکانا ان کی قدر ومنزلت بڑھانے کے ضمن میں ہے اور یہ اس فرمان نبوی کے عمومی حکم میں داخل ہوجاتا ہے کہ ''فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر ہو۔''[1] البتہ ان جیسی وہ تصویریں جو فرش پوشوں پر ہوں، جنھیں پاؤں تلے روندا اور خوب رسوا کیا جاتا ہے، ان کے متعلق اہل علم کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا یہ حرام ہیں کہ نہیں، جمہور علماء کرام کا یہ موقف ہے کہ یہ حلال ہیں تاہم جو ان سے بچنا چاہے اور پرہیز گاری اپنانا چاہے تو وہ ایسے فرش پوش نہ لے جن پر کسی جانور کی تصویر ہو، یہ زیادہ بہتر اور اچھا ہے لیکن اگر کوئی جمہور کا قول اختیار کرے تو میں امید کرتا ہوں کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2/253)

36- ذی روح اشیا کی تصویروں کی خرید وفروخت

ذی روح اشیا کی خرید وفروخت حرام ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع حرام قرار دی ہے۔''[2]

یہ تصویریں ان کے اہل خانہ اور ماننے والوں میں غلو پیدا کرنے کا سبب بھی بن سکتی ہیں۔ نیز یہ ان (تصویروں والوں) کی محبت میں غلو کا سبب بھی بن

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3226] صحيح مسلم [2106/86]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2236] صحيح مسلم [1581/71]

سکتی ہے، جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں یہ پیدا ہو گیا تھا۔

صحیح بخاری میں اس آیت:

﴿ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴾ [نوح: 23]

''اور انھوں نے کہا تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ کبھی ودّ کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔''

کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''یہ قومِ نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں، جب یہ ہلاک ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان جگہوں پر، جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے، ان کے بت نصب کر دیں اور انھیں ان کا نام دے دیں، انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن ان کی پوجا نہیں کی جاتی تھی، جب یہ لوگ ہلاک ہو گئے اور علم مٹ گیا تو ان کی پوجا شروع ہو گئی۔''[1]

اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری نصوص ہیں جو تصویر کی حرمت اور ذی روح اشیا کی تصویریں استعمال کرنے کی ممانعت میں وارد ہوئی ہیں۔

یہ تو ان کے متعلق تھا جو ذی روح اشیا کی شکل پر ہیں، رہیں وہ چیزیں جن پر ذی روح اشیاء کی تصویریں ہوں، جیسے: سونے، چاندی کے سکے، کاغذ کی کرنسی، کوئی کپڑا، کوئی آلہ وغیرہ، اگر تو یہ اشیا لوگوں کے ہاں اس طرح متداول ہوں کہ انھیں دیواروں پر آویزاں کیا جائے، جس میں ان کی تحقیر پہلو نہ نکلے تو ان کا لین دین حرام ہے کیونکہ تصویر کی حرمت اور ذی روح اشیا کے استعمال کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4920]

ممانعت میں یہ بھی شامل ہیں، اگر کسی چیز پر تصویر ہو اور اس کی تحقیر کی جاتی ہو، جس طرح کوئی ایسا آلہ جس سے کوئی چیز کاٹی جائے، کوئی چٹائی جیسے پاؤں تلے روندا جاتا ہے، یا کوئی سرہانہ جس پر سر رکھ کر آرام کیا جاتا ہے تو یہ جائز ہے، کیونکہ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک پردہ لگایا جس میں تصویریں تھیں، رسول کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اسے اتار دیا۔[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے اس کے دو ٹکڑے کر کے دو سرہانے بنا دیے جس پر آپ ﷺ آرام فرماتے، مسند احمد میں ہے:

((قطعته مرفقتين، فلقد رأيته متكئا على إحداهما، وفيها صورة))[2]

"میں نے اس کو کاٹ کر دو تکیے بنا دیے، میں نے آپ ﷺ کو ان میں سے ایک پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے جبکہ اس پر تصویر تھی۔"

اس بات کا علم ہو جانے کے بعد کہ ذی روح اشیا کی تصویر حرام ہے، گزشتہ دلائل کے پیش نظر انھیں کام کے سلسلے میں بنانا جائز ہے نہ کپڑوں وغیرہ ہی پر لگانا درست ہے۔ (اللجنة الدائمة: 1974)

37- حنوط شدہ جانور حاصل کرنے اور ان کی خرید و فروخت کا حکم

حنوط شدہ پرندوں اور جانوروں کو حاصل کرنے میں، چاہے انھیں زندہ حاصل کرنا جائز ہو یا ناجائز، مال ضائع ہوتا ہے اور انھیں حنوط کرنے میں مال صرف کرنا فضول خرچی اور ناجائز مال صرف کرنے کے زمرے میں آتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ نے اسراف اور مال ضائع کرنے سے منع کیا

---

[1] صحيح مسلم [2107/95]

[2] مسند أحمد [247/6]

ہے، کیونکہ یہ ان کے متعلق کوئی غلط اعتقاد رکھنے اور پرندوں وغیرہ کی تصویریں بنانے کا ذریعہ بن سکتا ہے جو ذی روح ہیں، پھر انھیں گھروں میں یا دفاتر میں رکھا جاتا ہے یا آویزاں کیا جاتا ہے اور یہ حرام ہے، لہٰذا نہ ان کی بیع جائز ہے نہ انھیں حاصل کرنا ہی حلال ہے۔

محتسب کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ لوگوں کو بیان کرے کہ یہ حرام ہے اور بازاروں میں اس کے لین دین کی جو ایک بھیڑ چال لگی ہوئی ہے، اسے روکے۔

قوم نوح میں ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی تصویروں کی وجہ سے شرک پیدا ہوگیا تھا حالانکہ وہ اس قوم میں نیک لوگ تھے، اور ایک دوسرے کے قریب قریب زمانوں میں فوت ہوئے تھے، شیطان نے ان کی قوم کے دل میں یہ خیال خوبصورت بنا کر ڈال دیا کہ وہ ان کی تصویریں بنا کر، جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے، وہاں نصب کر دیں، انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس کی وجہ سے قوم نوح شرک میں مبتلا ہوگئی، جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور دیگر مفسرین، محدثین اور مؤرخین نے بھی یہ بات ذکر کی ہے۔ واللہ المستعان ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 41/19)

38- شراب کی بیع اور شراب کے کارخانوں میں کام کرنا

شراب اور دیگر حرام اشیا کی خرید و فروخت بہت بڑی برائیوں میں سے ہے، اسی طرح شراب کی بھٹیوں میں کام کرنا بھی حرام اور برائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ

الْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شراب، منشیات اور سگریٹ کی بیع گناہ اور زیادتی میں تعاون کرنے کی ایک صورت ہے، بالکل اسی طرح شراب کے کارخانوں میں کام کرنا بھی گناہ اور زیادتی کے کام میں مدد دینا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة: 91,90]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟''

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ ''آپ ﷺ نے شراب، شرابی، ساقی، کشید کرنے والے، کشید کروانے والے، اٹھا کر لے جانے والے، جس کے

لیے اٹھا کر لائی جائے، اس کے خریدار، فروخت کنندہ اور قیمت کھانے والے، ان تمام پر لعنت کی ہے۔"❶

ایسے شخص کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ اس کام کی وجہ سے گناہ گار، نافرمان اور ناقص ایمان والا ہے اور اہل سنت کے ہاں روزِ قیامت یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوگا، چاہے اسے معاف کر دے اور بخش دے یا اگر وہ توبہ سے پہلے ہی مر گیا تو اس کو سزا دے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء: 48]

"بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔"

یہ حکم ایسی صورت میں ہے جب وہ اس کی حلت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو، اگر وہ اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو اس کی وجہ سے وہ کافر ہو جائے گا، اگر وہ مر گیا تو اس کو حلال سمجھنے کی وجہ سے تمام علما کے ہاں نہ اسے غسل دیا جائے گا نہ اس کی نمازِ جنازہ ہی ادا کی جائے گی، کیونکہ اس کام کی وجہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کر رہا ہوتا ہے۔

یہی حکم اس بندے کا بھی ہے جو زنا کاری اور اغلام بازی کی حلت کا عقیدہ رکھتا ہے یا اس کے علاوہ دیگر متفقہ محرمات کی حلت کا عقیدہ رکھتا ہے، جیسے: والدین کی نافرمانی، قطع تعلقی اور ناحق قتل۔

❶ سنن أبي داود، رقم الحديث [3674] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3380]

لیکن جو شخص ان میں سے کسی کام کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کو علم ہو کہ یہ حرام ہے، اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس کام کے کرنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو رہا ہے، تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا، بلکہ فاسق ہوگا اگر اس نے موت سے قبل توبہ نہ کی تو آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوگا، جس طرح شرابی کے حکم کے متعلق گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکا ہے۔ واللہ ولي التوفيق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 349/19)

39- کولون [1] کی خرید و فروخت کا حکم

اولاً: بالذات کولون کے متعلق تحقیق کی جائے گی کہ آیا یہ فروخت بھی ہوتا ہے کہ نہیں؟ کیونکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خرید و فروخت نہیں ہوتی، اگر یہ بطور شربت استعمال ہو اور اس میں کوئی نشہ پیدا کر دینے والی چیز ہو تو ظاہر یہی ہے کہ اس کی بیع حرام ہے اور برائی کا دروازہ بند کرنے کے لیے اس سے منع کرنا واجب اور لازم ہے لیکن اگر یہ فرض کیا جائے کہ اس میں کوئی فائدہ ہے اور انسان اسے بیچ دے اور اسے علم نہ ہو کہ خریدار اس کے ساتھ کیا کرے گا تو اس کو گناہ نہیں ہوگا، لیکن اگر اس کو علم ہو کہ یہ شخص یا نوجوان اس کو نشے کے لیے استعمال کرے گا تو ایسے شخص کے لیے اسے بیچنا جائز نہیں کیونکہ ایسی حالت میں اس کو علم ہے کہ وہ گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون کر رہا ہے، لہٰذا یہ اس کے لیے جائز نہیں۔

جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص ایسے افراد کو یہ بیچ رہا ہے تو حکام کا یہ فرض

---

[1] یہ عرقیات، الکوحل اور پانی کا ایک مخلوط محلول ہوتا ہے جو پرفیوم بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔

بنتا ہے کہ وہ اس شخص کو سزا دیں جو اسے ایسے شخص کو فروخت کرتا ہے جس کے متعلق اس کو علم ہوتا ہے کہ وہ اس کو غلط کام میں استعمال کرے گا، اور اس کو واضح کر دینا چاہیے کہ اس کی اجازت صرف اس کے لیے ہے جو اسے اچھے کام میں استعمال کرے، تاہم اس کا استعمال نہیں کرنا چاہیے، اگر اس میں کوئی نشہ آور چیز ہو اس سپرٹ بھی ہوتا ہے جس کا نقصان اور نشہ پیدا کرنا بالکل واضح ہے، لہٰذا اس کا استعمال جائز نہیں اور اس سے بچنا چاہیے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 44/19)

40- ادھار کے بدلے ادھار کی خرید و فروخت

قرض کے بدلے قرض کی بیع جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عوض اور معوض (بیچا گیا سامان) دونوں ہی مجلس عقد میں موجود نہ ہوں، چاہے قیمت بھی معلوم ہو اور فروخت شدہ چیز بھی معروف ہو یا مکمل بیان کی گئی ہو، مثلاً دور کھڑی بکری سو ریال (سعودی سکہ) ادھار میں بیچ دی جائے تو یہ قرض کے بدلے قرض ہے کیونکہ جو چیز مجلس عقد میں غیر موجود ہو وہ ادھار ہے۔ اگر مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے دونوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی حاضر کر دی جائے تو بیع صحیح ہوگی اور اگر وہ ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک کے آنے سے پہلے دونوں بندے اٹھ گئے تو بیع باطل ہو جائے گی۔ واللہ اعلم (ابن جبرین رحمہ اللہ: 10/7)

41- مادی حق

سوال حکومت کے خزانوں سے حاصل ہونے والے کسی مادی حق کی بیع کرنے جو کسی وثیقے یا کوئی چیز خریدنے کے اجازت نامے کی صورت میں ہو، پھر اس صارف کا کسی تاجر کو یہ وثیقہ یا اجازت نامہ فروخت کر دینا اور وہ تاجر

اسے کسی دوسرے صارف کو نئی قیمت کے ساتھ بیچ دے، کیا یہ حلال ہے کہ حرام؟

جواب کسی صارف کے لیے اس وثیقے، یا تعمیراتی سامان خریدنے کے حکومتی اجازت نامے کو کسی تاجر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں کہ وہ بعد میں کسی دوسرے صارف کو وہ بیچ دے۔ (اللجنة الدائمة: 10808)

42- تمباکو کی تجارت کرنے والے کے متعلق اسلام کا حکم

تمباکو پینا حرام ہے، اسی طرح اس کی کاشت اور تجارت بھی حرام ہے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ ضرر اور نقصان ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ «لا ضرر ولا ضِرار» [1] ''نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ نہ بدلے میں کوئی تم کو نقصان پہنچائے۔'' نیز یہ خبیث چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾

[الأعراف: 157]

''اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾

[المائدۃ: 4]

''تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ کہہ دے تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔''

(اللجنة الدائمة: 4947)

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2340]

43- ایسے کپڑوں کی تجارت کا حکم جو عورتوں کے لیے پہننے حرام ہیں

کوئی ایسا کپڑا نہیں جس کا پہننا عورتوں کے لیے ہر حال میں حرام ہو ماسوائے ایسے کپڑوں کے جن میں مردوں یا کافر عورتوں کے ساتھ مشابہت ہو یا جن پر ذی روح اشیا کی تصویریں ہوں، اس کے علاوہ جتنے بھی کپڑے ہیں عورت کا انھیں اپنے خاوند کے سامنے پہننا جائز ہے، جبکہ کچھ کپڑوں کا خاوند کے علاوہ دیگر افراد اور محرم رشتہ داروں کے سامنے پہننا حرام ہے: جیسے وہ مختصر لباس جس میں پنڈلیاں، بال، گردن یا چہرہ وغیرہ ننگا ہو رہا ہو۔

بنا بریں جو کپڑا عورت کے لیے کسی حالت میں پہننا حرام ہو اور کسی حالت میں حلال تو تاجر اسے بیچ سکتا ہے، تاہم اس عورت کو چاہیے کہ وہ اسے وہاں استعمال کرے جہاں اس کا استعمال کرنا جائز ہو حرام نہ ہو، اور جو کپڑا عورت کے لیے ہر حالت میں پہننا حرام ہو، تاجر کو اس کی تجارت کی اجازت ہے نہ عورت کو اسے پہننے کی رخصت۔ (اللجنة الدائمة: 4947)

44- انتہائی قلیل استعمال شدہ سونے کی نئی قیمت کے مطابق خرید و فروخت

تھوڑے سے استعمال شدہ سونے کی نئی قیمت کے مطابق بیع، اگر تو فروخت کرنے والے کی جانب سے دھوکا دیتے ہوئے کی جائے، تو حرام ہے کیونکہ فرمان نبوی ہے:

”جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔“[1]

[1] صحیح مسلم [102/164]

اگر اس میں کوئی دھوکا نہ ہو، مثلاً: فروخت کرنے والا خریدار کو بتا دے کہ یہ استعمال شدہ ہے تو خریدار اس سودے میں بصیرت کے ساتھ شامل ہوگا، نیز اس کو یہ بھی بتا دے کہ اس نے جو اس کی قیمت مقرر کی ہے وہ نئی ہے، اگر خریدار اس پر راضی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14/235)

45- بولی کے ذریعے خرید وفروخت

سودے پر سودا کرنے کے معاملے میں کچھ تفصیل ہے، اگر وہ بولی کھلی رہے، سامان پر آواز لگائی جائے اور مزید کی طلب کی جائے تو ایسی صورت میں اگر انسان کسی دوسرے سودے پر اضافہ کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ زیادہ کی طلب کی جا رہی ہے اور زیادہ کا دروازہ کھلا ہے اور نبی پاک ﷺ نے کئی ایک سودوں میں، جن کی آپ نے نگرانی کی، کہا: ''کون زیادہ دے گا؟''[1]

اگر سودا ختم ہو جائے اور مالک یا اس کے وکیل نے کسی شخص کو بیچنے کا ارادہ کر لیا ہو اور سودا پکا کر لیا ہو اور بولی کا سلسلہ منقطع کر دیا ہو تو ایسی صورت میں کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ آگے بڑھے اور اپنے بھائی کے سودے پر سودا کرے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«ولا يسم على سوم أخيه»[2]

''وہ اپنے بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔'' (الفوزان: المنتقیٰ: 54)

46- فحش رسالوں کی خرید وفروخت

فحش رسالوں کی تجارت کا کام کرنا جائز نہیں جن پر بے پردہ عورتوں کی

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [1641] سنن الترمذي، رقم الحديث [1218]

[2] صحيح مسلم [1408/38]

تصویریں ہوں، کیونکہ یہ فساد اور برائی کا ذریعہ ہیں۔ وسیلے اور ذریعے کا بھی وہی حکم ہوتا ہے جو اس کی غرض و غایت کا ہوتا ہے، ایسے کام میں شریک شخص اس کے مالکان کو تعاون اور مدد مہیا کرتا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ اور عظیم ترین جرم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گناہ اور زیادتی کے کام میں تعاون کرنے سے منع کیا ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: 2]

''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

(اللجنۃ الدائمۃ: 14816)

47- انحراف کے حامل رسائل جاری کرنے، ان میں کام کرنے اور انھیں خریدنے کا حکم

ایسے رسائل نکالنا جائز نہیں جو عورتوں کی تصویریں شائع کرنے پر مشتمل ہوں یا زنا کاری، اغلام بازی، فحاشی یا منشیات وغیرہ استعمال کرنے کے اعلانات اور ہر ایسی چیز کو متضمن ہوں جو باطل کی دعوت دے اور اس میں تعاون مہیا کرے، ان جیسے رسائل میں لکھنا جائز ہے نہ ان کی ترویج کرنا، کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی میں تعاون کا سلسلہ، زمین میں فساد پھیلانے کا ذریعہ، معاشرہ خراب کرنے کی دعوت اور اخلاق رذیلہ پھیلانے کا وسیلہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں فرمایا ہے:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدۃ: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔''

فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''جس نے بھلائی کی دعوت دی اس کو بھی اتنا ہی ثواب ہوگا جتنا اس پر چلنے والے کو ہوگا، اور ان کے اجروں میں اس سے کوئی کمی نہیں ہوگی اور جس نے گمراہی کی دعوت دی، اس کو بھی اتنا ہی گناہ ہوگا، جتنا اس پر چلنے والے کو ہوگا اور ان کے گناہوں سے کوئی کمی نہیں ہوگی۔''[1]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''اہل جہنم کی دو قسمیں ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا: ایک وہ قوم ہوگی جن کے پاس گائے کی دُموں کے برابر کوڑے ہوں گے جن کے ساتھ وہ لوگوں کو ماریں گے، دوسرے وہ عورتیں ہوں گی جو لباس پوش مگر برہنہ ہوں گی، خود مائل ہونے والیاں اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والیاں، ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح ایک طرف جھکے ہوئے ہوں گے، وہ جنت میں جائیں گی نہ اس کی خوشبو ہی پاسکیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے ہی سے محسوس ہونا شروع ہوجائے گی۔''[2]

اس معنی میں بہت ساری آیات اور احادیث ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو ایسے کاموں کی توفیق دے جن میں ان کی اصلاح

---

[1] صحیح مسلم [2674/16]

[2] صحیح مسلم [2128/125]

اور نجات ہو، اور ذرائع ابلاغ کے ذمے داران اور صحافتی معاملات کے سرکردہ افراد کو ایسے کاموں کی ہدایت نصیب فرمائے جو معاشرتی سلامتی کا ضامن ہوں اور انھیں ان کے نفسوں کے شر اور شیطان کے مکر و فریب سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 75/19)

48- کمپنیوں میں شراکت کے لیے دوسروں کے نام خریدنے کا حکم

شیئرنگ کمپنیوں اور بنکوں میں شریک کار ہونے کے لیے دوسروں کے نام خریدنا حرام اور جعل سازی ہے، لہٰذا ایسا کرنا جائز نہیں۔

مالک نام بیچ کر جو قیمت وصول کرتا ہے وہ اس کے لیے حرام ہے، اور نام خریدنے والا جو کمائی کرتا ہے وہ کمائی اس کے لیے حرام ہے پھر یہ اکثر شیئرنگ کمپنیاں سودی کاروبار کرتی ہیں لہٰذا ان میں شراکت جائز نہیں، اسی طرح بنک بھی سودی ادارے ہیں، لہٰذا ان میں شراکت کرنا جائز نہیں۔

(الفوزان: المنتقیٰ: 59)

49- ممنوعہ اسلحے کی خرید و فروخت

سربراہِ مملکت کی طرف سے جس اسلحے کی خرید و فروخت ممنوع قرار دی جائے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [النساء: 59]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں۔“

سربراہِ مملکت کی طرف سے اسلحے کی بیع منع کرنے کا مقصد امن قائم رکھنا اور فتنے کے وسائل بند کرنا ہے، اس بنیاد پر فتویٰ کمیٹی یہ سمجھتی ہے کہ سربراہِ مملکت کی اجازت کے بغیر اسلحے کی خرید و فروخت حرام ہے اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کمائی بھی حرام ہے۔ واللہ اعلم (اللجنة الدائمة: 14967)

50- شہری کا دیہاتی کے لیے بیع کرنا اور (تجارتی) قافلوں کو باہر ہی مل لینا

شہری کا دیہاتی کے لیے بیع کرنا جائز ہے نہ قافلوں کو ملنا ہی، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنا سامان بیچنے کے لیے بازاروں اور منڈیوں میں لے کر آتے ہیں، یہ شخص ان کے بازار میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو مل لیتا ہے اور ان سے سستے داموں سودا خرید لیتا ہے، پھر اسے خود بازار لاتا ہے، یہ اس لیے منع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”قافلوں کو نہ ملو اور شہری دیہاتی کے لیے بیع نہ کرے۔“ [1]

(اللجنة الدائمة: 14409)

51- کرنسی کی خرید و فروخت کا حکم

اس میں کوئی حرج نہیں، اگر کوئی شخص ڈالر یا کوئی بھی کرنسی خرید لیتا ہے پھر اسے اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے، اس کے بعد، جب اس کا ریٹ چڑھ جاتا ہے اور وہ اسے بیچ دیتا ہے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں لیکن وہ اسے نقد خرید لے نہ کہ ادھار، یعنی: سعودی ریالوں کے بدلے ڈالر خریدنا، یا سعودی ریال کے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2150]

بدلے عراقی دینار لیکن ہاتھوں ہاتھ، کرنسی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا لین دَین نقد بہ نقد ہو جس طرح سونے کے ساتھ چاندی کا لین دین نقد بہ نقد کیا جاتا ہے۔ واللہ المستعان. (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 59/19)

52- چوری شدہ مال کی خرید و فروخت کا حکم

جسے علم ہو کہ سامان چوری کا ہے، اس کے لیے اسے خریدنا حرام ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسا کرنے والے کے فعل پر ناپسندیدگی کا اظہار کرے، اسے نصیحت کرے کہ وہ یہ سامان اس کے مالک کو لوٹا دے، اگر نصیحت کارگر نہ ہو تو وہ ذمہ دارانِ حکومت سے مدد مانگے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 91/19)

53- ایسے سامان کی خرید و فروخت کا حکم جو اپنی جگہ پڑا ہو

کسی مسلمان کے لیے کوئی سامان اس وقت تک نقد یا ادھار بیچنا جائز نہیں جب تک وہ اس کا مالک نہ ہو جائے اور اسے اپنے قبضے میں نہ کر لے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام نے فرمایا تھا:

«لا تبع ما ليس عندك»[1]

”جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔“

حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لا يحل سلف وبيع، ولا بيع ما ليس عندك»[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3503]

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث [1234] سنن النسائي، رقم الحديث [4611]

''سلف (قرض) اور بیع (ایک ہی وقت میں) جائز نہیں، اور جو تیرے پاس نہیں اس کی کوئی بیع نہیں۔''

مذکورہ بالا دونوں احادیث کی بنا پر جو شخص کوئی سامان خریدتا ہے وہ اس وقت تک اسے بیچ نہیں سکتا جب تک اسے اپنے قبضے میں نہ کر لے۔

نیز امام احمد اور امام ابو داود نے بھی حضرت زید بن ثابت سے روایت کیا ہے اور اسے ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام سے منع فرمایا ہے کہ جس جگہ سے سامانِ خریدا جائے اسے تاجر اپنے گھر میں لے جانے سے پہلے وہیں بیچ دے۔[1] صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خوراک (غلہ) بیچتے ہوئے دیکھا ہے، ان کو اسے اپنے گھروں میں لے جانے سے پہلے وہیں بیچنے پر مارا جاتا تھا۔[2] اس مفہوم کی بہت ساری احادیث ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 64/19)

54- مردوں کو سونے کی گھڑیاں، انگوٹھیاں اور قلمیں بیچنے کا حکم

سونے اور چاندی کی گھڑیاں اور انگوٹھیاں مردوں اور عورتوں کو بیچنا جائز ہے، لیکن مرد کو سونا، سونے کی یا سونے کا پانی چڑھی انگوٹھی پہننے کی اجازت نہیں، اسی طرح چاندی کی گھڑی ہے، یہ صرف عورتوں کے لیے ہے، البتہ چاندی کی انگوٹھی مرد و عورت دونوں کے لیے جائز ہے، سونے اور چاندی کے قلم مردوں کے لیے جائز ہیں نہ عورتوں کے لیے کیونکہ یہ زیور کی قسم نہیں، بلکہ یہ سونے اور

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحدیث [3499]

[2] سنن النسائی، رقم الحدیث [4608]

چاندی کے برتنوں کے مشابہ ہیں، اور سونے اور چاندی کے برتن سب پر حرام ہیں، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

''سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو، نہ ان کی پلیٹوں میں کھاؤ، کیونکہ یہ ان کے لیے (کافروں کے لیے) دنیا میں ہیں اور تمھارے لیے آخرت میں۔''[1]

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو سونے یا چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں غٹا غٹ جہنم کی آگ انڈھیلتا ہے۔''[2]

برتنوں میں چمچے، اور چائے اور قہوے کے کپ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 72/19)

55- ملامست (چھونا) منابذت (پھینکنا) کی بیع

نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ملامست، منابذت اور کنکری پھینک کر واقع ہونے والی بیع سے منع فرمایا ہے[3] کیونکہ اس میں دھوکا ہوتا ہے۔

ملامست کا معنی: فروخت کرنے والا خریدار سے کہے: تم نے یا فلاں شخص نے جو کپڑا ابھی چھوا، وہ تجھے اتنے پیسوں میں خریدنا پڑے گا۔

منابذت کا معنی: فروخت کرنے والا خریدار سے کہے: میں نے یا فلاں شخص نے جو کپڑا ابھی تمھاری طرف پھینکا وہ تجھے اتنے پیسوں میں لازماً خریدنا ہوگا۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5426] صحيح مسلم [2067/5]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [5634] صحيح مسلم [2065/1]

[3] صحيح مسلم [1513/4]

کنکری کی بیع: فروخت کرنے والا کہے: جس ٹکڑے یا جس کپڑے پر کنکری گرے وہ تجھے اتنے پیسوں میں خریدنا ہوگا۔

جو معاملہ بھی اس طرح کے تصرف کے ساتھ مشابہت رکھتا ہو، وہ اس غرر (دھوکے) کے پائے جانے کی وجہ سے اس حکم میں شامل ہوگا، کیونکہ خریدار اس معاملے میں سامان کی حقیقت کے متعلق مکمل آ گاہی اور بصیرت کے ساتھ شامل نہیں ہوا۔

اللہ، جل شانہ، بندوں پر خود بندوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں، اس لیے اس نے ان کو ہر اس کام سے منع کیا ہے جو ان کے معاملات میں انھیں نقصان سے دوچار کر دے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 90/19)

56- مجہول اور نامعلوم ماپ تول کے ساتھ خرید و فروخت کرنے کا حکم

سوال دو آدمیوں نے ایک نامعلوم چیز کی خرید و فروخت کی، ایک نے کہا: مجھ سے اس کنکری کے وزن کے برابر خرید لو، یا یہ عام گھریلو برتن بھر کر اتنے اتنے روپوں میں مجھ سے خرید لو، حالانکہ ان دونوں کو اس کنکری کا وزن معلوم ہے نہ اس عام گھریلو برتن کی مقدار ہی کا کچھ اندازہ ہے، ان دنوں کے اس سودے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس میں جہالت (لاعلمیت) نہیں بلکہ سودا صحیح ہوگا کیونکہ ان دونوں نے اس کنکری اور برتن کا مشاہدہ کیا ہے، اگر ہم فرض کریں کہ انھیں وزن اور ماپ کی مقدار کا علم نہیں، لیکن انھیں دیکھ لینے کے بعد وہ مجہول اور نامعلوم نہیں رہیں۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن عقیل: فتاویٰ: 272)

57- بیع عربون (سائی یا بیعانہ) کا حکم

بیعانہ کے ذریعے سے فروخت جائز ہے، یہ سائی کی وہ قیمت ہوتی ہے جو کسی سودے کو پکا کر کے ساری قیمت ادا کرنے سے پہلے بائع یا اس کے وکیل کو دی جائے اور حساب بیباق کرتے وقت وضع کر لی جائے تاکہ اس فروخت شدہ چیز کی ضمانت مل جائے کہ کوئی دوسرا اسے نہیں خرید سکے گا، اگر خریدار وہ سامان نہ لے تو بائع اس بیعانے کو اپنے پاس رکھنے اور اسے اپنی ملکیت میں لانے کا مجاز ہوگا۔

بیعانہ کی فروخت صحیح ہے چاہے باقی ماندہ رقم ادا کرنے کا کوئی وقت مقرر ہو یا غیر مقرر، سودا پکا ہوجانے اور سامان اپنے قبضے میں کر لینے کے بعد بائع قانونی طور پر اس کی قیمت کے مطالبے کا حق رکھتا ہے۔

بیعانے کے جواز پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فعل دلالت کرتا ہے۔ امام احمد بیعانے کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب اور امام ابن سیرین کا قول ہے کہ اگر وہ سامان لوٹانے میں ناپسندیدگی محسوس کرے اور اس کے ساتھ کوئی چیز بھی واپس کر دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ اس سلسلے میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعانے سے منع فرمایا ہے۔[1] وہ ضعیف حدیث ہے، اسے امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ (اللجنة الدائمة: 19637)

58- قبرستان میں خرید و فروخت کا حکم

یہ جائز ہے، لیکن افضل اور بہتر یہی ہے کہ جس کام کے لیے جو جگہ مناسب

[1] ضعیف. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2192]

ہو اُسے وہیں کریں، قبرستان وہ جگہ ہے جس کی جب ایک مسلمان زیارت کرتا ہے تو اس کا دل نرم پڑ جاتا ہے اور وہ آخرت کی یاد میں کھو جاتا ہے اور وہاں دنیاوی معاملات کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ (عبدالرزاق عفیفی: فتاویٰ: 210/1)

59- ایک مسلمان کا کافروں کو کپڑے بیچنا

مسلمان کے لیے کافر مردوں اور عورتوں کو کپڑے بیچنا جائز ہے، اگر یہ کپڑے ستر پوش اور صلیب سے خالی ہوں اور مردوں کے لیے ریشم کے کپڑے نہ ہوں کیونکہ بیع میں اصل حلت ہے جب تک کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ آئے، چاہے یہ منع کی دلیل مسلمانوں کو بیچنے کی ہو یا کافر کو بیچنے کی۔

(اللجنة الدائمة: 15901)

60- نمازِ جمعہ سے پہلے اور بعد میں مسجد کے دروازے پر فروخت کرنا

مسجد کے باہر اس کے دروازے پر دوسری اذان سے پہلے سامان فروخت کرنا جائز ہے لیکن دوسری اذان کے بعد جائز نہیں کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾ [الجمعة: 9]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔“

(اللجنة الدائمة: 15316)

61- لاٹری

سوال یہ مختلف نمبرز ہوتے ہیں جو بہت بڑی تعداد میں نمبروں والے کاغذوں کی صورت میں جاری کیے جاتے ہیں، پھر ان کی قرعہ اندازی ہوتی ہے اور قرعہ اندازی کے دن کچھ لوگ نفع کماتے ہیں اور کچھ خسارہ، ان منافع بخش اوراق کو خریدنے کے متعلق اسلام کیا کہتا ہے؟ خصوصاً انسان انھیں انتہائی معمولی رقم کے بدلے خریدتا ہے لیکن وہ ان سے غیر معمولی منافع بھی کما سکتا ہے اور خسارہ بھی پا سکتا ہے۔ کیا اس منافع سے فقراء اور محتاجوں پر صدقہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب یہ عمل اور روش اسلام میں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شرک اور شراب نوشی کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے کیونکہ یہ میسر (جوا) ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [الأنعام: 90]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

لہٰذا آدمی کے لیے جُوا کھیلنا جائز نہیں، چاہے وہ اس طریقے سے ہو یا کسی اور طریقے سے کیونکہ قمار بازی بلاشبہ جوا ہے اور جوا حرام ہے، یہ شراب نوشی، بت پرستی اور تیروں سے قسمت آزمائی کا ہم قرین ہے، اور اس خبیث منافع سے صدقہ ناقابلِ قبول ہے کیونکہ یہ حرام اور خبیث کمائی سے صدقہ ہے۔

نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ طیب اور پاک ہے اور وہ طیب کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔''[1]

لیکن جو شخص اس عمل سے توبہ کر لے تو اس طریقے سے جو منافع اس نے کمایا ہے، اسے چاہیے کہ اس کا صدقہ کر دے یا اسے رفاہ عامہ کے کاموں میں خرچ کر دے، لیکن نیت اس مال سے خلاصی پانے کی ہو نہ کہ اس سے ثواب حاصل کرنے کی، کیونکہ اس سے خلاصی پانے کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

کیونکہ اگر وہ قرب الٰہی کے حصول کی نیت رکھتا تو اس اعتبار سے اس کا صدقہ کرتا کہ وہ مال اس کی ملکیت میں تھا، نہ کہ اس اعتبار سے کہ وہ اسے اپنی ملکیت سے خارج کرنا چاہتا، ایسی صورت میں وہ اس سے عہدہ برا ہوسکتا ہے نہ وہ مال اس سے قبول ہی کیا جائے گا کیونکہ یہ خبیث اور حرام کمائی ہے اور اللہ پاکیزہ کے سوا کچھ قبول نہیں کرتے۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت اور تلقین کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو پرہیز گاری اختیار کرنے ہی کی تلقین کی ہے ان تمام معاملات کو، جو کسی بھی رنگ میں یا کسی بھی نام کے ساتھ دھوکے اور قمار بازی پر مبنی ہوں، ترک کر دیں۔

حقائق شکلیں بدل جانے سے یا خوشنما نام دے دینے سے بدل نہیں

---

[1] صحیح مسلم [1015/65]

جاتے، خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ جیسے معاملات کے ہوتے ہوئے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حلال قرار دیے ہیں، ان حرام معاملات کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 8/253)

62- دکانیں اور مختلف جگہیں کرائے پر دے کر پگڑی لینے کا حکم

جب آدمی کوئی دکان ایک مقررہ مدت تک کے لیے کرائے پر لے، تو اس کے لیے اس مدت کے دوران میں وہاں رہنا بھی جائز ہے اور کسی دوسرے کو، جو استعمال کرنے میں اسی کی طرح ہو یا اس سے کم تر ہو، کرائے پر دینا بھی درست ہے، یعنی وہ اس دکان سے خود بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اپنے وکیل کے ذریعے بھی، لیکن جب مدت پوری ہوجائے تو اس آدمی کے لیے خالی کر دینا ضروری ہوتا ہے جس سے اس نے دکان کرائے پر لی تھی، اس کا وہاں رہنے کا پھر کوئی حق نہیں بنتا ماسوائے اس کے کہ اس کا مالک اسے اجازت دے دے۔

اس کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ اس وقت تک دکان خالی نہ کرے جب تک اسے خالی کرنے کی رقم ادا نہ کی جائے، جسے عرف عام میں فارغ کرنے کی قیمت، یا قدم منتقل کرنا کہا جاتا ہے، البتہ اگر اس کی مدت ابھی باقی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 6)

63- کسی چیز کو خریدنے کا وعدہ کرنے کا حکم

کسی چیز کو خریدنے کا وعدہ کرنا اسے خریدنا نہیں ہوتا، بلکہ وہ صرف وعدہ ہوتا ہے، جب کوئی آدمی کوئی چیز خریدنا چاہے اور اپنے بھائی سے کہے کہ وہ اسے خرید کر مجھے بیچ دے، اگر چیز خرید لی جائے اور اسے اپنے قبضے میں کرلیا جائے،

پھر وہ اسے خریدنے میں رغبت رکھنے والے کو بیچ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ میرے پاس کوئی آدمی کوئی چیز خریدنے کے لیے آئے اور وہ چیز میرے پاس نہ ہو تو کیا میں اس کا سودا کرلوں، پھر اسے جا کر خرید لوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔''[1]

یہ اس کی دلیل ہے کہ اگر وہ اس کا مالک بن جائے اور وہ چیز اس کے پاس آجائے تو پھر اسے اپنی بھائی کو بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس معنی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول بھی ہے:

''قرض کے ساتھ بیع جائز نہیں، اور نہ اس کی بیع ہے جو تیرے پاس نہیں۔''[2]

حضرت زید بن ثابت کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جس جگہ سامان خریدا جاتا ہے اسے وہیں بیچنے سے منع فرمایا ہے، تاآنکہ تاجر اسے اپنے گھروں میں نہ لے جائیں۔[3]

جو احادیث ہم نے ذکر کی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب کوئی سامان، جیسے: گاڑی، غلہ، کپڑے، برتن وغیرہ، زید یا عمرو کے پاس پائے اور اس تاجر نے ان اشیاء کو خرید کر اپنی ملکیت میں کرنے کے تمام مراحل طے کر

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث [3503]
2. سنن الترمذي، رقم الحديث [1234] سنن النسائي، رقم الحديث [4611]
3. سنن أبي داود، رقم الحديث [3499]

لیے ہوں تو پھر اس سے ان اشیاء کو خریدنے اور اپنے قبضے میں کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن دوسرا خریدار اسے اس وقت تک بیچ نہیں سکتا، جب تک وہ اسے کسی دوسری جگہ اپنے گھر میں یا بازار میں منتقل نہ کر دے اور اس بیچنے والے کی دکان سے کسی دوسری جگہ نہ لے جائے، پھر اس کے بعد جب چاہے وہ اسے بیچ سکتا ہے، تاکہ مذکورہ احادیث پر عمل ہو سکے اور بخاری شریف کی اس حدیث پر بھی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غلہ اسی جگہ بیچنے پر مارا جاتا تھا (جہاں سے اسے خریدا ہوتا تھا) حتی کہ ہم اسے اپنے گھروں میں منتقل کر لیتے۔[1] اور دوسرے الفاظ یہ ہیں: یہاں تک کہ ہم اسے بالائی بازار سے زیریں بازار تک منتقل نہ کر لیتے اور زیریں سے بالائی تک۔[2] واللہ ولي التوفيق (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 68/19)

64- پرانے سامان کو نئے سامان کے ساتھ ملا کر بیچنے کا حکم

کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو پرانی ہونے پر متغیر ہو جاتی ہیں، اگرچہ ان میں واضح طور پر کوئی خرابی نہیں ہوتی، ایسی اشیا کو نئی اشیا کے ساتھ ملانا جائز نہیں، بلکہ علاحدہ علاحدہ ہر ایک کے درمیان فرق کرنا چاہیے کیونکہ یہی مکمل خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو وقت گزرنے کے ساتھ متغیر نہیں ہوتیں، ایسی اشیا کو نئی کے ساتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک آدمی کے پاس لوہے کا سامان ہو جو وقت بدلنے کے ساتھ متغیر ہوا ہو نہ اس کی ساخت

1. سنن النسائی، رقم الحديث [4608]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3494] سنن النسائي، رقم الحديث [6406]

ہی تبدیل ہوئی ہو، اسے نئے سامان کے ساتھ ملا دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ نہ حکم بدلا ہے نہ قیمت اور نہ لوگوں کی اس میں رغبت ہی بدلی ہے، لہٰذا اس سامان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینے میں کوئی فراڈ اور دھوکا نہیں۔

خرید و فروخت کرنے والوں کو علم ہونا چاہیے کہ اگر وہ اپنی بیع میں سچ بولیں اور ہر چیز بیان کر دیں تو ان کی بیع بابرکت ہو جاتی ہے اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو ان کی بیع سے برکت مٹ جاتی ہے، لہٰذا جو شخص لوگوں کے ساتھ معاملات کرتا ہے، اس کو اس حدیث کے ساتھ ساتھ مندرجہ ذیل احادیث نبویہ بھی زیر نظر رکھنی چاہیے:

((لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه)) [1]

”تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

فرمانِ نبوی ہے:

”جو یہ پسند کرتا ہے کہ اسے جہنم سے دور کر دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے اور اس حالت میں اس کی موت واقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے پاس ایسے ہی آئے جس طرح وہ ان کا اپنے پاس آنا پسند کرتا ہے۔“ [2]

نیز فرمایا:

((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا)) [3]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [13] صحيح مسلم [45/71]

[2] سنن النسائي، رقم الحديث [4191] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3956]

[3] صحيح مسلم [102/164]

"جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں۔"

جب انسان ان عظیم ترین، روشن اور درست بنیادوں پر اپنے معاملات کی بنیاد رکھتا ہے تو اس کے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے، پھر اگر وہ تھوڑا بھی کمائے تو اس میں بھی برکت ہوگی، لیکن اگر وہ ان بنیادوں سے ہٹ گیا اور اس نے بہت زیادہ کما لیا تو اس بہت زیادہ میں کوئی بھلائی نہیں، اس سے برکت اٹھالی جاتی ہے، لہٰذا یہ آدمی اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اس کا مال بہت زیادہ ہونے کے باوجود نہ ہونے کے برابر ہوگا، اس کے مال پر کوئی بھی مصیبت ٹوٹ سکتی ہے، وہ خود یا اس کے خاندان میں سے کوئی فرد کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے جو اس ساری کمائی کو ختم کر سکتی ہے۔

لہٰذا انسان کو لوگوں کے ساتھ اس طرح معاملات کرنے سے بچنا چاہیے جس طرح وہ خود اپنے لیے پسند نہ کرتا ہو۔ والله ولي التوفيق

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 8/230)

65- موجودہ نرخ سے زیادہ نرخ پر ادھار بیع کا حکم

یہ اکثر علما کے نزدیک جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة: 282]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ ادھار خرید و فروخت موجودہ نرخ کے مطابق ہو۔

نیز یہ فرمانِ نبوی بھی اس کے جواز کی دلیل ہے کہ جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور وہاں کے لوگ پھلوں میں سال دو سال کے لیے بیع سلم کیا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو (ادھار بیع) کرتا ہے تو معلوم وزن، معلوم ماپ اور معلوم مدت تک کے لیے کرے۔''[1]

آپ ﷺ نے بھی یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ موجودہ نرخ کے مطابق ہو۔ حاکم اور بیہقی نے جید سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں لشکر تیار کرنے کا حکم دیا، اونٹ ختم ہوگئے تو آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ وہ زکاۃ کے اونٹ آنے تک دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ خرید لیں۔[2]

اس مفہوم کے بہت سارے دلائل ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ادھار تجارت اس کے بغیر درست انداز میں ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ تاجر کے لیے بھی عموماً یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ادھار چیز موجودہ نرخ پر بیچ سکے، اس کا اس کو بہت زیادہ خسارہ ہوسکتا ہے، اس طرح بیچنے والا نفع کما لیتا ہے، جبکہ خریدار مہلت اور آسانی سے فائدہ اٹھا لیتا ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز موجودہ قیمت پر خریدنے کی طاقت نہیں رکھتا، اگر ادھار لین دین میں زیادہ لینے سے منع کر دیا جائے تو اس کا معاشرے کو نقصان پہنچے گا۔ شریعت مصالح اور مفادات کے حصول اور تکمیل کے لیے اور مفاسد اور نقصانات کی بیخ کنی اور انھیں کم کرنے کے لیے آئی ہے، اس جواب کا تعلق اس چیز کے ساتھ ہے، جسے انسان اپنے

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1311]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [2823]

استعمال اور خود فائدہ اٹھانے کے لیے خریدتا ہے۔

لیکن اگر کوئی خریدار اپنی کسی ضرورت کے لیے مثلاً: قرض ادا کرنے کے لیے، گھر تعمیر کرنے کے لیے یا پھر شادی وغیرہ کرنے کے لیے کوئی چیز ادھار خریدتا ہے تاکہ اسے نقد بیچ کر پیسے حاصل کر لے، اگر خریدار یہ معاملہ اس ارادے کے ساتھ کرے تو اس کے جائز ہونے کے متعلق علماء کرام میں اختلاف ہے، اسے فقہاء کی اصطلاح میں ''تورق'' اور عوام کی زبان میں ''وعدہ'' کہا جاتا ہے۔

اس کے متعلق راجح قول جواز کا ہے، اور گزشتہ عمومی دلائل کی بنا پر ہم بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ معاملات میں جواز اور اباحت اصل ہے، ماسوائے اس کے جس کے ممنوع ہونے کی کوئی خاص دلیل ہو، نیز اس کی ضرورت بھی بہت زیادہ پیش آتی ہے، اور ضرورت مند انسان کو اس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اکثر اوقات کوئی قرض دیتا ہے نہ خیرات، لہٰذا ایسی حالت میں اسے اس معاملے کی شدید ضرورت ہوتی ہے تاکہ جو قرض وغیرہ کا بوجھ اسے مشقت میں ڈالے ہوئے ہے اس سے اپنی جان چھڑا لے، لیکن اگر کسی انسان کے لیے اس سے بچنا اور اپنی ضرورت میں اعتدال قائم رکھنا ممکن ہو تا آنکہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی آسانی پیدا کر دے تو یہ بہر حال زیادہ بہتر اور محتاط ہے۔

یہاں اس بات پر خبردار کرنا بھی ضروری ہے کہ فروخت کرنے والے کے لیے وہ سامان فروخت کرنا جائز نہیں جو اس کے قبضے میں نہ آیا ہو بلکہ وہ اس وقت تک ان تاجروں کی ملکیت ہی میں رہے گا جب تک وہ اسے اپنے گھر یا بازار وغیرہ میں منتقل نہ کر لے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اندازے کے ساتھ خوراک خرید لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف کسی آدمی کو یہ حکم دے کر بھیجتے

کہ ہم اسے اس وقت تک نہ بیچیں جب تک اپنے گھروں میں منتقل نہ کر لیں۔[1]

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں سے سامان خریدا جاتا ہے اسے وہیں بیچنے سے منع فرمایا حتی کہ تاجر اسے اپنے گھروں میں سمیٹ نہ لیں۔[2]

حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس کوئی آدمی کوئی چیز خریدنے کے لیے آئے اور وہ میرے پاس نہ ہو تو کیا میں اس کا سودا کرلوں، پھر اسے جا کر خرید لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔[3] احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اسے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 97/19)

66- ایک بیع (سودے) میں دو سودوں سے منع کا معنی

اس کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سودے میں دو سودوں سے منع کیا ہے۔[4] اس منع کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جو حدیث میں ایک دوسری جگہ بیان ہوا ہے، مراد یہ ہے کہ اسے ایسے سودے پر محمول کیا جائے گا جو صریح سود پر مشتمل ہو یا اس کے لیے حیلے سازی کی کوئی شکل ہو۔

اس مسئلے کی صورت یہ بنتی ہے کہ انسان کوئی چیز ادھار بیچے، پھر خریدار سے خود ہی اس سے تھوڑی قیمت پر نقد خرید لے۔

---

1. سنن النسائی، رقم الحدیث [4608]
2. سنن أبي داود، رقم الحدیث [3499]
3. سنن أبي داود، رقم الحدیث [3503]
4. سنن الترمذي، رقم الحدیث [1231]

مثال کے طور پر دکاندار نے ایک گاڑی ساٹھ ہزار ریال میں ایک سال کی مدت تک قسطوں پر بیچ دی، پھر اس خریدار سے خود ہی اس سے کم قیمت پر نقد خرید لی، مثلاً چالیس ہزار ریال میں، یہ ہے ایک سودے میں دو سودے کرنا، کیونکہ یہاں فروخت شدہ چیز جو گاڑی ہے دو مرتبہ فروخت ہوتی ہے، پہلی مرتبہ غیر معمولی ادھار قیمت پر اور دوسری مرتبہ تھوڑی مگر نقد قیمت پر، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ معاملہ سود کے لیے حیلے سازی کا دروازہ کھول دے گا، اس کا مطلب ہوگا کہ وہ تجھے ایک سال کی مدت کے لیے چالیس ہزار دیتا، پھر تو اسے ساٹھ ہزار ادا کرتا، اس کے بدلے اس نے تجھے ساٹھ کی گاڑی دے کر چالیس میں خریدی (اور سال بھر تجھ سے ساٹھ ہزار قسطوں میں وصول کرتا رہے گا)

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مسئلہ عینہ میں فرمایا: درہم کے بدلے درہم ہی ہیں تو نے صرف ان دونوں کے درمیان ایک ریشم کا ٹکرا داخل کر دیا ہے، یعنی یہی اس کی حقیقت ہے کہ یہ پیسے کے بدلے پیسے ہی کا تبادلہ ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''جب تم بیع عینہ کرو گے، گائیوں کی دمیں پکڑ لو گے، یعنی کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاؤ گے، کھیتی باڑی پر خوش رہو گے اور جہاد چھوڑ دو گئے تو اللہ تعالیٰ تم پر تمھارے دلوں پر ذلت مسلط کر دیں گے اور اس وقت تک اسے دور نہیں کریں گے، جب تک تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہیں آ ؤ گے۔''[1]

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3/242)

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3462]

67- ایک حدیث کا مطلب

سوال اس حدیث پاک سے کیا مراد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم بیع عینہ کرو گے، گائیوں کی دمیں پکڑ لو گے، کھیتی باڑی پر خوش رہو گے اور جہاد چھوڑ دو گئے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا تا آنکہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ۔"

جواب اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو داود نے نقل کیا ہے جبکہ یہ الفاظ ابو داود کے ہیں۔ بیع عینہ سے یہ مراد ہے کہ آدمی کسی انسان کو کوئی چیز ادھار بیچے، پھر وہ چیز خریدار کو دے دے، اس کے بعد قیمت لینے سے پہلے اسی خریدار سے وہی چیز اس سے کم قیمت پر نقد خرید لے۔

گائے کی دم پکڑنے اور کھیتی باڑی پر راضی رہنے کا مطلب ہے کہ آدمی کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائے، اس کھیتی باڑی میں مشغولیت کو اس زمانے پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے جس میں جہاد کرنا ضروری ہو اور جہاد چھوڑ دینے سے مراد ہے کہ ایسے دشمنوں کے خلاف جہاد ترک کر دینا جن کے خلاف جہاد کرنا متعین اور فرض ہو جائے اور ذلت کا مطلب ہے، رسوائی مسکینی۔ تا آنکہ تم اپنے دین کی طرف لوٹ نہ آؤ کا مطلب ہے کہ اس میں اس شخص کو بڑے بلیغ انداز میں زجر وتوبیخ اور شدید وعید سنائی گئی ہے جو جہاد چھوڑ کر حرام کاموں کا عادی ہو جائے۔

(اللجنة الدائمة: 9397)

قیمتوں کا تعین اور ذخیرہ اندوزی

68- اسلام میں ذخیرہ اندوز کی سزا

اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ اندوزی کرنے والے کی سزا لعنت ہے جس کا مطلب ہے، رحمت خداوندی سے دوری، اگر ذخیر اندوز ذخیرہ اندوزی پر اصرار کرے تو وہ تعزیر کا مستحق ہے، اس کے پاس موجود خوراک، غلہ اور ضرورت زندگی کے سامان کی لوگوں کو ضرورت ہو اور وہ اسے نہ بیچے تو حاکم اسے موجودہ وقت کے نرخ کے مطابق بیچنے پر مجبور کر سکتا ہے، اگر وہ انکار کرے تو وہ اس کو عبرت ناک سزا دے کر خود اسے بیچنے کا انتظام کرے۔ (ابن جبرین: 29/7)

69- فروخت کرنے والوں کا اپنے پاس موجود سامان کی قیمت بڑھانے پر اتفاق

اگر فروخت کرنے والے، جیسے: تاجر وغیرہ اپنے پاس موجود سامان کی قیمت خود غرضی کی بنا پر بڑھا دیں، تو حاکم چیزوں کی عادلانہ قیمتیں مقرر کر سکتا ہے، تاکہ خریداروں اور فروخت کنندگان کے درمیان عدل قائم کر سکے، نیز جلب منفعت اور دفع مضرت کے عام قاعدے کی رو سے بھی وہ ایسا کر سکتا ہے، اگر تاجروں کا اتفاق نہ ہو بلکہ رسد (سامان) کی قلت اور طلب کی کثرت کی وجہ سے قیمتیں بڑھ جائیں اور کوئی حیلہ سازی بھی نہ ہو تو ایسی حالت میں حاکم کو یہ

اجازت نہیں کہ وہ قیمت مقرر کرے بلکہ اسے اپنی رعایا کو چھوڑ دینا چاہیے، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے سے رزق عطا کرتے ہیں، اس بنیاد پر تاجروں کے لیے مروجہ بھاؤ سے بھاؤ بڑھانا جائز ہے نہ نرخ مقرر کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی اسی مفہوم پر محمول کی جائے گی کہ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھاؤ بڑھ گیا، تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ بھاؤ مقرر کر دیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ہی رزق میں تنگی اور کشادگی کرنے والا ہے، وہی رزق دینے والا ہے اور بھاؤ بڑھانے والا، میں اس امید کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص مجھ سے کسی بدلے کا تقاضا نہ کرے کہ میں نے کسی کی جان اور مال پر ظلم کیا ہو۔"[1] (رواہ احمد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! نرخ مقرر کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر، پھر ایک دوسرا آدمی آیا اور اس نے بھی نرخ مقرر کرنے کا کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"بلکہ اللہ ہی کم کرتا اور بڑھاتا ہے۔"[2] (اللجنة الدائمة: 6374)

70- منافع کی حد بندی

اگر تمام بازار میں نرخ بڑھ جائیں تو خرید و فروخت میں منافع کی کوئی

---

1. سنن أبي داود، برقم [3451] سنن الترمذي [1314] سنن ابن ماجه [2200]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3450]

متعین حد نہیں، کبھی ایسے ہوتا ہے کہ انسان کوئی چیز، مثال کے طور پر سو روپے میں خریدتا ہے، پھر تجارتی گرم بازاری کی وجہ سے اچانک اس کی قیمت دو سو تک بڑھ جاتی ہے تو وہ اسے دو صد میں بیچ دیتا ہے اور ایک سو منافع کما لیتا ہے، لیکن اگر بازار ٹھنڈا ہو اور کوئی شخص نفع بڑھا کر لوگوں کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو، یا خریدار دھوکے میں آ جانے والا اور قیمتوں سے ناواقف ہو تو ایسی حالت میں ریٹ زیادہ کر دینا حرام ہے، اور جس قیمت پر لوگ بیچ رہے ہیں اس سے زیادہ قیمت پر بیچنا جائز نہیں۔

کوئی فروخت کرنے والا یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اگر میں متعین قیمت مانگوں تو خریدار قیمت گھٹانے کے لیے میرے ساتھ سودے بازی شروع کر دے گا!

ایسی صورت میں ہم کہیں گے کہ اگر تجھے گمان ہو کہ خریدار تمھارے ساتھ سودے بازی کرے گا تو پھر قیمت بڑھانے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ تمھارے ساتھ سودے بازی نہیں کرتا تو پھر ضروری ہے کہ تم اس کو بازار کا ریٹ بتاؤ، مثلاً جب کوئی آدمی تمھارے پاس کوئی چیز خریدنے آئے جس کی قیمت سو روپے ہو لیکن تم نے یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ وہ تمھارے ساتھ سودے بازی کرے گا اس کو ایک سو بیس روپے بتا دیے، تاکہ جب وہ قیمت کم کرنے کو کہے تو تم سو میں اس کو بیچ دو، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور ایک سو بیس میں وہ چیز خرید لی، ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تم اس سے کہو کہ بھائی! صبر کر، میں نے تجھے ایک سو بیس اس لیے بتائے تھے کہ میں سمجھتا تھا کہ تم بھی دیگر لوگوں کی طرح بحث کرو گے اور قیمت کم کراؤ گے، لیکن تم نے ایسا نہیں کیا اور اس چیز کی حقیقی قیمت سو روپے ہے، جب تم نے اسے حقیقت بتا دی تو پھر کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایسا شخص حقیقت بیان کرنے والا اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت سچائی اختیار کرتا ہے۔ رسول کریم ﷺ سے ثابت

ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو اختیار ہے، اگر وہ سچ بولیں اور حقیقت بیان کریں تو ان کے سودے میں برکت ہوگی، اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور حقیقت چھپائیں تو ان کی بیع سے برکت مٹ جائے گی۔''[1] (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/254)

71- ایک ہی چیز کی قیمت میں فرق

ایک تاجر لوگوں کو چیزیں مختلف قیمتوں پر بیچتا ہے، چاہے وہ سامان ایک ہی ہو، مثلاً ایک کو دس روپے میں بیچ دیتا ہے، دوسرے کو بیس میں جبکہ تیسرے کو 5 روپے میں۔

اگر یہ اختلاف بازار کے اختلاف کی وجہ سے ہو اور اس چیز کی قیمت روز گھٹی اور بڑھتی ہو تو بازار کی قیمت پر بیچنے میں کوئی حرج اور ممانعت نہیں، لیکن اگر بیچنے میں اختلاف اس وجہ سے ہو کہ خریدار بڑا چالاک ہو اور سودے بازی میں طاق، اور دکاندار اس کی چرب زبانی کی وجہ سے قیمت میں کمی کر دے لیکن جب دیکھے کہ گاہک سودے بازی میں ماہر نہیں تو پھر اس پر غالب آ کر اس کو مہنگے داموں فروخت کر دے، یہ جائز نہیں کیونکہ یہ خیر خواہی کے خلاف اور سراسر دھوکا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''دین اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ اور عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کا نام ہے۔''[2]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2079] صحيح مسلم [1532/47]

[2] صحيح مسلم [55/95]

وہ خود بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ساتھ ایسا کام کرے تو پھر وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ ایسا کرنے پر راضی کیونکر ہوسکتا ہے؟! لہٰذا ضروری یہی ہے کہ جس جگہ وہ ہو اسی کے مطابق قیمت بتائے اور خریدار کی کند ذہنی کی وجہ سے ایک کے لیے ایک ریٹ اور دوسرے کے لیے دوسرا ریٹ مقرر نہ کرے۔

لیکن اپنے دوستوں اور اصحاب کے لیے جانبداری کرتے ہوئے اگر وہ قیمت میں کمی کر لے تو اس میں کوئی حرج ہے نہ قباحت ہی، یا پھر یہ کہ وہ بازار کی قیمت کے مساوی ہی سامان فروخت کرتا ہو لیکن کوئی آدمی آکر قیمت کم کرنے کے لیے بھرپور اصرار کرے اور وہ اس کے لیے قیمت کم کر دے تو یہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں کیونکہ وہ مروجہ بھاؤ سے باہر نہیں نکلا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 6/254)

72- قیمتوں کے تعین کا حکم

قیمتوں کے تعین اور نرخ بندی کی دو اقسام ہیں:

1. ایک قسم یہ ہے کہ جس میں حکام لوگوں کے ظلم اور ذخیرہ کرنے کی وجہ سے نرخ بندی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حسن تدبیر اور بہترین سیاست کاری کی علامت ہے، نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"خطا کار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔"[1]

خطا کار اس کو کہتے ہیں جو جان بوجھ کر خطا کا ارتکاب کرتا ہے، جب وہ عمداً خطا کرے تو پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ حکام کی جانب سے اس کی اصلاح کی

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3447]

جائے، اگر آدمی کوئی سامان ذخیرہ کر لے اور وہ اس کے علاوہ کسی کے پاس نہ ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو، تو حکام پر لازم ہوجاتا ہے کہ وہ اس معاملے میں دخل اندازی کریں اور اس کے لیے اتنا منافع مقرر کردیں جس سے بیچنے والے کو نقصان نہ ہو اور خریدار فائدہ اٹھا سکے۔

اگر قیمتوں میں گرانی ظلم کی وجہ سے پیدا نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، جیسے: سامان کی قلت پیدا ہوجانا، یا کوئی ایسا سبب واقع ہوجانا جو عمومی معیشت پر اثر انداز ہو تو اس صورت میں نرخ بندی جائز نہیں کیونکہ یہ اس شخص کے ظلم کا ازالہ نہیں جس نے قیمت بڑھائی ہے، معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، یہی وجہ ہے جب عہد نبوی میں قیمت بڑھ گئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے لیے نرخ مقرر کردیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ہی نرخ مقرر کرنے والا، رزق میں تنگی اور کشادگی کرنے والا ہے، اور میں امید کرتا ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے ملوں تو مجھ سے کوئی بھی کسی مال یا خون کے متعلق کوئی مطالبہ نہ کرے۔''[1]

اس طرح آپ ﷺ ان کے لیے نرخ بندی سے رک گئے، کیونکہ یہ گرانی ان کے کسی فعل یا عمل کی وجہ سے نہیں تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نرخ بندی کی دو قسمیں ہیں، اگر اس کا سبب ظلم کا ازالہ کرنا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ بذات خود ظلم ہو کہ گرانی انسان کے ظلم کی وجہ سے نہ ہو تو ایسی صورت میں نرخ بندی ظلم ہوگی اور جائز نہیں ہوگی۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 10/254)

---

[1] سنن أبي داود [3451] سنن الترمذي، برقم [1314] سنن ابن ماجه [2200]

73- متعین کمائی کا حکم

انسان جس سامان کا متعین مقدار یا محدود نسبت کے ساتھ قیمت ادا کر کے مالک بن جاتا ہے اور اسے اپنے قبضے میں لے لیتا ہے، اس کے لیے اس سامان کو غیر متعین منافع کے ساتھ بیچنا جائز ہے، جبکہ فریقین کو اس کی اس جملہ قیمت کا علم ہو جس پر ان دونوں کا اتفاق ہوا تھا۔ (اللجنة الدائمة: 6543)

قسطوں پر خرید و فروخت کے احکام

74- قسطوں پر بیع

سوال قسطوں پر بیع کے متعلق اسلام کی کیا رائے ہے جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ قسطوں پر خرید و فروخت کی صورت میں نرخ، نقد خرید و فروخت سے زیادہ ہوتا ہے؟

جواب اہل علم کے اجماع کے ساتھ اس میں کوئی حرج نہیں کہ انسان اپنی ضرورت کی کوئی چیز ادھار خرید لے، پھر چاہے تو یکمشت ادائیگی کر دے یا مختلف قسطوں میں اسے ادا کر دے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کئی ایک اہل علم نے اس کے حلال ہونے پر علما کا اجماع نقل کیا ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ اگر قسطوں پر خرید و فروخت ہو تو اس کی قیمت بھی زیادہ ہوگی کیونکہ فروخت کرنے والا ایسی کوئی چیز نہیں بیچے گا جس کی ادھار قیمت کسی چیز کی نقد قیمت کے برابر ہو۔ اس معاملے کا جائز ہونا شریعت اسلامی کے محاسن میں سے ہے کیونکہ فروخت کرنے والا زیادہ قیمت سے فائدہ اٹھاتا ہے تو خریدار اس کی قیمت ادھار ادا کرنے میں سہولت محسوس کرتا ہے، لیکن اگر سودا نقد طے ہوا ہو، پھر خریدار بائع کے پاس آئے اور اس سے کہے: قیمت میں اضافہ کر کے مجھے مہلت دے دو یعنی قیمت بڑھا کر مجھے ادھار دے دو، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے، مثلاً بندے نے ایک گاڑی کسی کو دس ہزار میں بیچ دی، پھر خریدار کو دس ہزار نہ مل سکے اور اس نے بائع سے آ کر کہا: دس ہزار کا انتظام نہیں

ہوسکا لیکن تم مجھے یہ بارہ ہزار میں ادھار دے دو تو یہ جائز نہیں کیونکہ خریدار کے ذمے اس حالت میں دس ہزار ادا کرنے ثابت ہو چکے ہیں، اب ان میں مہلت کے بدلے میں اضافہ کرنا بعینہٖ سود ہے، لہٰذا یہ حرام ہوگا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 28/243)

75- قسطوں پر بیع میں فریقین کے حقوق کا تحفظ کرنے والے ضوابط

اس آیت: ﴿ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ ... ﴾ [البقرة: 282] کے عموم کی بنا پر ادھار بیع جائز ہے اور مہلت کے بدلے قیمت میں اضافہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں، اس کا جواز اس حدیث سے ثابت ہے جس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لشکر تیار کرتے وقت حکم دیا کہ وہ دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ ادھار خرید لیں۔[1] اس معاملے میں شریعت کا تقاضا جاننا ضروری ہے تاکہ فریقین حرام معاہدوں میں نہ پڑ جائیں، کیونکہ کچھ لوگ وہ چیز بیچ دیتے ہیں جو ان کی ملکیت نہیں ہوتی، پھر بعد میں وہ سامان خرید کر خریدار کے سپرد کرتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ چیز جہاں سے خریدتے ہیں، اس پر شرعی قبضہ کرنے سے پہلے ہی اسے وہیں بیچ دیتے ہیں، یہ دونوں معاملے ناجائز ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت حکیم بن حزام سے کہا تھا: ”جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔“[2]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [2823]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [3503]

"قرض اور بیع (ایک ساتھ) حلال نہیں اور نہ اس کی بیع ہے جو تیرے پاس نہیں۔"[1]

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"جو کسی قسم کی خوراک (غلہ) خریدتا ہے وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک پوری طرح قبضے میں نہ لے لے۔"[2]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

"ہم اندازے کے ساتھ خوراک (غلہ) خریدتے تھے تو رسول کریم ﷺ ہماری طرف کسی آدمی کو پیغام دے کر بھیجتے جس میں ہمیں اسے اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے بیچنے سے منع کیا جاتا۔"[3]

ان احادیث اور ان کے ہم معنی احادیث سے طالب حق کے لیے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی مسلمان کے لیے وہ سامان بیچنا جائز نہیں جو اس کی ملکیت میں نہ ہو، پھر بعد میں وہ اسے خریدنے کے لیے چلا جائے، بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ وہ بیع مؤخر کر دے، یہاں تک کہ وہ اسے خرید لے اور اپنے قبضے میں کر لے۔

نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اکثر لوگ جو یہ کرتے ہیں کہ فروخت کرنے والے سے کوئی چیز خرید کر اپنے قبضے میں کرنے سے پہلے ہی اسی کی دکان کے سامنے بیچ دیتے ہیں، یہ ناجائز کام ہے کیونکہ اس میں رسول کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت اور معاملات کے ساتھ کھلواڑ ہوتا ہے، شریعت کی پابندی نہیں کی جاتی اور پھر اس میں شر و فساد اور برے نتائج کا ایک ناقابل شمار سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 15/19)

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1234] سنن النسائي، رقم الحديث [4611]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2124] صحيح مسلم [1526/32]

[3] سنن النسائی، رقم الحديث [4608]

76- بیع عینہ کا حکم

بیع عینہ یہ ہے کہ آدمی کوئی چیز ادھار بیچے، پھر وہی چیز اس سے کم قیمت پر نقد خرید لے، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی آدمی کوئی گاڑی پچاس ہزار میں ایک سال کی مدت کے لیے ادھار بیچ دے، پھر اسی شخص سے وہی گاڑی چالیس ہزار میں نقد خرید لے، یہ ہے عینہ کا مسئلہ، جو حرام ہے کیونکہ یہ سود خوری کے لیے حیلہ سازی ہے، گویا یہ شخص جس نے یہ گاڑی پچاس ہزار روپے میں بیچی، پھر چالیس ہزار میں نقداً خرید لی، ایسے ہی ہے جیسے اس نے اس کو ایک سال تک پچاس ہزار کے بدلے چالیس ہزار نقد دے دیے، یہ گاڑی صرف ایک لفظ ہے جو سود پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے اس کے متعلق فرمایا: ''یہ تو درہم کے بدلے درہم ہیں، صرف ان کے درمیان ریشم کا کپڑا داخل ہوا ہے۔''[1] بیع عینہ کی مذمت و حرمت فرمان نبوی میں وارد ہوئی ہے۔

اس مسئلہ عینہ کے متعلق ایک ضابطہ بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر وہ عقد یعنی معاہدہ بیع جس کے نتیجے میں سود تک پہنچا جائے وہ حقیقت میں عینہ کی صورت ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/243)

77- تورق اور اس کا حکم

مسئلہ تورق یہ ہے کہ آپ کوئی سامان ادھار خریدیں، پھر اسے نقداً کسی دوسرے آدمی کو بیچ دیں نہ کہ اس شخص کو جس سے آپ نے ادھار خریدا تھا، تاکہ آپ اس کی قیمت سے فائدہ اٹھا سکیں، اس بیع میں جمہور علما کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 19297)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3462]

78- قسطوں پر بیع اور مسئلہ تورق کے درمیان فرق

قسطوں پر بیع یہ ہے کہ کوئی سامان ادھار بیچنا جس کی قسطیں مختلف اوقات میں ادا کی جاتی ہیں، جبکہ مسئلہ تورق یہ ہے کہ آدمی کوئی سامان ادھار خریدتا ہے تاکہ اسے بازار جا کر قرض دینے والے کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو بیچ دے اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھائے، اور جب قرض کی ادائی کا وقت آجائے تو جس قیمت پر اس نے وہ چیز ادھار خریدی تھی وہ قیمت ادا کر دے۔ قسطوں پر بیع جائز ہے، اس کے عدم جواز کا قول قابل توجہ نہیں کیونکہ وہ شاذ ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں، رہا مسئلہ تورق تو اس میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ بھی جائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 16402)

79- مہلت کے بدلے سامان کی قیمت میں اضافہ کرنے کا حکم

اس مسئلے کو اہل علم کے ہاں مسئلہ تورق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کسی کو وہ چیز ایک مقرر مدت تک اور مقرر قیمت کے بدلے ادھار بیچ دے جو اس کی ملکیت اور قبضے میں تھی، پھر خریدار اسے اپنے قبضے میں لے لے اور اس کے بعد اس میں تصرف کرے، عموماً یہ کام پیسوں کی ضرورت کی خاطر کیا جاتا ہے، اس طریقے سے یہ بیع علما کے درست قول کے مطابق شرعاً جائز ہے اور ان آیات مبارکہ میں داخل ہے:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ [البقرة: 275]

”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔“

نیز فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة: 282]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔''

البتہ قرض دینے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خواہشمند شخص کو تاجروں کے پاس پڑا ہوا مال بیچ دے، جسے اس نے ان سے خریدا ہو نہ اپنے قبضے ہی میں لیا ہو، بلکہ یہ اس فرمانِ نبوی کی وجہ سے باطل ہے:

«لا يحل سلف وبيع، ولا بيع ما ليس عندك»[1]

''سلف (قرض) اور بیع (ایک ہی وقت میں) جائز نہیں، اور جو تیرے پاس نہیں اس کی کوئی بیع نہیں۔''

مسئلہ تورق میں بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مال بائع کے پاس ہو اور اس کے قبضے میں ہو۔ پھر خریدار کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ اسے قرض دینے والے کے ہاں ہی بیچ دے جب تک اسے اپنے قبضے میں نہ لے لے یا بازار میں نہ لے جائے، خریدار قرض دینے والے کو اس قیمت سے کم پر نہیں بیچ سکتا جس قیمت پر اس نے اس سے وہ سامان خریدا تھا، کیونکہ یہ سود خوری کے لیے حیلہ سازی ہے اور قرض دینے والے کو اس قیمت سے کم قیمت پر بیچ دینا جس قیمت پر اس نے وہ چیز اس سے خریدی تھی، صحیح نہیں، اس بیع کو بیع عینہ کہا جاتا ہے اور یہ سودی بیع ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 95/19)

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1234] سنن النسائي، رقم الحديث [4611]

80- کچھ گاہکوں کے لیے سامان کی قیمت میں اضافے کا حکم

لازمی یہی ہے کہ جب بازار میں سامان کی قیمت ایک ہوتو آپ اس میں اضافہ نہ کریں، بازار کی قیمت سے کم قیمت پر کسی گاہک کو دینے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ممنوع یہ ہے کہ آپ کچھ گاہکوں کو بازار کی قیمت سے مہنگی چیز فروخت کریں، خصوصاً جب خریدار سادہ لوح اور خرید و فروخت کے معاملات میں لاعلم ہو تو اس کی سادہ لوحی اور لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بازار کی قیمت سے زیادہ قیمت پر بیچنا جائز نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 109/19)

81- اس قول: ''مجھے بارہ کے بدلے دس بیچ دو'' کا حکم

قرض خواہ کا قرض دہندہ سے یہ کہنا: ''مجھے بارہ کے بدلے دس بیچ دو'' کا معنی ہے مجھے وہ سامان، جس کی حالیہ قیمت دس کے مساوی ہے، بارہ ادھار کے بدلے بیچ دے، اس معنی میں اس طرح کے قول میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ معانی ومفہوم کا اعتبار کیا جاتا ہے (الفاظ کا نہیں) اور جس قیمت پر نقد سامان بیچا جاتا ہے، اس سے مہنگا ادھار بیچنا جمہور کے نزدیک جائز ہے، بیع کے حلال ہونے پر دلالت کرنے والی دلیلیں اس کو بھی شامل ہیں۔

نیز یہ ارشادِ ربانی بھی اس پر دلالت کرتا ہے:

﴿ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة: 282]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔''

یہ ان دونوں صورتوں کو شامل ہے جن میں ادھار قیمت نقد کے برابر ہو یا ادھار نقد سے زیادہ۔ یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے جسے حاکم اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقات ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو لشکر تیار کرنے کا حکم دیا تو اونٹ ختم ہوگئے، پھر آپ نے انھیں صدقہ کی اونٹنیوں سے لینے کا حکم دیا، انھوں نے کہا: میں نے زکاۃ کے اونٹ آنے تک دو دو اونٹوں کے بدلے ایک ایک اونٹ لے لیا۔''[1] حافظ ابن حجر نے اس کا ذکر بلوغ المرام میں کیا ہے اور یہ اس مسئلے میں صریح حدیث ہے، اس کے جواز میں علامہ شوکانی نے ایک رسالہ بھی تصنیف کیا ہے جس کا ذکر انھوں نے ''نیل الاوطار'' میں کیا ہے۔

اگر سامان قرض دینے والی کی ملکیت میں نہ ہو یا اس کی ملکیت میں تو ہو لیکن وہ سپرد کرنے سے عاجز ہو، تو اسے خریدار کے ساتھ سودا پکا کرنے کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ دونوں قیمت پر اتفاق کر لیں اور اس وقت تک بیع منعقد نہ ہو جب تک سامان بیچنے والے کے قبضے میں نہ آجائے، کیونکہ حضرت زید بن ثابت سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے جہاں سے سامان خریدا جائے اسے وہیں اور تاجروں کے اسے اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے قبل بیچنے سے منع فرمایا ہے۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ ''تہذیب السنن'' میں حضرت حکیم بن حزام کی اس حدیث: «لا تبع ما ليس عندك» ''جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

''جو اس کے پاس نہیں اس کی بیع سے منع اس لیے فرمایا کیونکہ اس

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [2823]

کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، نہ وہ اس کے ذمے ثابت ہوتی ہے نہ وہ اس کے ہاتھ ہی میں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ فروخت شدہ چیز بیچنے والے کے ذمے ثابت ہو، یا اس کے ہاتھ میں ہو اور جو اس کے پاس نہیں اس کی بیع، ان دونوں (ضمانت اور ثابت ہونا) میں سے کوئی ایک چیز بھی نہیں، لہٰذا حدیث اپنے عموم پر باقی رہے گی۔''

یہ ''تہذیب السنن'' میں ان کا کچھ کلام ہے، اس معنی کی وضاحت کے لیے ''زاد المعاد'' اور ''اعلام الموقعین'' بھی دیکھیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 106/19)

82- مہلت کی وجہ سے قیمت میں اضافے کے متعلق ضابطہ

اس بات کی طرف اشارہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ مہلت کی وجہ سے قیمت میں اضافہ جائز ہے اور شریعت میں کوئی ایسی نص نہیں جو اس اضافے کی مقدار کی حد بندی کرتی ہو، اس اضافے میں کئی جہات کا اعتبار کیا جاتا ہے، جیسے: مدت کا زیادہ یا تھوڑا ہونا، منڈی کی تیزی اور تجارتی سرگرمیوں کا متحرک ہونا، اسے طلب اور رسد (ڈیمانڈ اینڈ سپلائی) کا نام دیا جاتا ہے، جتنی سپلائی زیادہ ہوگی اور ڈیمانڈ کم ہوگی، اتنا ہی منافع کا تناسب بھی کم ہوجائے گا اور جتنی ڈیمانڈ زیادہ اور سپلائی کم ہوگی، اتنا ہی منافع کا تناسب بڑھ جائے گا۔ اسی طرح یہ کئی دیگر اسباب کی وجہ سے بھی مختلف ہوسکتا ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 109/19)

83- ادھار اور قسطوں پر خرید و فروخت میں اضافے کا حکم

ادھار بیع اگر بیع کی معتبر شروط پر مشتمل ہو تو جائز ہے، ایسے ہی قسطوں

میں قیمت ادا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، اگر قسطیں معلوم ہوں اور مدت محدود اور معروف۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ﴾ [البقرة: 282]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔''

اور یہ حدیث نبوی بھی اس کی دلیل ہے:

''جو کسی چیز کو قرض دے تو وہ معلوم مقدار، معلوم وزن اور معلوم مدت تک دے۔''[1]

نیز صحیحین میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا یہ قصہ بھی مذکور ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے مالکوں سے نو اوقیہ چاندی میں خرید لیا اور ہر سال ایک اوقیہ چاندی ادا کرنا ٹھہرا۔ یہی قسطوں پر بیع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برا نہیں جانا بلکہ اسے برقرار رکھا اور اس سے منع نہیں کیا۔ اس میں کوئی فرق نہیں کہ سامان کی قیمت نقد کے برابر ہو یا مہلت کی وجہ سے اس سے زیادہ ہو۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 14/19)

84- قیمت کا فرق ادا کر کے گھریلو پرانا سامان دے کر نئے سامان میں تبدیل کروانا

گھریلو پرانا سامان نئے سامان میں بدلوانا اور ان دونوں قسموں کی قیمت میں فرق کی وجہ سے پرانے سامان کے مالک کا زیادہ قیمت ادا کرنا جائز ہے اس

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1311]

میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ حلال بیع ہے، اس میں کوئی ممانعت نہیں، اگر یہ (پہلی بیع میں) ایک دوسرے کے ساتھ شرط لگانے کی وجہ سے نہ ہو۔

(اللجنة الدائمة: 1593)

85- قسطوں پر سونا خریدنے کا حکم

اگر کسی آدمی نے یہ سونا، کرنسی اور سونے اور چاندی کے علاوہ کسی چیز کے بدلے خریدا تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثال کے طور پر یہ کھجور یا گندم کی طرح کسی کھانے والی چیز کے بدلے خریدا جائے، یا گاڑیوں کے بدلے یا اس جیسی کسی چیز کے بدلے خریدا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ سونے چاندی اور معلومات (غلے) کے درمیان، اور سونے چاندی اور مصنوعات کے درمیان سود نہیں ہوتا، لیکن اگر اس نے سونا، سونے چاندی یا کرنسی کے بدلے قسطوں پر خریدا تو یہ حرام ہے کیونکہ سونے کے بدلے سونا بیچنے کی دو شرطیں ہیں:

① پہلی شرط: وزن میں برابری۔

② دوسری شرط: عقد کی مدت میں قبضہ۔

جب سونے کی بیع چاندی کے ساتھ یا کرنسی کے ساتھ کی جائے تو اس میں ایک ہی شرط ہے اور وہ ہے علاحدہ ہونے سے پہلے مدتِ عقد میں قبضہ دینا۔ اس کی دلیل یہ حدیث نبوی ہے:

”سونے کے بدلے سونا، ایک دوسرے کے مثل ایک دوسرے کے برابر اور نقد بہ نقد۔“

ایک حدیث میں اس طرح ہے:

”سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی گندم کے بدلے

گندم، کھجور کے بدلے کھجور، جو کے بدلے جو، نمک کے بدلے نمک، ایک دوسرے کے مثل، ایک دوسرے کے برابر، مگر جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو بیچو، مگر نقد بہ نقد ہو۔"[1]

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 16/235)

86- قسطوں پر گاڑیاں اور فرنیچر خریدنے کا حکم

فرنیچر اور گاڑیاں اگر بائع کے پاس ہو اور خریدار بعینہٖ انھیں خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ان آیات:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

"حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔"

نیز فرمایا

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة: 282]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔"

کے عموم میں داخل ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر وہ سامان کے طلبگار کے ساتھ بیع عینہ کا معاملہ کر لیتا ہے، پھر اسے خرید لاتا ہے اور اس کو فروخت کر دیتا ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ سود خوری کے لیے حیلہ ہے، اس معاملے کا مطلب ہے کہ اس نے اس کو قیمت، سود اور سودی اضافے کے ساتھ قرض دی کیونکہ تاجر نے وہ چیز مثلاً سو (100) میں

---

[1] صحیح مسلم [1587/81]

خریدی اور اس کو ایک سو بیس (120) میں بیچ دی، اگر وہ بائع کے پاس ہوتی اور اس کی ملکیت میں ہوتی اور خریدار اسے خرید لیتا، وہ بعینہ اس چیز کا طلبگار نہیں تھا بلکہ وہ اسے بیچنا اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، یہ مسئلہ تورق ہے جس میں علما کے درمیان اختلاف ہے، کچھ نے اس کی اجازت دی ہے اور کچھ نے اس سے منع کیا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی منع کرنے والوں میں شامل ہیں، احتیاط اسی میں ہے کہ انسان یہ کام نہ کرے، خصوصاً جب تجارتی مقصد کے لیے ہو، کیونکہ انسان کبھی نفع کماتا ہے تو کبھی نقصان اٹھاتا ہے اور یہ تو یقینی بات ہے کہ وہ مہلت کی خاطر قیمت زیادہ دے کر نقصان ہی اٹھاتا ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 18/243)

87- قسطوں پر حرام بیع کی ایک صورت

سوال کوئی گاڑی شو روم پر آتی ہے، پھر شو روم کا مالک وہ گاڑی کسی شخص کو بیچ دیتا ہے، وہ شخص گاڑی تیسرے شخص کو قسطوں پر دے دیتا ہے، گاڑی کا مالک، جس نے اسے خریدا تھا، اسے بیچ دیتا ہے اور گاڑی پھر نئے سرے سے شو روم میں لوٹ آتی ہے، بلکہ کبھی گاڑی شو روم کے مالک کے پاس ایک سے زیادہ مرتبہ لوٹ آتی ہے، اس موضوع کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب اول: میری رائے یہ ہے کہ یہ معاملہ جائز نہیں کہ کوئی شخص تاجر کے پاس آئے اور کہے: میں آپ سے قسطوں پر گاڑی خریدنا چاہتا ہوں، پھر تاجر اس سے کہتا ہے کہ آپ شو روم میں چلے جائیں اور جو گاڑی چاہے پسند کر لیں، وہ تاجر کے پاس دوبارہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں گاڑی پسند کرتا ہوں، تاجر شو روم سے وہ گاڑی خریدتا ہے اور اس ضرورت مند کو بیچ دیتا ہے، یہ

حرام ہے اور بلاشبہ حیلہ ہے، یہ تاجر اس کے بدلے کہ اس آدمی کو گاڑی کی نقد قیمت دیتا، وہ کہتا ہے گاڑی کی قیمت تیرے ذمے اتنی نقد ہے اور اتنی زیادہ ایک سال تک۔ اس بات کے درمیان اور یہ کہنے کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ جا، جا کر میرے لیے گاڑی خرید، پھر وہ میں تجھے بیچ دوں گا۔

یہ بھی علم ہونا چاہیے کہ حیلہ سازی کے ذریعے سے معاملات میں صریح معاملات کی نسبت زیادہ گناہ ہے کیونکہ جو حرام کام میں حیلے سازی کرتا ہے وہ ایسے ہے جیسے اس نے حرام کا ارتکاب کیا ہے، یا اسلام کو دھوکا دے کر یہودیوں کی مشابہت اختیار کی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

”جو کام یہودیوں نے کیا تم وہ کام نہ کرنا، کہ چھوٹے چھوٹے حیلوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کو حلال کرنے لگو۔“[1]

مثال بالکل واضح ہے، اس آدمی کو شوروم سے گاڑی خریدنے کی ضرورت تھی جس کی قیمت 50 ہزار ریال تھی، یہ تاجر کے پاس گیا اور کہنے لگا: مجھے گاڑی کی ضرورت ہے جس کی قیمت 50 ہزار ریال ہے، مجھے قسطوں پر پچاس ہزار ریال دو، میں ہر مہینے دو ہزار اس کی قسط ادا کر دوں گا، وہ اس کو نقد پچاس ہزار ریال دے دیتا ہے، جس کی میعاد یہ ہے کہ ہر مہینے وہ دو ہزار ادا کرتا ہے، پھر یہ آدمی گاڑی خرید لیتا ہے اور چلا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ حرام ہے کیونکہ یہ درہم کے بدلے درہم ہیں، جن میں اضافہ اور تاخیر ہے۔ اب اس صورت میں اور تاجر کے اس قول میں کیا فرق ہے کہ میں تیرے لیے گاڑی پچاس ہزار میں نقد خرید رہا ہوں پھر میں وہ گاڑی شوروم کو دے دیتا ہوں، پھر میں وہ گاڑی تمھیں ستر ہزار میں تین سال کے لیے قسطوں پر بیچ دیتا ہوں؟!

[1] ضعیف. غاية المرام، رقم الحديث [11]

ان دونوں باتوں میں معاملے کی صورت میں کیا فرق ہے؟ حقیقت میں کوئی فرق نہیں، خدا کے لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کھلواڑ کرنے سے معاف رکھو، بالکل کوئی فرق نہیں بلکہ یہ زیادہ خبیث معاملہ ہے کیونکہ یہ سود کے لیے حیلہ ہے اور پہلی صورت صریح سود ہے، صریح سود کھانے والا محسوس کرتا ہے کہ وہ نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے شرمندہ بھی ہوتا ہے، اور توبہ کی کوشش بھی کرتا ہے اور یہ جو اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتا ہے، سمجھتا ہے کہ جو وہ کر رہا ہے وہ حلال ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ سے شرمندہ نہیں ہوتا اور اپنے کام پر کاربند رہتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا لوگوں کا بکثرت یہ کام کرنا تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے کیونکہ اکثر لوگوں کا کوئی کام کرنا حجت نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

[القصص: 65]

''اور جس دن وہ انھیں آواز دے گا، پس کہے گا: تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟''

نیز فرمایا:

﴿وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ﴾

[الزخرف: 39]

''اور آج یہ بات تمھیں ہرگز نفع نہ دے گی، جبکہ تم نے ظلم کیا کہ بے شک تم (سب) عذاب میں شریک ہو۔''

یہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور حرام ہے، اگر کسی نے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو یہ غلط ہے، دانا آدمی بخوبی جانتا ہے کہ اس حیلے یا اُس حیلے میں کونسا حیلہ زیادہ عظیم اور خطرناک ہے جو یہودیوں نے اس وقت اختیار کیا تھا

جب ان پر چربی حرام کی گئی تو انھوں نے اسے پہلے پگھلا لیا، پھر اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی، یہ حیلہ جس کا میں نے ذکر کیا ہے، یہودیوں کے حیلے سے زیادہ سخت ہے، کیونکہ یہودیوں نے چربی کھائی نہیں اور بیچی بھی نہیں بلکہ اسے پگھلایا پھر اسے بیچا اور پھر اس کی قیمت کھائی۔

بہر حال اس انداز میں بیع حرام ہے اور جائز نہیں، اگر انسان کو اونٹ کے پائے بھی کھانے پڑ جائیں پھر بھی یہ معاملہ نہ کرے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 18/205)

88- قسطوں پر حرام بیع کی ایک اور صورت

جب انسان کوئی چیز قسطوں پر ادھار خرید لے، پھر جس سے خرید لے اسے ہی نقد بیچ دے، اسے بیع عینہ کہا جاتا ہے جو جائز نہیں، لیکن اگر کسی دوسرے کو بیچ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس نے قسطوں پر گاڑی خریدی، پھر وہ گاڑی کسی دوسرے کو نقد بیچ دی تاکہ شادی کرے، یا اپنے قرض ادا کرلے، یا گھر خرید لے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن گاڑی یا کوئی اور چیز قسطوں پر خرید کر اسی شخص کو نقد بیچ دینا عینہ کہلاتا ہے کیونکہ زیادہ ادھار درہموں (پیسوں) کے بدلے کم نقد درہم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13/19)

89- فروخت شدہ سامان کو قبضے میں لینے سے پہلے اس میں تصرف کرنے کا حکم

سامان خریدنے سے پہلے اسے بیچنا جائز نہیں، کیونکہ جو چیز انسان کے

پاس نہ ہو، اسے بیچنا جائز نہیں، فرمانِ نبوی ہے:

«لا يحل سلف وبيع، ولا بيع ما ليس عندك»[1]

''سلف (قرض) اور بیع (ایک ہی وقت میں) جائز نہیں، اور جو تیرے پاس نہیں اس کی کوئی بیع نہیں۔''

اور حضرت حکیم بن حزام نے آپ ﷺ سے پوچھا: کوئی آدمی میرے پاس کوئی سامان خریدنے کے لیے آتا ہے وہ سامان میرے پاس نہیں ہوتا تو کیا میں وہ سامان اسے بیچ سکتا ہوں، پھر جا کر اسے خرید لوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔''[2]

لہٰذا جب آپ کوئی چیز بیچنا چاہتے ہیں تو پہلے اسے خریدیں، پھر جب تم نے وہ چیز اپنے قبضے میں لے لی اور اپنے پاس رکھ لیا تو وہ چیز تمھارے پاس ہوگئی، پھر اس کے بعد تم اسے بیچ سکتے ہو اور جو تم سے کوئی چیز خریدنے کا خواہش مند ہو تو اسے کہیں: صبر کر یہاں تک کہ میں وہ چیز خرید لوں۔ جب تم وہ چیز خرید لو اور وہ تمھارے قبضے میں آجائے، پھر جسے چاہو بیچ دو۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 111/19)

90- سامان کو اپنی ملکیت اور قبضے میں کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں

کوئی تاجر بعض مصنوعات، جیسے: فریزر، واشنگ مشین وغیرہ کے نمونے شوروم میں رکھتا ہے، جب کوئی گاہک ان اشیا میں سے کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے وہ اس کے ساتھ قیمت پر اتفاق کر لیتا ہے، پھر وہ امپورٹ کرنے والے تاجر

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1234] سنن النسائي، رقم الحديث [4611]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [3503]

سے رابطہ کرتا ہے، اس سے مطلوبہ مقدار میں خرید لیتا ہے اور اپنی گاڑی میں رکھ کر وہ چیز گاہک کے گھر پہنچا آتا ہے، پھر اس کے بعد قیمت وصول کرتا ہے، اس بیع کا کیا حکم ہے؟

یہ بیع جائز نہیں، کیونکہ یہ سامان کو اپنی ملکیت اور قبضے میں کرنے سے پہلے بیع ہے، اور نبی پاک ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

《لا یحل سلف وبیع، ولا بیع ما لیس عندك》

''سلف (قرض) اور بیع (ایک ہی وقت میں) جائز نہیں، اور جو تیرے پاس نہیں اس کی کوئی بیع نہیں۔''

اور آپ ﷺ نے حکیم بن حزام سے کہا:

《لا تبع ما لیس عندك》

''جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔''

نیز آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جہاں سامان خریدا جائے اسے وہیں، تاجروں کے اسے اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے ہی بیچنے سے منع فرمایا ہے۔[1] واللّٰه ولي التوفیق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 18/19)

91- ملکیت میں لینے سے پہلے سامان بیچنا

سوال کچھ تاجر سامان خریدتے ہیں، پھر اسے وصول کرتے ہیں، وہ اس کا معاینہ نہیں کرتے بلکہ بیع کی رسید لے لیتے ہیں اور قیمت دے دیتے ہیں اور سامان پہلے تاجر کے گوداموں ہی میں پڑا رہنے دیتے ہیں، پھر کسی دوسرے

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحدیث [3499]

تاجر کو دے دیتے ہیں جبکہ وہ چیز پہلے تاجر کے گوداموں میں پڑی رہتی ہے۔

جواب خریدار کے لیے یہ سامان اس وقت تک بیچنا جائز نہیں جب تک وہ بائع کی ملکیت میں رہے، یہاں تک کہ خریدار اسے وصول کر لے اور اپنے گھر یا بازار منتقل کر لے، کیونکہ اس سلسلے میں صحیح احادیث ثابت ہیں جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

《لا يحل سلف وبيع، ولا بيع ما ليس عندك》

''سلف (قرض) اور بیع (ایک ہی وقت میں) جائز نہیں، اور جو تیرے پاس نہیں اس کی کوئی بیع نہیں۔''

اور حکیم بن حزام سے آپ نے فرمایا:

《لا تبع ما ليس عندك》

''جو تیرے پاس نہیں اسے نہ بیچ۔''

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''آپ ﷺ نے جس جگہ سامان خریدا جائے اسے وہیں، جب تک تاجر اسے اپنے گھروں میں منتقل نہ کر لیں، بیچنے سے منع فرمایا۔''[1]

اسی طرح ان احادیث کی بنا پر کہ جس نے کوئی سامان خریدا وہ اس وقت تک اسے آگے نہیں بیچ سکتا جب تک اسے اپنے گھر یا بازار وغیرہ میں کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کر لیتا۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 121/19)

92- قسطوں کے کاروبار سے وابستہ تاجروں اور صارفین کو نصیحت

میری اپنے تاجر بھائیوں اور صارفین کو یہ نصیحت ہے کہ وہ ظاہر اور باطن

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3499]

میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں، ہر معاملے میں اس کی نگرانی کا خیال رکھیں، اپنی بیع وشرا میں بھرپور کوشش کر کے سچائی اور دیانتداری کا پاس رکھیں اور جھوٹ، خیانت اور شریعت مطہرہ کے خلاف ہر قسم کے معاملات اور تجارتی معاہدوں سے اجتناب برتیں۔ میں تاجروں کو یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ وہ اپنے ساتھ معاملات کرنے والے افراد کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور جو ان سے ادھار بیع کے محتاج ہیں ان کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے نرمی اختیار کریں، سامان کی قیمت بہت زیادہ بڑھائیں نہ تقاضا کرتے وقت ہی درشتی اختیار کریں، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے خرید وفروخت اور قضا اور تقاضا کرتے وقت روا داری اپنانے پر اکسایا ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((خيار الناس أحسنهم قضاء))[1]

''لوگوں میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قضا کے اعتبار سے بہتر ہے۔''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((البيعانِ بالخيار مالم يتفرقا، فإن صدقا، وبينا بورك لهما في بيعهما، وإن كتما وكذبا محقت بركة بيعهما))[2]

''دو بیع کرنے والے اس وقت تک بااختیار رہتے ہیں جب تک جدا جدا نہ ہو جائیں۔ اگر وہ سچ بولیں اور حقیقت بیان کریں ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر وہ جھوٹ بولیں اور چھپائیں تو ان کی بیع سے برکت مٹ جائے گی۔''

اسی طرح میں صارفین کو بھی یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اپنے بارے میں

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3346]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2079] صحيح مسلم [1532/47]

اور اپنے ماتحتوں اور زیر ولایت افراد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ہر وہ چیز خریدنے کے پیچھے بھاگ نہ پڑیں جس کی انھیں ضرورت نہیں، اس طرح ان پر قرض کا بوجھ پڑ جاتا ہے، جس چیز کو وہ اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں، اسے پورا کرنا مشکل ہوجاتا ہے، لہٰذا وہ اپنے اوپر اور اپنے زیر کفالت افراد پر تنگی کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ انجام سے بے خبر ہوکر ان سہولیات سے وسیع پیمانے پر استفادہ کرنا چاہتے ہیں، جبکہ ہر معاملے میں میانہ روی مطلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ اخراجات میں اعتدال پر اکساتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَ لَا تَبۡسُطۡہَا کُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا﴾ [الإسراء: 29]

''اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا کر لے اور نہ اسے کھول دے، پورا کھول دینا، ورنہ ملامت کیا ہوا، تھکا ہارا ہوکر بیٹھ رہے گا۔''

ایسے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا وَکَانَ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا﴾ [الفرقان: 67]

''اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ خرچ میں تنگی کرتے ہیں اور (ان کا خرچ) اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔'' (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 24/19)

متفرق معاملات

93- ایسی دکان پر کام کرنے کا حکم جہاں داڑھی مونڈھی جاتی ہے

صحیح حدیث میں نبی ﷺ فرماتے ہیں:

''فرمانبرداری معروف میں ہے۔'' [1]

نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری نہیں۔'' [2]

تمھیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اس شرط پر متفق نہیں ہونا چاہیے، رزق کے دروازے بحمد اللہ بہت زیادہ ہیں جو بند نہیں بلکہ کھلے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ [الطلاق: 2]

''جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔''

ہر وہ کام جس میں خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی شرط لگائی جائے، اس کے ساتھ موافقت نہ کر، چاہے وہ کام فوج میں ہو یا اس کے علاوہ کہیں دوسری جگہ، اس کام کو چھوڑ دے، کوئی دوسرا حلال کام تلاش کر اور گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [7145] صحيح مسلم [1840/39]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [2625]

الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 345/19)

94- روٹی پکانے، بال کاٹنے، جوتے سازی اور صفائی کے شعبے میں کام کرنے کا حکم

ان جیسے جائز پیشوں میں کام کرنے میں ہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں، جب آدمی اپنے رب سے ڈرے، خیر خواہی کرے اور اپنے اور اپنے مالکان کے ساتھ دھوکا نہ کرے (تو اس میں کوئی ممانعت نہیں) جس طرح شرعی دلائل کے عموم سے ثابت ہوتا ہے، مثلاً جب آپ سے پوچھا گیا کہ کونسی کمائی پاکیزہ تر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور ہر مقبول بیع۔''[1]

نیز آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی: ''جو آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتا ہے، اس سے بہتر کھانا کبھی کسی نے نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کے کام سے کھاتے تھے۔''[2]

لوگوں کو ان جیسے پیشوں کی ضرورت ہوتی ہے، ان کو ختم کر دینا اور ان سے بچنا مسلمانوں کو نقصان دے گا اور انھیں اس بات پر مجبور کرے گا کہ یہ کام

---

[1] مسند أحمد [141/4] صحيح الجامع، رقم الحديث [1033]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2072]

ان کے دشمن کریں، جو صفائی اور سینٹری کے محکمے میں کام کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے کپڑوں اور بدن کو نجاست سے بچانے کے لیے بھرپور کوشش کرے اور جو گندگی لگ جائے اسے صاف کرنے پر توجہ دے۔ واللہ ولي التوفیق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 351/19)

95- سپیشل کلاسیں (ٹیوشن) لینے کا حکم

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی طالب علم کمرہ تدریس سے باہر استاذ سے مدد لے کہ وہ اسے وہ مضامین پڑھا اور سمجھا دے جو وہ پڑھاتا ہے، چاہے وہ اسے پڑھانے والا استاذ ہو یا کوئی دوسرا، اگر سکول کی ہدایات اس سے روکیں تو پھر الگ بات ہے، اور طالب علم کو سکول کی ہدایات پر کاربند رہنا چاہیے لیکن اگر ٹیوشن سے روکنے والی کوئی ہدایت نہ ہو تو پھر اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ کوئی استاذ سکول ٹائم کے بعد اپنے گھر، مسجد میں یا کسی دوسری جگہ اس کو پڑھائے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 363/19)

96- نوکری کے حصول کے لیے جعلی سند بنوانا

شریعت مطہرہ اور اس کے بلند مرتبہ اہداف سے جو چیز مجھ پر ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس جیسا کام جائز نہیں کیونکہ یہ جھوٹ اور دھوکا دہی کے ذریعے نوکری حاصل کرنا ہے جو حرام، منکر، برائی اور تلبیس کے دروازے کھولنے والا کام ہے، بلاشبہ بھرتی کرنے والی مجاز اتھارٹی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ حسب امکان امانتدار اور باصلاحیت افراد کا چناؤ کرے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 365/19)

97- اس کے ہاں کام کرنا جو کمرے حرام کام کرنے کے لیے کرائے پر دیتا ہو

ایسے شخص کے ہاں کام کرنا جائز نہیں جو فرنشڈ کمرے اور اپارٹمنٹس حرام اور برائی کے کاموں کے لیے کرائے پر دیتا ہو، کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی میں تعاون کے زمرے میں آ جاتا ہے، اس کام کے مقابلے میں جو اجرت تمھیں ملے گی وہ حرام ہے کیونکہ یہ حرام کام کے عوض میں ہے، حلال ذرائع سے رزق تلاش کریں۔ حلال میں حرام سے بے نیازی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: 3,2]

''جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔''

(اللجنة الدائمة: 20539)

98- کافر ممالک میں کام کرنے کی غرض سے سفر کرنے کا حکم

اگر مسلمان ممالک میں اسے کام مل جائے تو پھر اس کے لیے کافروں کے ممالک جانا جائز نہیں، اگر اسلامی ممالک میں اسے کام نہ ملے تو اس کے لیے کام کے لیے ان ممالک میں اس شرط کے ساتھ جانا جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو کفار کی مشابہت سے محفوظ رکھ سکے، اور اگر وہ اس سے محفوظ نہ رہ سکے تو پھر اپنے دین کی حفاظت کرنا اولیٰ اور زیادہ ضروری ہے۔

(عبدالرزاق عفیفی: فتاویٰ: 314/1)

99- اس تاجر کا حکم جو اپنا مال ناجائز طریقے سے اکٹھا کرتا ہے

انسان جب اپنا مال ناجائز طریقے سے کماتا ہے، تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کام سے توبہ کرے جس کے ذریعے ناجائز مال کماتا ہے۔ مال کمانے کا سب سے بڑا حرام ذریعہ سود ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں سود حرام قرار دیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: 278]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: 279]

''پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لو اور اگر توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کرنے کی جرأت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾
[البقرة: 275]

''پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آئے پس وہ باز آجائے تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو دوبارہ ایسا کرے تو وہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔[1]

سود مال کی چند معینہ اجناس میں ہوتا ہے نہ کہ تمام مال میں۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں انھیں بیان فرما دیا ہے:

''سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، کھجور کے بدلے کھجور، جَو کے بدلے جَو اور نمک کے بدلے نمک، ایک دوسرے کے مثل، ایک دوسرے کے برابر اور نقد بہ نقد، جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں، پھر تم جس طرح چاہو بیچو۔''[2]

سونا چاندی اور جو چیز ان کے معنی میں ہو اس میں سود ہوتا ہے، اس طرح باقی چار اجناس جنھیں کھایا جاتا ہے اور ماپا جاتا ہے، ان میں اور ان کی جنس کے ساتھ مشابہت رکھنے والی چیزوں میں سود ہوتا ہے، لیکن جو چیزیں ان کے علاوہ ہیں تو ان میں سود نہیں ہوتا، اس لیے انسان کے لیے دو گاڑیوں کے بدلے ایک گاڑی، یا پیسوں اور گاڑی کے بدلے گاڑی یا دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ یا دو بکریوں کے بدلے ایک بکری بدلنا جائز ہے، اور جو ان کے ساتھ ملتی جلتی غیر سودی اشیا ہوں ان کا اس طرح تبادلہ جائز ہے۔

---

[1] صحیح مسلم [1598/106]

[2] صحیح مسلم [1587/81]

مال کمانے کا دوسرا حرام ذریعہ یہ ہے کہ انسان ناجائز خرید وفروخت کے ذریعے مال کمائے، مثلاً: تمباکو کی خرید وفروخت کرنا، تمباکو اور سگریٹ نوشی حرام ہے کیونکہ اس میں مالی اور بدنی نقصان ہے، اگر انسان اس کی تجارت کرے تو یہ تجارت حرام ہوگی اور کمائی بھی حرام ہوگی، اسی طرح اس چیز کی خرید وفروخت کرنا جس کی خرید وفروخت جائز نہیں، مثلاً: کتے یا خنزیر یا اس کے ساتھ ملتی جلتی چیز کی بیع۔

شراب اور منشیات وغیرہ کی بیع بھی، جو حرام ہیں، اسی زمرے میں آتی ہے، لہٰذا جو شخص بھی کوئی حرام کاروبار کرتا ہے، اسے اس کام سے توبہ کرنی چاہیے اور اگر اس کو حرام کی مقدار کا علم ہو تو اسے نکال دینا چاہیے اور اگر علم نہ ہو تو کھوج لگا کر اس قدر نکال دینا چاہیے کہ وہ اس کی ذمے داری سے بَری ہو جائے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/230)

100- بخشیش (یا اعزازیہ) کا حکم جو ملازم کو اس کے مطالبے کے بغیر ملتی ہے اور اس کی تنخواہ سے خارج ہوتی ہے

مزدور کا فرض ہے کہ اپنا کام عمدہ طریقے سے کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ یقیناً یہ پسند فرماتے ہیں[1] جو تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے مہارت کے ساتھ کرے، اگر اس نے وہ کام عمدگی اور مہارت کے ساتھ کیا اور اس مال کے لیے اس کے دل میں کوئی طمع نہیں تھا، نہ اس نے کمی کی نہ صراحتاً یا اشارتاً اس کا ذکر کیا، مالک نے اپنی خوشی سے اسے یہ مال دے دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر وہ اپنے کام میں کوتاہی کرتا رہا، حتی کہ اس نے اسے یہ مال دیا یا اس نے صراحت کے ساتھ اشارے کے ساتھ کہنا شروع کر دیا تو پھر یہ حرام ہوگا۔ واللہ أعلم

(مشہور بن حسن آل سلمان: فتاویٰ: 39)

---

[1] سنن البیهقي [344/4] الصحیحة، رقم الحدیث [1113]

101- رشوت کے متعلق اسلام کا حکم

رشوت نص اور اجماع کے ساتھ حرام ہے۔ رشوت یہ ہوتی ہے کہ جو چیز آدمی حاکم وغیرہ کو حق سے مائل کرنے کے لیے اور اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کروانے کے لیے خرچ کرے۔ نبی ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے والے پر لعنت کی ہے۔[1] نیز آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے رشوت کے لیے مڈل مین کا کردار اَدا کرنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔[2] اور بلاشبہ یہ آدمی بھی گناہگار مذمت، عیب اور سزا کا مستحق ہے کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی میں معاونت کرنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 232/23)

102- رشوت حرام کرنے کا سبب

مسلمان کو چاہیے کہ وہ احکام شرع کے سامنے سر تسلیم و رضا خم کر دے، چاہے اسے وجوب یا تحریم کی علت معلوم نہ بھی ہو، لیکن بعض احکام حرام کرنے کی علت ظاہر ہوتی ہے جس طرح سود حرام کرنے کی علت ہے، اس میں فقیر کی ضرورت سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، اس پر قرض کا بوجھ دو چند ہو جاتا ہے، پھر اس

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3580]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [3580]

کے نتیجے میں عداوت اور بغض جنم لیتے ہیں، سود کا عادی ہو جانے کی وجہ سے کام چھوڑ دیا جاتا ہے، سودی فوائد پر اعتماد ہوتا ہے، رزق تلاش کرنے کے لیے کوشش ترک کر دی جاتی ہے، نیز اس کے علاوہ بھی کئی بڑے بڑے نقصانات اور خرابیاں ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9450)

103- مسلمان کے عقیدے پر رشوت کے اثرات

رشوت اور دیگر گناہ ایمان کمزور کر دیتے ہیں، پروردگار کو غضبناک کر دیتے ہیں اور شیطان کو بندے پر، دیگر گناہوں میں مبتلا کرنے کے لیے، مسلط کرنے میں سبب بنتے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض بنتا ہے کہ وہ رشوت اور ہر طرح کے گناہ سے بچے اور اگر ممکن ہو تو رشوت لوگوں کو واپس کر دے اور اگر ممکن نہ ہو تو سچی توبہ کے ساتھ ساتھ اس مقدار کے مقابلے میں اس آدمی کی طرف سے فقیروں پر صدقہ کر دے، شاید اللہ تعالیٰ اس پر مہربانی کر دے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 233/23)

104- رشوت کے معاشرے پر اثرات

بلاشبہ گناہ جب ظاہر ہو جائیں تو یہ معاشرے میں افتراق، افراد کے درمیان محبت کے تعلقات ختم کرنے، بغض اور عداوت پھیلانے اور اچھائی کے کاموں میں عدم تعاون کا سبب بنتے ہیں۔ رشوت اور دیگر گناہوں کے معاشروں پر قبیح ترین اثرات یہ ہوتے ہیں کہ اخلاق رذیلہ ظاہر ہونا اور پھیلنا شروع ہو جاتے ہیں جبکہ فضائل اور بلند اخلاق چھپ جاتے ہیں، رشوت، چوری، خیانت، دھوکا دہی اور جھوٹی گواہیوں کے ذریعے دوسروں کے حقوق میں دراندازی

کر کے معاشرے کے افراد ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، اس طرح کی جتنی ظلم اور زیادتی کی صورتیں ہیں وہ قبیح ترین جرائم کی اقسام ہیں، یہ گناہ خدا کو غضبناک کرنے اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور بغض کا بیج بونے کا نیز عمومی سزاؤں کا سبب اور موجب ہیں، جس طرح فرمانِ نبوی ہے:

"لوگ جب برائی دیکھیں گے اور اسے بدلیں گے نہیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عمومی سزا دے۔"[1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 230/23)

105- فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے رشوت دینا

اگر مسلمان نے فرض حج کر لیا ہو تو اس کے لیے نفل حج ادا کرنے کے لیے رشوت دینا جائز نہیں اور اگر اس نے فرض حج نہ کیا ہو، اور رشوت دیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اس کے لیے رخصت ہے جبکہ رشوت لینے والے کے لیے اسے لینا حرام ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4529)

106- ظالم کا شر دور کرنے کے لیے اپنے مال سے کچھ دینا

اگر انسان اس ظالم کا شر دور کرنے کے لیے، اپنے مال سے کچھ دے دیتا ہے جس کو اگر اس نے نہ دیا تو وہ اس کو ہلاک کر دے گا اور اس کے علاوہ اور کوئی راہ بھی نہ ہو، تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، لیکن اس ظالم انسان کے لیے اسے لینا جائز نہیں کیونکہ وہ ناحق لے رہا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17941)

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [4005]

سودی معاملات

107- ربا (سود) کی تعریف

ربا کا لغوی معنی: زیادہ ہونا ہے، اسی معنی میں یہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ﴾ [الحج: 5]

''پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے۔''

یعنی بڑھ گئی۔

شرعی معنی: ان مخصوص اشیاء میں اضافہ کرنا جن میں باہمی تبادلہ کرتے وقت صاحب شرع نے اضافہ کرنے سے منع کیا ہو، یا قبضہ دینے میں تاخیر کرنا جو ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے واجب ہوتا ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/235)

108- آج کے سودی بنکوں کے متعلق رائے

سود کے متعلق تو معاملہ بالکل واضح ہے، اس کے وجود اور حرمت میں کوئی شک نہیں، اس پر قرآنی آیات، سنت اور اہل علم کا اجماع دلالت کرتا ہے۔ سود کبیرہ گناہ اور متفق علیہ حرام ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم یوں بیان فرمائی ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ

مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

''وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔''

نیز فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: 278]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے، اور فرمایا ہے کہ ''وہ سب برابر ہیں۔''

لہٰذا مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ سود سے بچے کوئی، سودی معاملہ کرے نہ اس میں شریک ہی ہو۔ کسی چیز کا لوگوں میں موجود ہونا اس کے حلال ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، اچھائی بھی موجود ہے اور برائی بھی، بھلائی اختیار کرنا واجب ہے اور برائی سے بچنا ضروری ہے، برائی کا وجود اس کے حلال ہونے کی دلیل نہیں، بلکہ اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 246/19)

109- بنکوں میں کام کرنے والوں کے متعلق اسلام کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ سودی معاملات کرنے والے بنکوں میں کام کرنا جائز نہیں، کیونکہ یہ ان کی گناہ اور زیادتی میں معاونت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اور نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ سب برابر ہیں۔[1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 415/19)

110- کمیشن پر بنک کو گاہک مہیا کرنا

سودی کاروبار کرنے والے بنک کو کمیشن پر گاہک مہیا کرنا، جو وہاں اپنے اصل سرمائے سے، مثال کے طور پر، فی صد نسبت کے بدلے میں اپنی نقدی رکھوائیں، صریحاً حرام ہے، اور اس کام کے متعلق تمام امور سرانجام دینا جیسے ان کا حساب رکھنا، انھیں رجسٹروں میں درج کرنا، انھیں گننا یا پکڑنا وغیرہ بھی حرام ہے، کیونکہ ان تمام کاموں میں گناہ اور زیادتی پر تعاون ہے۔

(اللجنۃ الدائمۃ: 1080)

111- اس فائدے (سود) کا حکم جو بنک قرض دینے والوں سے لیتا ہے

وہ فائدہ (سود) جو بنک قرض دینے والوں سے لیتا ہے اور وہ فوائد (بیاج) جو وہ اپنے پاس مال رکھوانے والوں کو دیتا ہے، یہ سارے فوائد سودی

[1] صحیح مسلم [1598/106]

ہیں اور سود کی حرمت کتاب و سنت اور اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔
(اللجنة الدائمة: 3197)

112- ان فوائد (سود) سے کام کرنا جو آپ بنک سے لیتے ہیں

سودی فوائد حرام اموال ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔''

جس کے ہاتھ ان اموال میں سے کوئی چیز لگ جائے تو اسے یہ مال مسلمانوں کے رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کر کے اس سے جان چھڑا لینی چاہیے، جیسے: راستے، سکول بنوا دینا، فقیروں کو دے دینا، لیکن مساجد کی تعمیر سودی مال سے نہیں کی جائے گی۔ انسان کے لیے ان فوائد کے حصول کے لیے تگ و دو کرنا اور انھیں مسلسل لیتے رہنا جائز نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 16576)

113- سود فقرا پر خرچ کرنا

سودی فوائد حاصل کرنے کے لیے خواہ ان کی کوئی بھی غرض ہو، سودی کاروبار کرنے والے بنکوں میں پیسہ رکھوانا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود حرام قرار دیا ہے اور اس پر بڑی سخت وعید سنائی ہے۔

نبی ﷺ نے اسے کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر گواہی دینے والے پر لعنت کی ہے، لہٰذا اسے صدقہ کرنے کی نیت سے لینا جائز نہیں کیونکہ یہ حرام اور خبیث کمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ طیب ہے، جو طیب اور پاکیزہ کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔ (اللجنة الدائمة: 19585)

114- بنک کو ہنڈی[1] (بل آف ایکسچینج) بیچنا

بنک کو اس نفع کے عوض ہنڈی بیچنا جو نفع بائع بنک کو اس رقم کے مقابلے میں دیتا ہے جو رقم بنک اس بائع کو اس بل کی رقم ادا کرنے کی صورت میں دیتا ہے، پھر بنک سامان کے خریدار سے بل کے مطابق رقم وصول کرتا ہے، یہ حرام ہے کیونکہ یہ صریحاً سود ہے۔ (اللجنة الدائمة: 16576)

115- ربا الفضل اور ربا النسیئہ کا معنی

ربا الفضل کا معنی ہے ایسا سود جس میں اضافہ اور زیادتی ہو (اور مدت نہ ہو) یعنی ایسی زیادتی جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بہ دست لین دین میں ہو، جیسے: کوئی انسان دو درہموں کے بدلے ایک درہم، یا دو دیناروں کے بدلے ایک دینار یا دو صاع کھجوروں کے بدلے ایک صاع کھجور بیچے، یہ ربا الفضل ہے، اور ربا النسیئہ (یعنی مدت یا ادھار کی وجہ سے سود) کی یہ صورت ہے کہ جس چیز کو قبضے میں لینا ضروری ہے، اسے قبضے میں لینے میں تاخیر کرنا، مثال کے طور پر اگر آدمی کھجوروں کے بدلے کھجوریں بیچے، تو پھر ان کا برابر ہونا اور ایک

---

[1] ہنڈی (بل آف ایکسچینج) زر اعتباری کی ایک قسم ہے، جس کا مطلب ہے کوئی آدمی کسی تاجر سے کوئی سامان ادھار خریدتا ہے، وہ تاجر اس کو بل بنا کر دیتا ہے جس میں رقم کی تفصیل اور ادا کرنے کا وقت درج ہوتا ہے، خریدار اس پر اپنے دستخط کر دیتا ہے اور اس پر ٹکٹ لگائی جاتی ہے، اس کی حیثیت قانونی ہو جاتی ہے، یہ بیچنے والا (تاجر) اس بل کو بطور کرنسی استعمال کر سکتا ہے، اگر اس کو پیسوں کی فوراً ضرورت پیش آ جائے تو وہ یہ بل بنک میں پیش کر کے رقم حاصل کر سکتا ہے، بنک اس میں سے کچھ کٹوتی کر لیتا ہے، اس عمل کو ہنڈی کو بٹا لگانا کہا جاتا ہے۔

دوسرے سے علاحدہ ہونے سے پہلے قبضے میں لے لینا ضروری ہوتا ہے، اور اگر آدمی جو کے بدلے کھجور فروخت کرے تو اس میں بھی ایک دوسرے سے علاحدہ ہونے سے پہلے انھیں قبضے میں لینا ضروری ہے، اگر قبضہ لینے میں تاخیر ہو تو یہ پہلی صورت ہوگی، یعنی کھجور کے بدلے کھجور کی برابر بیع میں تاخیر کی وجہ سے ربا النسیئہ ہوگا، اس طرح جو کے بدلے کھجور کی بیع ہو اور قبضہ لینے میں تاخیر کی جائے تو اس میں بھی ربا النسیئہ ہوگا، کبھی ربا الفضل اور ربا النسیئہ اکٹھے بھی ہو جاتے ہیں اور ان کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اگر کھجور کی بیع کھجور کے بدلے ہو لیکن برابری نہ ہو، قبضے میں بھی تاخیر ہو، اضافے کی وجہ سے ربا الفضل ہوگا اور تاخیر کی وجہ سے ربا النسیئہ۔ ربا النسیئہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اشیا جن میں سود جاری ہوتا ہے ان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت جہاں ایک دوسرے سے علاحدہ ہونے سے پہلے قبضہ دینا ہوتا ہے اس میں تاخیر کر دینا، اور فضل کا معنی ہے جن اشیا میں برابری کی شرط ہوتی ہے ان میں زیادتی کرنا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/235)

116- اس فرمان نبوی: ”الذھب بالذھب و الفضۃ بالفضۃ...“ کا معنی

اس فرمان نبوی ﷺ کہ ”سونے کے بدلے سونا، اور چاندی کے بدلے چاندی، ایک دوسرے کے مثل اور نقد بہ نقد۔“[1] کا معنی ہے کہ انسان جب سونے کے بدلے سونا بیچے تو اس میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

اول: وہ ایک دوسرے کے مثل ہوں یا وزن میں برابر۔

دوم: اسے ایک ہاتھ سے دیا جائے اور دوسرے ہاتھ سے لیا جائے یعنی

[1] صحیح مسلم [1587/81]

ایک دوسرے سے علاحدہ ہونے سے پہلے اسے قبضے میں لے لیا جائے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک مثقال سونا ایک مثقال (تقریباً ڈیڑھ درہم) سونے کے بدلے بیچا اور مجلس برخواست ہونے سے پہلے پہلے اسے اپنے قبضے میں لے لیا اور دوسرے کو قبضہ دے دیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اس حدیث پر عمل ہوگا کہ ''وہ ایک دوسرے کے مثل اور نقد بہ نقد ہو۔''

اور صحیح نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نے ڈیڑھ مثقال سونا، سوا مثقال سونے کے بدلے فروخت کیا، یہ بیع درست نہیں کیونکہ اس میں برابری نہیں، بلکہ ایک ڈیڑھ مثقال اور جبکہ دوسرا سوا مثقال ہے، ہم مثل ہونا نہیں پایا گیا، لہٰذا یہ بیع درست نہیں، اسے ربا الفضل کہا جاتا ہے۔ اگر تاجر ایک مثقال سونے کے بدلے ایک مثقال سونا ہی فروخت کرتا ہے لیکن قبضہ دینے میں تاخیر کرتا ہے، یعنی وہ تاجر دوسرے کو تو ایک مثقال سونا دے دیتا ہے، لیکن اس سے اس کا عوض ایک مدت کے بعد لیتا ہے، چاہے اس میں ایک گھنٹے ہی کی تاخیر ہو، یہ بیع درست نہیں کیونکہ یہ نقد بہ نقد نہیں۔ اسی طرح ہم حدیث کے اس حصے ''چاندی کے بدلے چاندی'' کے متعلق کہیں گے، یعنی جب چاندی کی فروخت چاندی کے بدلے کی جا رہی ہو تو اس میں بھی ان دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، پہلی شرط: وہ وزن میں ہم مثل ہوں، دوسری شرط: ایک دوسرے سے علاحدہ ہونے سے پہلے اسے قبضے میں لے لیا جائے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک مثقال چاندی کی فروخت ایک مثقال چاندی کے بدلے ہو اور مجلس ہی میں ایک دوسرے کو قبضہ دے دیا جائے، یہ بیع درست ہے کیونکہ اس میں اس حدیث پر عمل ہوا ہے کہ وہ مثل بہ مثل اور نقد بہ نقد ہو۔ غیر صحیح بیع کی مثال یہ ہے کہ ڈیڑھ مثقال چاندی کی فروخت سوا مثقال چاندی کے بدلے ہو اور نقد

بہ نقد ہو، یہاں یہ بیع صحیح نہیں کیونکہ اس میں برابری نہیں، یا ایک مثقال چاندی کے بدلے ایک مثقال کی بیع ہو لیکن مجلس عقد میں کسی ایک فریق کو بھی قبضہ اگر نہ دیا جائے اور اس میں تاخیر کی جائے تو یہ بیع بھی درست نہیں کیونکہ یہ نقد بہ نقد نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب سونے کے بدلے سونا فروخت کیا جائے تو اس میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک: وزن میں برابر ہونا اور دوسرے: مجلس عقد میں ایک دوسرے کو قبضہ دینا، اور جب چاندی کے بدلے چاندی فروخت کی جا رہی ہو تو اس میں بھی ان دونوں شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے، وزن میں برابری اور مجلس عقد میں ایک دوسرے کو قبضہ دینا، یہی اس حدیث کا منطوق (متکلم کا مقصد) بھی ہے اور مفہوم (جس کی لفظوں سے موافقت درست ہو) بھی۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/235)

117- سونا ادھار بیچنے کا حکم

ادھار سونے کی بیع اگر ایسی چیز کے بدلے ہو جس میں تاخیر حلال اور جائز نہیں تو یہ حرام ہے، جیسے: ادھار سونا درہموں کے بدلے فروخت کرنا یہ حرام ہے اور جائز نہیں، اور اگر ادھار سونے کی بیع، ایسی چیز کے بدلے ہو جسے تاخیر کے ساتھ بیچنا جائز ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً کپڑوں کے بدلے یا آلات کے بدلے یا گاڑیوں وغیرہ کے بدلے زیورات فروخت کرنا، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14/235)

118- جنس مختلف ہونے پر کمی اور زیادتی کرنا

اگر جنسیں مختلف ہو جائیں تو پھر کمی یا زیادتی میں کوئی حرج نہیں کیونکہ

فرمانِ نبوی ہے:

''جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو انھیں بیچو، اگر بیع نقد بہ نقد ہو۔''[1] (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 15/235)

119- سودی فوائد (منافع) کے ساتھ بنکوں میں سرمایہ کاری کا حکم

علمائے شریعت کے ہاں یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مال سے سودی فوائد کے لیے سرمایہ کاری کرنا شرعاً حرام، کبیرہ گناہ اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: 278]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔''

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت کی ہے اور کہا ہے کہ وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔[2]

صحیح بخاری میں حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سود کھانے، کھلانے اور تصویر بنانے والے پر لعنت کی ہے۔[3]

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔'' ہم نے کہا: اے اللہ کے

---

1. صحيح مسلم [1587/81]
2. صحيح مسلم [1598/106]
3. صحيح البخاري، رقم الحديث [2086]

رسول ﷺ! وہ کونسی چیزیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیموں کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا، پاکدامن، بے خبر اور ایماندار عورتوں پر بہتان لگانا۔“ [1]

سود کی حرمت اور اس سے ڈرانے والی آیات و احادیث بہت زیادہ ہیں، لہٰذا تمام مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اسے چھوڑ دیں، اس سے بچیں اور اسے ترک کرنے کی ایک دوسرے کو نصیحت کریں۔

مسلمان حکمرانوں کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے ملکوں میں بنکوں کے ذمے داران کو منع کریں اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ کرنے کے لیے اور اس کی سزا سے بچنے کے لیے انھیں شریعت مطہرہ کے احکام کا پابند بنائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

[المائدة: 79,78]

”وہ لوگ جنھوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا، ان پر داود اور مسیح ابن مریم کی زبان پر لعنت کی گئی، یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو کسی برائی سے، جو انھوں نے کی ہوتی، روکتے نہ تھے، بے شک برا ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔“

ارشاد ربانی ہے:

﴿وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2766] صحيح مسلم [89/145]

بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: 71]

''اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے وجوب پر دلالت کرنے والی آیات اور احادیث بکثرت ہیں اور سب کو معلوم ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے تمام مسلمانوں کے لیے، وہ حکام ہوں کہ رعایا، علما ہوں کہ عوام، شریعت کو مکمل اپنانے، اس پر استقامت اختیار کرنے اور اس کی مخالفت سے بچنے کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 131/19)

120- سودی مال سے زکاۃ ادا کرنے کا حکم

بنکوں وغیرہ کے ساتھ سودی معاملات کرنا حرام ہے اور سود کے نتیجے میں حاصل ہونے والے تمام فوائد حرام ہیں، وہ آدمی کا مال نہیں لہٰذا انھیں ایسے کاموں میں صَرف کر دینا چاہیے جن سے عموماً فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، جیسے: عام طہارت خانوں کی اصلاح وغیرہ، یہ اس صورت میں ہے جب اس نے وہ فوائد لے لیے ہوں اور اس کو ان کے متعلق شرعی حکم کا علم بھی ہو، لیکن اگر اس نے یہ فوائد لیے ہی نہیں تو اس کا صرف اصل سرمایہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [البقرة: 278]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔''

لیکن اگر اس نے یہ فوائد شرعی حکم سے واقفیت سے پہلے لیے ہوں تو یہ اس کے ہوں گے اور انھیں نکالنا اس کے لیے ضروری نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: 275]

''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا، پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آئے، پس وہ باز آ جائے تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو دوبارہ ایسا کرے تو وہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

اپنے اس تمام مال کی طرح، جس پر زکاۃ واجب ہے، اس مال سے بھی زکاۃ ادا کرنا واجب ہے جو سودی منافعوں سے نہ ہو اور وہ تمام مال بھی اس میں داخل ہے جو سود کی حرمت کا علم ہونے سے پہلے اس کی ملکیت میں آ چکا تھا کیونکہ یہ اس مذکورہ آیت کی بنا پر اس کا اپنا ہی مال ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 135/19)

121- بنکوں کے حصص خریدنے اور انھیں ایک مدت کے بعد بیچنے کا حکم

بنکوں کے حصص کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ برابری اور قبضہ دینے کی شرط لگانے کے بغیر رقم کے بدلے رقم کی بیع ہے، نیز یہ سودی ادارے ہیں، جن کے ساتھ لین دین کر کے تعاون کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

نیز آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ وہ سب برابر ہیں۔[1]

تمھارا صرف وہی مال ہے جو تمھارا اصل سرمایہ ہے، میں تجھے اور دیگر مسلمانوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تمام سودی معاملات سے بچ جائیں، ان سے خبردار رہیں، جو ماضی میں ہوا اس سے توبہ کریں، کیونکہ سودی معاملات اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ اور اس کے غضب اور سزا کا سبب ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرۃ: 275]

---

[1] صحیح مسلم [1598/106]

”وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو، یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔“ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 145/19)

122- ان سودی بنکوں میں کام کرنے کا حکم جن کا سود کے ساتھ براہِ راست کوئی تعلق نہیں

سوال آج کچھ ایسے بنک ہیں جن میں سودی معاملات ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن میں غیر سودی معاملات ہوتے ہیں، جو ان میں کام کرتے ہیں، ان کی تنخوا ہیں، شاید حلال معاملات سے ہوں، حرام سے نہ ہوں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب لیکن ان کے ساتھ ربا قائم ہے اور بنک آباد ہیں، اگر لوگ یہ نوکری نہ کرتے تو یہ ممنوعہ ادارے بھی قائم نہ ہوتے، ان لوگوں نے ان موجودہ بنکوں کو قائم کرنے اور سودی لین دین کو رواج دینے میں معاونت فراہم کی ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 15/19)

123- پرانے سونے کو نئے سونے کے بدلے بیچنے کا حکم

سونا جب تک ایک دوسرے کے مثل برابر اور وزن میں مساوی نہ ہو اور ہاتھوں ہاتھ نہ ہو تو اس کی بیع حدیث کے مطابق جائز نہیں، چاہے نیا یا پرانا ہونے کے اعتبار سے، یا کسی اور اختلاف کی بنا پر سونے کی نوعیت مختلف ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح چاندی کے ساتھ چاندی کی بیع میں بھی یہی شرائط ہیں۔

جائز طریقہ یہ ہے کہ سونے کے بدلے سونا خریدنے کی رغبت رکھنے والا اپنے پاس موجود سونا، چاندی یا کسی کرنسی کے بدلے فروخت کر دے اور اس کی قیمت وصول کرے، پھر اپنی ضرورت کے مطابق سونا اپنے پاس موجود کرنسی یا چاندی کے بدلے نقد خرید لے، کیونکہ کرنسی، سونے اور چاندی کی باہمی بیع میں سود جاری ہونے کے اعتبار سے ان دونوں کے قائم مقام ہے، اگر وہ سونا یا چاندی، کرنسی کے علاوہ گاڑی، سامان، یا اس طرح کی کسی چیز کے بدلے، بیچ دے تو قبضہ لینے سے پہلے علاحدہ ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ سونے کی کرنسی، کاغذی کرنسی اور ان مذکورہ اور ان جیسی اشیا کے درمیان سود جاری نہیں ہوتا، نیز اگر بیع ادھار ہو تو اس کی وضاحت بھی ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ﴾ [البقرة: 282]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔''

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 157/19)

124- چاندی کے ریال کی کاغذی ریال کے ساتھ اضافے کے ساتھ بیع کا حکم

اس مسئلے میں اشکال ہے، کچھ علماءِ عصر اس کے جواز کے بالجزم قائل ہیں، کیونکہ کاغذ چاندی نہیں، کچھ دوسرے اس کی حرمت کے قائل ہیں، کیونکہ کاغذ لوگوں کے ہاں رائج کرنسی ہے اور چاندی قائم مقام ہے، لہٰذا یہ حکم میں اس

کے ساتھ ملحق ہے۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو آج کی تاریخ تک میرا دل ان اقوال میں سے کسی ایک پر بھی مطمئن نہیں، اور میری رائے کے مطابق اسے ترک کر دینے ہی میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

«دع ما يريبك إلى ما لا يريبك»[1]

''جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے، اسے چھوڑ کر وہ اپنا لو جو شک میں نہیں ڈالتی۔''

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«من اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه»[2]

''جو شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچا لی۔''

آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''نیکی حسن خلق ہے، اور گناہ وہ جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔''[3]

لہٰذا اس جیسی مثال میں احتیاط اسی میں ہے کہ آدمی چاندی کو کسی دوسری سونے وغیرہ کی طرح کی کسی جنس کے بدلے فروخت کرے، پھر اس کی کاغذی نقدی خریدے، اور اگر وہ جس کے پاس کاغذی نقدی ہو، وہ چاندی خریدنا چاہتا ہو تو اس نقدی کو سونے وغیرہ کے بدلے فروخت کرے، پھر اس سے اپنی مطلوبہ چاندی خرید لے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 166/19)

---

1. سنن الترمذي، رقم الحديث [2518] سنن النسائي، رقم الحديث [5711]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3330]
3. صحيح مسلم [2553/14]

125- نقود (زر، کرنسی) سونے اور چاندی کے قائم مقام ہیں

موجود وقت میں اہل علم کے ہاں یہ معروف ہے کہ یہ نقود، سونے اور چاندی کے قائم مقام ہیں کیونکہ انھیں سامان کی قیمت قرار دیا گیا ہے اور یہ سود میں ان کے قائم مقام ہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 169/19)

126- کرنسیوں کی خرید و فروخت

اگر مختلف کرنسیاں ہوں تو ان کا لین دین اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ان کا تبادلہ اور تقابض نقد بہ نقد ہو اگر لیبیا کی کرنسی کی امریکی کرنسی یا مصری کرنسی کے ساتھ بیع کی جائے اور نقد بہ نقد ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے کوئی آدمی لیبیا کی کرنسی سے ڈالر نقد بہ نقد خریدتا ہے اور مجلس ہی میں ایک دوسرے کو وہ دے دی جاتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر یہ ادھار ہو تو پھر جائز نہیں، اسی طرح اگر مجلس میں وہ ایک دوسرے کو نہ پکڑائی جائے تب بھی جائز نہیں۔

کیونکہ جو حالت بیان ہوئی ہے، اس کے مطابق یہ سودی معاملات کی ایک نوع ہے، لہٰذا اس میں اگر کرنسیاں مختلف ہوں تو مجلس ہی میں نقد بہ نقد ایک دوسرے کو پکڑا دینا ضروری ہے، لیکن اگر دونوں کرنسیاں ایک ہی قسم کی ہوں۔ تب دو شرطوں کا ہونا ضروری ہے: برابر برابر ہونا اور مجلس ہی میں پکڑانا، کیونکہ فرمان نبوی ہے:

> ”سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم، کھجور کے بدلے کھجور، جَو کے بدلے جَو، نمک کے بدلے نمک، ایک دوسرے کے مثل، ایک دوسرے کے برابر، مگر جب یہ

اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو بیچو، اگر نقد بہ نقد ہو۔"[1]

اور کرنسیوں کا حکم وہی ہے جو ذکر ہوا ہے، اگر یہ مختلف ہوں تو مجلس میں پکڑانے کی شرط پر ان میں اضافہ جائز ہے اور اگر ایک ہی قسم کی ہوں، جیسے ڈالر کے بدلے ڈالر، دینار کے بدلے دینار، تو پھر مجلس میں تبادلہ اور برابر ہونا ضروری ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 171/19)

127- تجارت کی غرض سے کرنسی خریدنا اور ذخیرہ کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ کوئی آدمی کوئی کرنسی خرید لے اور ذخیرہ کر لے، پھر جب اس کا ریٹ بڑھ جائے تو اسے بیچ دے؟

جواب ہر وہ سامان جو انسان نے خریدا اور اسے بیچنے کے لیے ذخیرہ کر لیا، پھر جب اس کی قیمت بڑھ گئی تو اس نے اسے بیچ دیا، اگر اس میں مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو اس میں کوئی حرج نہیں، مثلاً کوئی آدمی آسٹریلوی یا مصری پونڈ خرید لے یا عراقی دینار، اُردنی دینار یا سعودی ریال خرید لے، پھر اسے اپنے پاس ذخیرہ کر لے، جب وہ مہنگا ہو جائے تب مجلس عقد میں تبادلہ اور تقابض کی شرط پر اسے بیچ دے، اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں کوئی ممانعت ہو۔ اسی طرح ذخیرہ اندوزی ہے، اگر یہ خوراک وغیرہ میں ہو اور اس میں مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو اس میں ممانعت نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 173/19)

128- سود کی ایک صورت

سوال ایک آدمی کے بیٹے نے گاڑی خریدنے پر اصرار کیا تو وہ ایک

[1] صحیح مسلم [1587/81]

کمپنی کے پاس گیا، انھوں نے اس سے نقد قیمت طلب کی جو اس کے پاس نہیں تھی، وہ واپس چلا گیا اور ایک دوسرے آدمی کو ساتھ لے کر آیا جو اس کے لیے گاڑی خریدنے کی حامی بھرتا ہے، اس نے وہ گاڑی خریدی، اسے دکان سے نکالا، پھر اس آدمی کو کچھ اضافے کے ساتھ بیچ دی، اس کا کیا حکم ہے؟

یہ صورت اب آپ کے سامنے واضح ہے کہ ایک انسان کو گاڑی کی ضرورت پیش آئی، اس کے پاس نقدی نہیں، وہ ایک دوسرے آدمی کو لے کر آیا اور اس نے کہا: میں یہ گاڑی کمپنی سے نقد خریدتا ہوں اور تجھے اس قیمت سے زیادہ قیمت پر قسطوں پر بیچتا ہوں جس قیمت پر میں نے گاڑی خریدی ہے۔

جواب یہ حرام ہے کیونکہ یہ سود کے لیے حیلہ ہے، کیونکہ یہ شخص جس نے یہ گاڑی خریدی ہے، پھر تجھے بیچی ہے، حقیقت میں اس نے تجھے فائدے کے ساتھ قرض دیا ہے، اس نے یہ کہنے کے بجائے کہ یہ اس کی قیمت لے، یہ کہا ہے کہ گویا یہ پچاس ہزار ہیں، جو ایک سال تک کے لیے ساٹھ ہزار کے بدلے تجھے دیتا ہوں، اس نے کہا: میں اسے خریدتا ہوں اور تجھے بیچتا ہوں، اگر تو نہ ہوتا تو وہ اسے خریدتا بھی نہیں، اور اگر وہ تجھ سے سود نہ کماتا تو پھر بھی اسے نہ خریدتا، لیکن یہ حقیقت میں سود ہے، شائد یہ حرکت اللہ تعالیٰ کو دھوکا دینے پر مشتمل ہو، جب اللہ تعالیٰ نے صریح سود حرام کر دیا تو اس شخص نے حیلہ کرتے ہوئے صرف اس کی شکل تبدیل کر دی، صورت تبدیل کر دینا حرام چیز کو حلال نہیں کر دیتا۔

یہ اصحاب سبت جن پر اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن سمندر سے شکار کرنے پر پابندی لگائی، خدا تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہا اور ہفتے کے دن مچھلیاں اس قدر کثیر تعداد میں ہوتیں کہ وہ سطح آب پر آجاتیں، جبکہ ہفتے کے علاوہ دیگر دنوں میں نہ آتیں، یہ مدت ان کے لیے بڑی لمبی ہوگئی، انھوں نے سوچا کہ ہفتے کے

دن ہمارے لیے شکار حرام ہے اور مچھلیاں ہیں کہ کسی دوسرے دن سطح پر آتی ہی نہیں، کوئی حیلہ جوئی کرو، انھوں نے جمعے کے دن جال پھینکنا شروع کر دیا، ہفتے کے روز مچھلیاں آتیں، ان جالوں میں پھنس جاتیں اور نکلنے نہ پاتیں، جب اتوار کا دن آتا وہ سارے آتے اور انھیں جالوں سے نکال کر لے جاتے۔

امر واقعی یہ ہے کہ وہ اتوار کے دن ہی شکار کرتے، ہفتے کے دن انھوں نے شکار نہیں کیا، یہ خود ہی آتیں اور جالوں میں پھنس جاتیں، نہ وہ انھیں خود لے کر آتے اور نہ انھیں شکار ہی کرتے، تو کیا ان کے اسے حیلے نے کچھ فائدہ دیا؟! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ [البقرة: 65]

''اور بلاشبہ یقیناً تم ان لوگوں کو جان چکے ہو جو تم میں سے ہفتے (کے دن) میں حد سے گزر گئے تو ہم نے ان سے کہا: ذلیل بندر بن جاؤ۔''

انھیں اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن زیادتی کرنے والا قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ وہ سب ذلیل اور رسوا شدہ بندر ہو جائیں کل جو بشر تھے آج وہ بندر بن گئے اور بندروں کی طرح آوازیں نکالنے لگے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کے متعلق حیلہ سازی کی۔ اسی وجہ سے ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو برباد کرے، جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام کی تو انھوں نے چربی پگھلائی، پھر اسے بیچا اور پھر اس کی قیمت کھائی۔''[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2236] صحيح مسلم [1581/71]

مسند احمد میں ہے، جس کی سند کی بعض ائمہ نے تصحیح کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اس کا ارتکاب نہ کرو جس کا ارتکاب یہود نے کیا، پھر تم اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیا کو چھوٹے چھوٹے حیلوں کے ساتھ حلال کرنے لگ جاؤ گے۔"[1]

یہ معاملہ جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، بلاشبہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں واضح طور پر سود کے لیے حیلہ جوئی ہے، لہٰذا یہ سود دینے والے اور لینے والے دونوں کے لیے حرام ہے، کیونکہ نبی پاک ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس پر دو گواہی دینے والوں پر لعنت کی ہے۔

حل:

حل یہ ہے کہ وہ دونوں ہی توبہ کریں، جس نے گاڑی خریدی پھر اس کو اضافے کے ساتھ بیچی، اس کی توبہ کی تکمیل اس طرح ہوگی کہ وہ یہ اضافہ نہ لے، اور وہ دوسرا آدمی جس نے گاڑی خریدی ہے، اگر اس کو علم نہیں تھا تو اس کے ذمے صرف اس آدمی کو اصل رقم ادا کرنا ہے، اگر ان دونوں کو علم تھا کہ یہ حرام ہے تو یہ بیچنے والا جس نے اضافہ لیا ہے، اس کے لیے یہ اضافہ اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، اسے بیت المال میں جمع کرا دے، لیکن اس خریدار سے معاف نہ کرے کیونکہ یہ خریدار حرمت پائمال کرنے والا ہے جبکہ جاہل اور حرمت پائمال کرنے والے کے درمیان فرق ہے، اگر وہ دونوں ہی جاہل تھے تو پھر اب یہ راستہ ہے کہ منافع کے ساتھ یا حقیقت میں سود کے ساتھ بیچنے والا کہے: مجھے صرف میرا اصل سرمایہ ہی کافی ہے، اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 37/12)

---

[1] **ضعيف**. غاية المرام، رقم الحديث [11]

129- اس ترکے سے وراثت لینے کا حکم جو سود سے ہو

سوال جب ہمیں علم ہو کہ مرنے والا سودی لین دَین کرتا تھا تو کیا اس کے ورثا کے لیے ترکے سے اپنا حصہ لینا جائز ہے؟

جواب ہم کہتے ہیں: ہاں، جائز ہے اور اس کا گناہ میت کے سر ہوگا، لیکن اگر سود ابھی تک نہ لیا گیا ہو تو ہم ورثاء سے کہیں گے، جس پر سود واجب ہے اس سے لے لو لیکن اسے کھاؤ نہ بلکہ صدقہ کر دو، مسجدوں میں، راستوں میں یا دیگر اچھائی کے کاموں میں صرف کر دو، لیکن جو سود وصول کیا جا چکا ہے اور میت نے خود وصول کیا ہے، اس کا گناہ میت کو ہوگا، لیکن جو ابھی تک وصول نہیں ہوا، ورثا کا اس کو اپنے لیے وصول کرنا جائز نہیں، بلکہ اسے صرف رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کرنے کے لیے وصول کریں، کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ سود ہے تو پھر وہ اسے وصول ہی کیوں کریں؟ ہم کہیں گے یہ سود خور جس نے سود ادا کیا ہے، راضی خوشی سودی لین دَین کرتا رہا ہے، لہٰذا ہم اسے یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اس مدت میں ان پیسوں سے فائدہ بھی اٹھاتا رہے اور سود سے بھی، لہٰذا اسے کہیں گے، لاؤ، اس سے لے کر ہم یہ مال رفاہ عامہ کے کاموں میں صرف کر دیں گے اور اگر وہ یہ سمجھیں کہ مصلحت سود نہ لینے میں ہے، مثال کے طور پر اگر وہ فقیر ہو تو پھر اس سے بالکل ہی نہ لیں۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 13/135)

130- وہ اشیا جن میں سود حرام ہے

وہ اشیا جن میں سود حرام ہے، حسبِ ذیل ہیں:

”سونا، چاندی، گندم، جَو، کھجور، نمک اور وہ چیزیں جو ان چھ چیزوں میں علت حرمت میں مشترک ہوں، یہ علت سونے اور چاندی میں، جو زر ہیں، قیمت ہونا ہے جبکہ باقی اصناف میں علما کے صحیح قول کے مطابق ان کا کھائی جانے والی اشیاء کا ہونا اور ماپ کر بکنا ہے۔“

(اللجنة الدائمة: 168775)

131- جانور کے بدلے جانور کی اضافے اور ادھار کے ساتھ خرید و فروخت

جانور کے بدلے جانور کی خرید و فروخت اضافے اور ادھار کے ساتھ جائز ہے۔ مسند احمد اور سنن ابو داود میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ان اونٹوں پر ایک لشکر بھیجنے کا حکم دیا جو میرے پاس تھے، میں نے لوگوں کو ان پر سوار کر دیا، حتی کہ اونٹ ختم ہوگئے، جبکہ کچھ لوگ باقی رہ گئے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اونٹ ختم ہوگئے ہیں، جبکہ کچھ لوگ باقی رہ گئے ہیں جن کے لیے سواری نہیں، آپ ﷺ نے مجھ سے کہا: صدقہ (زکاۃ) کے اونٹ آنے تک ان کے عوض، ہمارے لیے اونٹ خرید لو حتی کہ یہ لشکر پورا ہو جائے، میں صدقہ کے اونٹوں سے دو اونٹنیوں تین اونٹنیوں کے بدلے، ان کے آنے تک کا ادھار کر کے ایک ایک اونٹ خریدتا گیا، حتی کہ یہ لشکر پورا ختم گیا، جب صدقہ کے اونٹ آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی ادائی کر دی۔[1] اسی مفہوم میں امام دارقطنی نے بھی ایک حدیث ذکر کی ہے اور امام بیہقی نے (سنن) میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اس کا ذکر کیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6904)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [2823]

132- دو میٹروں کے بدلے ایک میٹر کپڑے کی بیع یا ایک قسم کے بدلے دو قسموں کے کپڑے کی بیع

ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے کے بدلے برابر یا زیادہ، چاہے وہ ایک جنس سے ہو یا مختلف جنسوں سے، ادھار ہو کہ نقد، بیچنا جائز ہے، کیونکہ کپڑے سودی اجناس میں شامل نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 3791)

133- ایک متعین گاڑی کو دوسری متعین گاڑی کے ساتھ تبدیل کرنا

ایک متعین گاڑی کو دوسری متعین گاڑی کے ساتھ تبدیل کرنا جائز ہے، چاہے ان کی جنس ایک ہو یا مختلف، اور خواہ ان کی قیمت برابر ہو یا متفاوت، کیونکہ گاڑیاں سودی اشیا میں داخل نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9890)

134- اگر تمام کرنسیاں سونے کے قائم مقام قرار دی جائیں تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

سونا اور چاندی تمام کے تمام ان (کرنسیوں) میں اصل ہیں اور یہ ان کے قائم مقام ہیں، لہٰذا ایک ہی کرنسی کی بیع کرتے وقت اضافہ لینا جائز نہیں، سود جاری ہونے کے اعتبار سے ایک کرنسی بھی سونے اور چاندی کے قائم مقام ہے اور دو (مختلف ممالک، اجناس کی) کرنسیاں بھی انھی کے قائم مقام ہیں، اس لیے ایک ہی کرنسی کی اس کی جنس کے ساتھ بیع کرتے وقت اضافہ لینا جائز نہیں لیکن دو مختلف کرنسیوں کا تبادلہ کرتے وقت اضافہ کرنا تو جائز ہے لیکن ادھار روا نہیں۔ اس طرح اس معاملے میں دو کرنسیاں بھی سونے اور چاندی کے قائم

مقام ہیں اور ایک کرنسی بھی انھی کے قائم مقام ہے۔ (سود جاری ہونے کے اعتبار سے کاغذی کرنسی سونے اور چاندی کے قائم مقام ہے)

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 169/19)

135- تورق اور سود کی دونوں اقسام: ربا الفضل اور ربا النسیئہ کے درمیان فرق

سود یہ ہے کہ جس جنس کا تبادلہ اس کی جنس ہی سے کیا جا رہا ہو، اس میں اضافہ لینا سود ہے اور اسے ربا الفضل کہا جاتا ہے، جیسے: ایک ہی جنس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے میں لینا یا دو درہموں کے بدلے ایک درہم لینا چاہے، یہ نقد ہو کہ ادھار، اگر یہ ادھار کے بدلے ادھار ہو تو پھر اس میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں ہی ہوں گے۔ اگر درہموں کے بدلے درہم اضافے کے ساتھ لے تو یہ ربا الفضل ہے، چاہے نقد ہو کہ ادھار، جبکہ مسئلہ تورق کا اس باب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس کا مطلب ہوتا ہے کوئی سامان ادھار خریدنا، پھر اسے اسی دن یا دوسرے دن یا چوتھے دن کسی دوسرے کو، نہ کہ اس کو جس سے خریدا تھا، نقد بیچ دینا۔

درست یہی ہے کہ یہ عمومی دلائل کی بنا پر حلال ہے، نیز اس میں کشادگی آسانی اور وقتی ضرورت پورا کرنے کا سامان موجود ہے، لیکن جو شخص اسی کو بیچ دیتا ہے جس سے خریدتا ہے تو یہ جائز نہیں بلکہ یہ سودی کام ہے، اس کا نام بیع عینہ ہے، جو حرام ہے کیونکہ یہ سود کے لیے حیلہ جوئی ہے، یہ ایک جنس کی اسی کی جنس کے بدلے اضافے کے ساتھ ادھار ہو کہ نقد، بیع ہے، لیکن تورّق میں کوئی حرج نہیں، جس طرح گزر چکا ہے، اس کا معنی ہوتا ہے کوئی سامان، جیسے: غلہ (خوراک)، گاڑی، زمین یا کوئی اور چیز، معینہ درہموں کے بدلے معینہ مدت

تک کے لیے خریدنا، پھر اسے کسی دوسرے شخص کو، نہ کہ اسی کو جس سے خریدا تھا، نقد بیچ دینا تاکہ آدمی اپنی ضرورت، شادی وغیرہ جو بھی ہو، پوری کر سکے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 245/19)

136- سودی بنکوں کے ذریعے تنخواہیں لینا

اس میں کوئی حرج نہیں، بنکوں کے ذریعے تنخواہیں لینے میں کوئی مضرت نہیں، کیونکہ ملازم اسے سود کے لیے نہیں رکھتا بلکہ حکومت اسے حفاظت کی غرض سے رکھتی ہے تاکہ ملازم اپنی تنخواہ لے سکے، اسی طرح بنکوں کے ذریعے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک رقم منتقل کرنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ ضرورت کا تقاضا ہے۔

ممانعت اس میں ہے کہ انھیں سود میں استعمال کیا جائے یا سود میں ان سے معاونت لی جائے، لیکن کسی مناسب جگہ کے نہ ہونے کی وجہ سے انھیں بنکوں میں حفاظت کی غرض سے رکھنا یا کسی دوسرے مگر غیر سودی سبب کی وجہ سے یا بنک کے ذریعے انھیں منتقل کرنے میں، ان شاء اللہ، کوئی حرج نہیں، لیکن اگر حکومت تنخواہیں بنکوں کے علاوہ کہیں دوسری جگہ رکھیں تو یہ زیادہ بہتر اور قابل سلامتی ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 251/19)

137- غلے کی اسی کی جنس کے بدلے اضافے کے ساتھ خرید و فروخت کا حکم

سوال ہمارے علاقوں میں غلہ پیدا ہوتا ہے اور نقدی کے کم ہونے کے باعث ہمارے ہاں کرنسی بھی غلہ ہی ہوتا ہے، جب بونے کا وقت آتا ہے، ہم

تاجروں سے ایک ریال کے بدلے ایک صاع خریدتے ہیں، جب کٹائی کا وقت آتا ہے اور دانے صاف کیے جاتے ہیں، ہم تاجروں کو مثال کے طور پر ہر ریال کے بدلے دو صاع دیتے ہیں کیونکہ کٹائی کے وقت ریٹ بویائی کے وقت کے ریٹ سے کم ہوتا ہے۔ کیا یہ معاملہ جائز ہے؟

جواب اس معاملے میں علما کے ہاں اختلاف ہے اور اکثریت اس کے عدم جواز کی قائل ہے کیونکہ یہ گندم وغیرہ کی اسی کی جنس کے بدلے زائد اور ادھار بیع کا وسیلہ ہے، اور یہ دو اطراف سے بالکل سود ہے، اضافے کی طرف سے، اور مہلت کی طرف سے، جبکہ اہل علم کی ایک جماعت اس وقت اس کے جواز کی قائل ہے، جب بائع اور مشتری نے کرنسی کے بدلے گندم دینے پر اتفاق کیا ہو، نہ عقد کے وقت اس کی شرط ہی لگائی ہو۔

یہ تو تھی اس مسئلے میں اہل علم کی گفتگو، جبکہ آپ کے اس معاملے میں تھوڑے دانوں کے بدلے زیادہ دانے دینے پر اتفاق ظاہر ہوتا ہے کیونکہ کرنسی تھوڑی ہے اور یہ جائز نہیں۔

اس جیسی حالت میں کسان کا فرض بنتا ہے کہ وہ دانے کسی دوسرے تاجر کو بیچیں، اس کو نہ بیچیں جس سے بویائی کے وقت دانے خریدے تھے، پھر ان کا حق نقدی سے ادا کریں، یہی ایک ایسی راہ ہے جو سلامتی، احتیاط اور سود سے دوری کی راہ ہے، اگر کسان اور تاجر کے درمیان بیع نقدی ہی پر طے ہو، لیکن پھر کسان سابقہ کسی اتفاق اور شرط کے بغیر دانوں سے ادا کر دے تو اس کا صحیح ہونا ہی قرین قیاس ہے، جس طرح علما کی ایک جماعت کا یہ قول ہے، خصوصاً جب کسان فقیر ہو اور تاجر کو خدشہ ہو کہ اگر اس نے قیمت کے بدلے دانے نہ لیے تو

اس کا حق مر جائے گا اور اسے کچھ بھی نہیں مل سکے گا، کیونکہ کسان کسی دوسرے کو دے دے گا اور اس کو چھوڑ دے گا یا وہ دانے کسی دوسری ضرورت میں صرف کر دے گا، اکثر غریب کسانوں سے ایسے ہو جاتا ہے اور تاجر کا حق ضائع ہو جاتا ہے، لیکن اگر تاجر اور کسان دونوں نے اس بات پر اتفاق کیا ہو کہ کٹائی کے بعد نقدی کے بدلے دانے ہی دینے ہیں، تو پہلی بیع اس مذکور اتفاق کی بنا پر صحیح نہیں، اور تاجر صرف اتنے ہی دانے لے سکتا ہے، جتنے اس نے کسان کو دیے تھے کیونکہ زیادہ دانے دینے پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں، لہٰذا اسے قرض کے قائم مقام بنا لیا جائے اور زیادہ دانے نہ لیے جائیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 252/19)

138- اناج کے بدلے غیر اناج، جیسے گندم کے بدلے کپڑوں کی خرید و فروخت

علما کے صحیح ترین قول کے مطابق یہ جائز ہے، اس کے بہت زیادہ دلائل ہیں، کچھ وہ عمومی دلائل ہیں جو بیع اور قرض کے لین دین کی حلت پر دلالت کرتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ادھار اناج خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ گروی میں رکھی۔''[1]

بیع سلم بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اور لوگ پھلوں میں ایک دو سال کے لیے قرض دیتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کسی چیز میں قرض دے تو وہ معینہ ماپ، معینہ وزن اور معینہ

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2068] صحیح مسلم [1603/125]

مدت تک کے لیے قرض دے۔"[1]

آپ ﷺ نے یہ شرط نہیں لگائی کہ قیمت نقد ہو، یہ اس کی دلیل ہے کہ ماپ اور تول کے ساتھ اناج، کپڑے، جانور، اُون وغیرہ کے بدلے میں جس کی صفت منضبط ہو اور باقی شرطیں بھی موجود ہوں، ادھار دینا جائز ہے (یعنی ان میں بیع سلم جائز ہے)۔ واللہ اعلم (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 254/19)

139- ایک آیت کا مفہوم

سوال اس آیت کریمہ ﴿وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرة: 279] "اور اگر توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔" میں رأس مال (اصلی سرمایہ) سے کیا مراد ہے؟

جواب یہ آیت کریمہ سودی تجارت میں داخل ہونے سے پہلے، اصلی سرمائے اور توبہ سے پہلے لیے گئے اموال، دونوں کا احتمال رکھتی ہے، پہلا احتمال ہی اکثر علما کا قول ہے، جبکہ میرے نزدیک دوسرا احتمال راجح ہے، کیونکہ ایک تو آیت اس معنی کا احتمال رکھتی ہے، دوسرے یہ احتمال توبہ کرنے میں معاونت فراہم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے خوش ہوتے ہیں، یہ بات عقل اور دین میں محال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو توبہ پر اکسائیں، بلکہ اسے واجب قرار دیں، پھر انھیں خود ہی اس سے روکیں بھی! یہ بات اس شخص کے معاملے میں روشن ہو کر سامنے آتی ہے، جو ایک طویل عرصے تک سودی لین دین کرتا رہا ہو، اس کے پاس مال کی کثرت ہو جائے، اس آدمی نے تجارت کی ابتدا سینکڑوں یا

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1311]

ہزاروں سے کی ہو، پھر کئی سال تک یہ کام کرتا رہا ہو حتی کہ وہ کروڑ پتی بن جائے، پھر اللہ تعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق دے دے، تو اس سے کہا جائے کہ تیرا سرمایہ وہی دس بیس ہزار ہیں، لہٰذا تجھ پر اپنا سارا مال چھوڑ دینا اور اس گھر سے نکل جانا لازم ہوجاتا ہے، تیرا صرف وہی قلیل سا اصلی سرمایہ ہے، بہت سارے لوگ اس جیسی کیفیت کے متحمل نہیں ہوسکتے، وہ سود ہی پر مرنا پسند کرلیں گے لیکن اپنی پہلی فقیری اور درماندگی کی حالت کی طرف لوٹنا قطعاً برداشت نہیں کریں گے، اچھا بننے کے بجائے یہ شخص دوسروں کو بھی اچھا بننے سے روکے گا۔

بنا بریں اس جیسا اختیار دینا توبہ کرنے والوں کے لیے معاون ثابت ہوسکتا ہے لیکن جو مال اس نے توبہ سے پہلے نہیں لیا تھا اب اس سے، اپنے اصلی سرمائے سے زیادہ لینا جائز نہیں۔ واللہ المستعان (عبدالکریم خضیر، فتاویٰ: 11/1)

140- سونے کے ساتھ تبادلہ کرنا

سوال کیا سونے کا سونے کے ساتھ تبادلہ کرنا جائز ہے؟ مثال کے طور پر میں اپنے دوست کی انگوٹھی لے لوں اور اسے اس کے بدلے انگوٹھی دے دوں، اور ہم دونوں ہی دونوں انگوٹھیوں کی قیمتیں جانتے ہوں؟

جواب اگر ان دونوں انگوٹھیوں کا وزن برابر ہے، اور ان دونوں میں سونے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں، اگر یہ تبادلہ نقد بہ نقد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی... ایک دوسرے کے مثل اور نقد بہ نقد ہوں۔[1] لیکن اگر ایک کا وزن زیادہ ہو تو یہ جائز نہیں حتی کہ اگر کم اور زیادہ کے درمیان فرق بھی ادا کر دیا جائے، کیونکہ آپ ﷺ

---

[1] صحیح مسلم [1587/81]

کا فرمان ہے: ”ایک دوسرے کے مثل ایک دوسرے کے برابر۔“

اگر کہنے والا کہے کہ پھر ہم یہ تبادلہ کس طرح کریں تو ہم کہیں گے یا تو ایک انگوٹھی کسی کو بیچ دیں، یا پھر آپ وہ انگوٹھی خرید لیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 121/235)

141- اضافے کے ساتھ کرنسی کا ادھار تبادلہ

یہ ایک عام بات ہے کہ موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسیوں کے ساتھ لین دین ہوتا ہے کیونکہ ایک تو ان کا وزن ہلکا ہوتا ہے، انھیں منتقل کرنا آسان ہوتا ہے اور پھر انھیں گننے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ انھیں کس کے ساتھ ملایا جائے، آیا انھیں سونے کے ساتھ ملایا جائے یا چاندی کے ساتھ یا پھر سامانِ تجارت کے ساتھ؟

میرے نزدیک راجح رائے یہ ہے کہ یہ نقدی کے ساتھ ملحق ہیں۔ یعنی سونے اور چاندی کی طرح کاغذی کرنسی بھی مستقل زر ہے، لیکن یہ مختلف انواع کی نقدی کے ساتھ ملحق ہیں، یعنی اگر یہ مختلف ہو تو ہم انھیں سونے چاندی کے اختلاف کی طرح ہی لیں گے۔

مثال کے طور پر سائل نے جو بات کی ہے، ہم کہیں گے فرانسیسی کاغذی کرنسی مراکشی، جزائری یا تیونسی کرنسی نہیں، اور پھر ہم اس اختلاف کو سونے اور چاندی کے درمیان اختلاف کی طرح لیں گے، لہٰذا اگر ایک ملک کی کرنسی کی دوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ بیع ہو تو پھر مجلس عقد میں ایک دوسرے کو دینا ضروری ہے، یعنی تبادلہ کرنے والے ایک دوسرے سے علاحدہ ہونے سے پہلے نقد بہ نقد اس کا تبادلہ کریں لیکن اضافے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کرنسی کا

ریٹ ایک ہزار ایک سو ہو اور اس نے اسے بینک میں بیچ دیا اور لوگوں نے اسے آپس میں ایک ہزار دو سو، یا چار سو یا تین ہزار میں بیچا تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کاغذی نقدی میں ممنوع چیز صرف ربا نسیئہ (ادھار سود) ہے، لیکن ربا الفضل یعنی اضافہ اس میں ممنوع نہیں، کیونکہ یہ کاغذی زر از خود کوئی ایسی معینہ دھات میں سے نہیں جس میں برابر ہونا ضروری ہو، بلکہ اس میں تو طلب و رسد کی بنا پر کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، لہٰذا اس میں کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ طلب و رسد کے ماتحت ہے لیکن ایک دوسرے کو قبضہ دینے سے پہلے جدا ہونا ممنوع ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 28/245)

142- کاغذی کرنسی کی دھاتی کرنسی کے ساتھ بیع

میری رائے کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ربا الفضل کرنسیوں کے درمیان جاری نہیں ہوتا، ربا الفضل اس وقت ہوتا ہے جب دونوں کی جنس ایک ہو، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو انھیں بیچو، اگر نقد بہ نقد ہوں۔“[1]

اگر ایک آدمی دس کاغذی ریالوں کے بدلے نو (9) لوہے کے ریال (سکے) خریدتا ہے اور یہ نقد بہ نقد ہو، یعنی دونوں عقد کی جگہ ہی یہ تبادلہ کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کوئی ایک بھی انھیں دینے یا لینے میں تاخیر کرے تو پھر بیع صحیح نہیں ہوگی۔ یعنی اگر ایک نے دس ریال چاشت کے وقت دیے اور دوسرے نے کہا عصر کے وقت آنا میں تجھے نو (9) ریال دے دوں گا، تو یہ جائز نہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 29/235)

[1] صحیح مسلم [1587/81]

143- ادھار کے بدلے ادھار کی بیع

سوال ایسے شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں، جو ایک آدمی سے کہتا ہے: میں تجھے ایک سال کے ادھار پر 60 ہزار میں یہ گاڑی فروخت کرتا ہوں، اگر تم نے رقم ادا نہ کی تو پھر اس کے اگلے سال رقم 70 ہزار ہو جائے گی، یہ ابتدائے عقد کی گفتگو ہے، اپنی رائے سے مستفید فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب یہ عقد حرام ہے کیونکہ یہ سود ہے، اگر بائع کو شک ہو کہ خریدار رقم ادا نہیں کر سکے گا تو اسے چاہیے کہ ابتدائے عقد میں رقم اور آخری حد تک مدت میں اضافہ کر دے، اگر انسان کوئی ایسی چیز بیچتا ہے جس کی حالیہ قیمت ایک ہزار ہے لیکن دو سالوں بعد اگر اس کی قیمت دو ہزار کے برابر ہو جاتی ہے، پھر وہ دو سال کے ادھار پر وہ چیز دے دیتا ہے تو اس کی قیمت دو ہزار کر سکتا ہے، یہ اس فرمان الٰہی: ﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275] میں داخل ہے۔

یا اسے ایک سال کے ادھار پر 1500 میں بیچ دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اسے یہ کہے کہ جس چیز کی قیمت ایک ہزار ہے، اسے میں ایک سال کے ادھار پر 1500 میں تجھے بیچتا ہوں، اگر تم نے ایک سال بعد رقم ادا نہ کی تو پھر تجھے دو ہزار دینے ہوں گے، یہ حرام اور ناجائز ہے کیونکہ یہ سود ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 36/235)

بیع سلم[1] اور دیون[2] (ادھار) کے احکام

144- کوئی معلوم چیز، متعین مدت تک مہیا کرنے کی ذمے داری

اسے بیع سلم کہا جاتا ہے، اگر چیز معلوم ہو اور مدت بھی متعین، اور قیمت پیشگی وصولی کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کہے: جو میری اس اونٹنی یا فلاں اونٹنی کے پیٹ میں آج بچہ ہے، یا آئندہ سال ہوگا (آئندہ سال کا حمل) وہ میں تجھے بیچتا ہوں، یہ جائز نہیں، اگر وہ کہتا ہے: میں اپنی ذمے داری پر تجھے فلاں فلاں چیز 100 صاع یا سو کلو فروخت کرتا ہوں، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر یہ کہے کہ اس کھجور کا پھل تجھے بیچتا ہوں تو یہ درست نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 277/10)

145- بیع سلم اور غرر[3] (دھوکے) کے درمیان فرق

سوال کچھ فارموں کے مالکان مثال کے طور پر کھجور کے پچاس (چھوٹے)

---

1. بیع سلم کو بیع سلف بھی کہا جاتا ہے، اس سے مراد وہ بیع ہے جس میں پیشگی قیمت ادا کر دی جاتی ہے اور سامان حاضر نہیں ہوتا لیکن وہ مقدار اور صفات کے اعتبار سے معروف ہوتا ہے اور پیشگی قیمت وصول کرنے والے کے ذمے اسے مقرر وقت میں مہیا کرنا ہوتا ہے۔
2. دیون: دَین کی جمع ہے جس کا معنی ہے ہر وہ مالی ذمے داری یا مال جو کسی کے ذمے واجب الادا ہو، دَین عام ہے اور قرض اس کی ایک قسم۔
3. غرر سے مراد ہر وہ معاملہ ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو۔

پودے پچاس ہزار میں خرید لیتے ہیں اور ان کی نوعیت یا حجم کی تعیین نہیں کرتے، لیکن یہ شرط لگاتے ہیں کہ جب تک وہ اپنے پچاس لے نہ لے تب تک کچھ بھی نہ بیچے۔

جواب جب کوئی آدمی کسی سے کھجور کا (چھوٹا) پودا خریدتا ہے تو بلاشبہ اس کی دو قسمیں ہیں:

① پہلی قسم: اس سے وہ پودے خرید لے جبکہ وہ حاضر نہ ہوں لیکن موصوف ہوں اور ان کی ادائی واجب الذمہ ہو، یعنی قیمت پیشگی وصول کر لی گئی ہو، اس صورت میں نوعیت، کمیت اور حجم کی تعیین ضروری ہے کیونکہ فرمان نبوی ﷺ ہے: ”جو کسی چیز میں بیع سلم کرتا ہے تو وہ مقرر ماپ تول اور معینہ مدت تک کرے۔“[1] مثال کے طور پر وہ کہتا ہے کہ میں نے تجھ سے اتنے درہموں کے بدلے سکری کھجور کے سو پودے خریدے۔

② دوسری قسم: اگر وہ متعین ہو، یعنی حاضر ہو، موصوف نہ ہو، مثلاً کہتا ہے: میں نے تجھ سے اس قطار کا پودا خریدا۔ یہاں اس پودے کی تعیین ضروری ہے، محض اس کے اوصاف بیان کرنا درست نہیں ہوگا، بلکہ کہے: یہ دس پودے۔ ان کی تعیین کرے، اور ان کا جو معروف نام ہے وہ لے، اگر اس طرح نہ ہو تو پھر وہ مجہول ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”نبی کریم ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع فرمایا ہے۔“[2]

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 16/12)

---

❶ سنن الترمذي، رقم الحديث [1311]

❷ صحيح مسلم [1513/4]

146- مقررہ مدت تک سامان مہیا کرنے کی ذمے داری پر پیشگی رقم دینا

اگر آدمی ضرورتمند ہو اور کسی سے اس بنیاد پر نقد رقم لے کہ وہ ایک مقرر مدت کے بعد اس کو اس کے بدلے گندم، مکئی وغیرہ کی، ان کے پکنے سے پہلے، مقرر مقدار دے دے گا، اگر وہ شخص اپنے ذمے اس واجب الادا مقدار کا التزام کرتا ہے تو یہ مسئلہ بیع سلم کے مسائل میں شمار ہوگا۔ یہ بیع کی ایک قسم ہے جو چند شرطوں کے ساتھ صحیح ہوتی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

① یہ اس چیز میں کی جائے جس کی صفت متعین اور منضبط کی جا سکے۔

② اس سامان کی اس طرح تحدید و تعیین کی جائے کہ جس سے ظاہراً قیمت مختلف ہو جاتی ہو۔ یعنی اس کی جنس، نوع، مقدار، علاقہ، قدامت، جدت، اور اعلیٰ و ادنیٰ نوعیت کا بیان ہو۔

③ اگر وہ ماپنے والی چیز ہو تو ماپنے کے ساتھ اس کی مقدار ذکر کی جائے، اگر وہ وزن کی جانے والی چیز ہو تو وزن کے ساتھ اس کی مقدار ذکر کی جائے اور اگر وہ چیز گزوں میں دی جاتی ہو تو اس کے گز ذکر کیے جائیں۔

④ اسے مہیا کرنے کے لیے متعین مدت کی شرط لگائی جائے۔

⑤ جس چیز میں بیع سلم کی جا رہی ہو، اس کا اپنی جگہ پایا جانا عام ہو، یعنی اس موسم یا جگہ میں وہ چیز عام پائی جائے۔

⑥ مجلسِ عقد میں پیشگی قیمت وصول کر لی جائے۔

⑦ اس چیز میں بیع سلم کی جائے جو رقم وصول کرنے والے کے ذمے ہو، یعنی وہ چیز وقتِ بیع اس کے پاس موجود نہ ہو، لیکن وہ اسے مہیا کرنے کا پابند

ہو، اگر وہ کسی متعین (موجود چیز) میں بیع سلم کرے تو یہ درست نہیں۔

بیع سلم کے جائز ہونے کی قرآنی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿ يَاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة: 282]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آپس میں ایک مقرر مدت تک قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیع سلم (جس میں پیشگی قیمت وصول کرنے والے کے ذمے ایک مدت کے بعد سامان مہیا کرنا لازمی ہوتا ہے) اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور اس کی اجازت دی ہے۔'' پھر انھوں نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

اور حدیث سے اس کی یہ دلیل ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور وہ (اہل مدینہ) پھلوں میں ایک دو سال کے لیے بیع سلم کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی چیز میں بیع سلم کرتا ہے تو وہ معلوم و متعین ماپ تول اور معینہ مدت تک کے لیے کرے۔''[1]

(اللجنة الدائمة: 437)

147- وہ نہ بیچ جو تیرے پاس نہیں

سوال آج بعض تجارتی مقامات پر خریدار کوئی سامان خریدنے کے لیے جاتا ہے تو سیل مَین کہتا ہے: تھوڑا انتظار کریں۔ پھر وہ کسی دوسری دکان

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1311]

سے جا کر وہ چیز لے آتا ہے۔ اس صورت کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بیع سلم میں داخل ہے کہ نہیں؟

جواب اگر وہ دونوں عقد بیع کر لیں تو یہ درست نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو تیرے پاس نہیں وہ نہ بیچ۔''[1]

لیکن اگر وہ وعدہ کریں اور دکاندار کہے کہ عصر کے بعد آنا، سامان اس نے صبح طلب کیا ہو، لیکن دکاندار کی نیت ہو کہ وہ یہ چیز خرید لے گا اور عصر کے بعد اس کو بیچ دے گا، تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ عقد بیع نہیں ہوا، صرف سامان مہیا کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ سامان آنے سے پہلے ان دونوں کے درمیان معاہدہ نہ ہوا ہو اور وعدے میں بھی ایک دوسرے کو پابند نہ کیا گیا ہو، بلکہ صرف یہ کہیں: ان شاء اللہ، میں شام کے وقت تمھارے لیے لے آؤں گا، اگر یہ سامان خریدنے کا خواہشمند کسی دوسری جگہ سے وہ سامان خرید لے تو یہ دکاندار اس سے یہ نہ کہے کہ تم نے یہ سامان کیوں خریدا ہے؟ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 25/115)

148- مقروض اگر وقت سے پہلے قرضہ ادا کر دے تو اس کے قرضے میں کچھ تخفیف کر دینا

یہ علما کے ہاں مسئلہ ''ضَعُ وَ تَعَجَّلُ''[2] (جلدی ادا کریں اور تخفیف کروا لیں)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3503]

[2] موجودہ بنکاری نظام میں اسے ''منفی سود'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اگر ادائیگی مقررہ وقت سے پہلے کر دی جائے تو اصل سرمائے میں کمی کر دی جاتی ہے جسے ڈسکاؤنٹ کہا جاتا ہے، تاہم مذکورہ بالا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔

کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے جواز کے متعلق علما میں اختلاف ہے اور صحیح قول جائز ہونے کا ہے۔ یہ امام احمد سے ایک روایت، امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کا اختیار کردہ موقف اور حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ جواز کے قول کی توجیہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ سود کے برعکس ہے، کیونکہ سود مدت کے مقابلے میں دونوں عوضوں میں سے کسی ایک کے اضافے کو شامل ہوتا ہے، جبکہ یہ مدت ساقط ہونے کے بدلے عوض کے کچھ حصے سے بری الذمہ ہونے پر مشتمل ہے، کچھ مدت ساقط ہونے کے بدلے کچھ عوض بھی ساقط ہوگیا اور دونوں نے اس کے ساتھ فائدہ اٹھا لیا، لہٰذا یہاں حقیقتاً سود ہے نہ لغت کے اعتبار سے اور نہ عرف ہی کے لحاظ سے۔ کیونکہ سود کا معنی ہے: اضافہ، جو یہاں ناپید ہے۔ جنھوں نے اسے حرام قرار دیا ہے انھوں نے اسے سود پر قیاس کیا ہے، اور ان دونوں اقوال میں جو واضح فرق ہے وہ مخفی نہیں کہ "یا تو سود دو یا پھر ادا کرو" اور "تم مجھے قبل از وقت ادا کر دو میں تمھیں ایک سو ہبہ کر دوں گا۔" اس کی حرمت میں کوئی نص ہے نہ اجماع اور نہ صحیح قیاس ہی۔ (اللجنة الدائمة: 17441)

149- قرض اتارنے میں ٹال مٹول سے کام لینے کا حکم

جو اپنا قرض چکانے کی قدرت رکھتا ہو، اس کے لیے، جب وقت آجائے اور جو اس کے ذمے واجب الادا ہو، اسے ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لینا حرام ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی ایک کو

مالدار کے پیچھے لگا جائے تو وہ اس کے پیچھے چلے۔"[1]

لہٰذا جس کے ذمے قرض ہو، اس کو چاہیے کہ جن حقوق العباد کو ادا کرنا اس کے ذمے ہو، انھیں ادا کرنے میں جلدی کرے، یہ نہ ہو کہ اسے اچانک موت دبوچ لے اور اپنے وہ قرضوں کے ساتھ معلق ہو۔ (اللجنة الدائمة: 19637)

150- مالدار کا ٹال مٹول کرنا

مالدار کے لیے ٹال مٹول کرنا جائز نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی مالدار آدمی جو اپنے ذمے واجب الادا حقوق ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو، انھیں ادا کرنے میں تاخیر کرے، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"مالدار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور جب تم میں سے کسی ایک کو مالدار کے پیچھے چلایا جائے تو وہ اس کے پیچھے چلے۔"

(اللجنة الدائمة: 8859)

151- قرض کی توثیق اور دستاویزاتی شہادت کا بہترین طریقہ

اس کے تین طریقے ہیں:

(1) پہلا طریقہ: کوئی چیز گروی رکھنا۔ بائع خریدار سے کہے: مجھے کوئی چیز بطور گروی دو۔ وہ یا تو وہی سامان، جو اس نے خریدا تھا، اس کے پاس گروی رکھوا دیتا ہے یا کوئی زمین یا کوئی گاڑی وغیرہ، اہم بات یہ ہے کہ وہ اس بیع میں کوئی چیز گروی کے طور پر لے لیتا ہے۔ یہ ایک طرح کا وثیقہ ہے، جب قرض اتارنے کا وقت آجائے اور قرض دار قرض ادا نہ کرے تو قرض دینے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2287] صحيح مسلم [1564/33]

والے کو اختیار ہے کہ وہ گروی شدہ چیز بیچ کر اپنا حق پورا وصول کر لے۔

2. دوسرا طریقہ ضمانت دینا ہے، یعنی مقروض کی ضمانت دینا، کوئی قابل اعتماد، مالدار اور وعدے کے لحاظ سے اچھی شہرت کا حامل شخص آ کر کہے: میں اس شخص کے قرض کی ضمانت دیتا ہوں۔ جب مدت پوری ہو جائے تو صاحب حق (قرض دینے والے) کو اختیار ہوگا کہ وہ ضمانت دینے والے سے اس کا مطالبہ کرے جس کی اس نے ضمانت دی تھی۔

3. تیسرا طریقہ: مقروض کو حاضر کرنے کی ذمے داری اٹھانا ہے، جسے کفالت کہا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شخص یہ ذمے داری اٹھاتا ہے کہ جب قرض واپس کرنے کا وقت آ جائے گا تو وہ مقروض کو قرض دینے والے کے پاس لے کر حاضر ہوگا۔ ضمانت اور کفالت میں یہ فرق ہے کہ ضمانت قرض کی ضمانت ہوتی ہے جبکہ کفالت میں مکفول کو (جس کی ذمے داری لی جاتی ہے) حاضر کرنے کی ضمانت دی جاتی ہے، جب ضامن مکفول کو حاضر کر دے تو وہ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 8/234)

152- قرض ادا کرنا اور نذر پوری کرنا

اگر قرض نذر سے پہلے کا ہو تو اسے پہلے ادا کرنا چاہیے اور اگر نذر پہلے کی ہو تو پھر اسے قرض ادا کرنے سے پہلے پورا کرنا چاہیے، کیونکہ یہ چیز انسان کے ذمے واجب الادا کام کے متعلق ہے اور جو چیز انسان کے ذمے واجب الادا ہو، اس میں انسان اس وقت تک دوسری ذمے داری کو ادا نہیں کر سکتا جب تک پہلی ذمے داری ادا کرنے سے فارغ نہ ہو جائے، یہ اس وقت کی بات ہے

جب اس نے کسی متعین چیز کی نذر نہ مانی ہو۔

مثلاً آدمی کہے: میں نے اللہ کے لیے نذر مانی ہے کہ یہ درہم یا یہ متعین کھانا صدقہ کروں گا، اس حالت میں وہ نذر کو مقدم کرے گا کیونکہ یہ متعین ہو چکی ہے اور یہ متعین اور مقرر چیز نذر کے ذریعے پوری کی جا رہی ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 21/234)

153- جو شخص قرض دینے والوں کے ایڈریس سے ناواقف ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اگر مقروض ان کے پتوں سے ناواقف ہے تو وہ ان کے حقوق کا ان کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دے، جب وہ آئیں یا ان کے پتے مل جائیں اور وہ صدقہ جاری رکھیں تو انھیں اس کا اجر مل جائے گا لیکن اگر وہ صدقہ برقرار نہ رکھیں تو وہ انھیں ان کے حقوق ادا کرے اور اسے صدقے کا اجر مل جائے گا۔

واللہ ولي التوفیق۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 288/19)

154- مقروض کے مال سے خفیہ خفیہ اپنا قرض وصول کرنا

اگر کسی انسان کا کسی پر قرضہ ہو تو اس کے لیے اسے خفیہ انداز میں اس سے لینا جائز نہیں، کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

"جس نے کوئی چیز تجھے امانت کے طور پر دی ہے، اس کی امانت واپس کر اور جس نے تیرے ساتھ خیانت کی ہے تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔"[1]

[1] سنن أبي داود، رقم الحدیث [3534] سنن الترمذي، رقم الحدیث [1264]

نفقات یعنی لازمی اخراجات کے سوا یہ کہیں وارد نہیں ہوا کہ کوئی صاحب حق اپنا حق خفیہ طریقے سے لے۔ حضرت ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں: ابوسفیان ایک بخیل آدمی ہے، وہ مجھے اور میری اولاد کو بقدر کفایت خرچہ نہیں دیتا، اگر میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لوں، تو کیا مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم اس کے مال سے اتنا لے لو جو تمھارے لیے اور تمھاری اولاد کے لیے معروف کے مطابق قابل کفایت ہو۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دی کہ وہ اس کے مال سے اس کی لاعلمی میں اتنا لے سکتی ہے جو اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے قابل کفایت ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کے ذمے کسی کا خرچہ ہو اور وہ شخص اس پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لے تو وہ اس کے علم میں لائے بغیر اس کے مال سے قدر ضرورت اور معروف کے مطابق لے سکتا ہے۔

علماء کرام نے اس مسئلے کے ساتھ اس معاملے کا الحاق بھی کر دیا ہے جس کا سبب ظاہر ہو، جیسے مہمان جب کسی کے پاس آئے اور میزبان اس کی ضیافت نہ کرے تو مہمان کو اجازت ہے کہ وہ اس شخص کے مال سے، اس کے علم میں لائے بغیر، اتنا لے سکتا ہے جو اس کی ضیافت کے لیے کافی ہو، کیونکہ یہاں اس کا حق ظاہر ہے۔

جب کوئی آدمی کسی کے پاس مہمان بن کر جاتا ہے تو ایک دن اور ایک رات اس کی ضیافت کرنا میزبان کے ذمے واجب ہوتا ہے اور اس کے لیے اس کی مہمان نوازی سے پس و پیش کرنا جائز نہیں لیکن جہاں تک قرضوں کا معاملہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5364]

ہے اس میں قرض دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ مقروض کے مال سے اس کی لاعلمی میں اپنا قرض وصول کر لے۔ (ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 8/234)

155- مسئلہ ظفر (کوئی چیز پا لینا)

ایک چوکیدار جو ایک بلڈنگ کے مالک کے ہاں کام کرتا ہے، کہتا ہے: بلڈنگ کا مالک مجھے میری تنخواہ نہیں دیتا، اس نے اس عمارت کے مالک کے تین سو ریال کہیں پائے اور رکھ لیے، کیا اس کے لیے وہ ریال لینا جائز ہے کہ نہیں؟

اس مسئلے کو اہل علم ''مسئلہ ظفر'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں، یہ راجح قول کے مطابق جائز نہیں، کسی انسان کا کسی پر کوئی حق تھا، اس نے اس کا حق ادا نہیں کیا، کیا اس کے لیے، اگر وہ طاقت رکھتا ہوتو، اس کے مال سے اپنے حق کے مطابق لے لینا جائز ہے کہ نہیں؟

ہم کہتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ یہ جائز نہیں لیکن اگر حق کا سبب ظاہر تو پھر جائز ہے، مثلاً اگر وہ حق، جو اس کے ذمے واجب الادا ہے، خرچہ ہے، اگر خاوند بیوی کا واجب خرچہ ادا نہیں کرتا تو وہ اپنے خاوند کے مال سے لے لے، اسی طرح اگر کوئی کسی کا رشتے دار ہو اور اس کا خرچہ اس کے ذمے ہو لیکن وہ اس میں کوتاہی کرے تو وہ اس کے مال سے اپنا خرچہ لے سکتا ہے، ایسے ہی مہمان کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ اگر میزبان اس کی مہمان نوازی نہ کرے تو وہ اس کے مال سے لے سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ یہ فتنے، عداوت، دشمنی اور جھگڑے کا سبب نہ بنے، لیکن سائل کا جو سوال ہے اس میں وہ اپنا خاص حق مانگتا ہے جس کا

سبب ظاہر نہیں، لہٰذا اس کے لیے وہ درہم لینا جائز نہیں جو وہ اس کے مال سے لینے پر قادر ہوا ہے، بلکہ اس پر یہی واجب ہے کہ وہ اس مال سے ہاتھ کھینچ لے جو اسے ملا ہے، پھر اپنے مالک سے جھگڑا اور مطالبہ کرے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7/234)

156- ایک آدمی فوت ہو گیا ہے اور اس کی کچھ رقم میرے ذمے ہے

تم پر واجب ہے کہ اس کے ورثا کو تلاش کرو اور انھیں میت کی رقم دو، کیونکہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا مال اس کے ورثا کو منتقل ہو جاتا ہے، اگر تم انھیں پہچاننے سے معذور ہو جاؤ تو پھر اس رقم کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دو، یعنی جس کا مال ہے اس کی طرف سے نیت کرو، اللہ تعالیٰ اپنے علم قدرت اور قوت کے ساتھ اسے اس تک پہنچا دے گا جس کا وہ حق ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 17/234)

157- سامان کے حساب کتاب میں غلطی

سوال وہ سیل مین (فروخت کنندہ) جو حساب میں غلطی کرتا ہے، کبھی گاہک کو کم دے دیتا ہے اور کبھی زیادہ لیکن ارادے کے بغیر، کیا وہ کمی پوری کرے اور جو زیادہ ہے وہ لے لے؟

جواب جب سیل مین کو علم ہو جائے کہ خریدار نے قیمت سے زیادہ رقم دے دی ہے اور وہ اس کو جانتا ہو تو اس کے لیے وہ رقم لوٹانا ضروری ہے، اگر وہ مر گیا ہو تو وہ اس کے لواحقین کو لوٹائے، لیکن اگر وہ اسے جانتا نہیں اور اس کے واپس لوٹنے سے بھی ناامید ہو چکا ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے لیکن

جب اس کے لیے یہ واضح ہو جائے کہ خریدار نے رقم کم دی ہے تو وہ اسے تلاش کرے اور اس رقم کا مطالبہ کرے جو اس نے کم دی ہے، لیکن وہ اسے قبول کرتا ہے یا نہیں کرتا تو اس معاملے میں عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 9/234)

رہن (گروی) کے احکام

158- رہن لینے والے کا گروی میں رکھی گئی چیز سے فائدہ اٹھانا

اگر رہن ایسی چیز ہو جو کسی اہتمام اور خرچے کی محتاج نہ ہو، جیسے کوئی سامان، زمین، گھر وغیرہ، اور یہ اس ادھار کے بدلے نہ رکھی گئی ہو جو بطور قرض لیا تھا (بلکہ کسی دوسرے معاملے کے بدلے میں رکھی گئی ہو) تو ایسی صورت میں رہن لینے والے کے لیے گروی رکھوانے والے کی اجازت کے بغیر اس میں کھیتی کر کے یا اسے کرائے پر دے کر اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے، لہٰذا اس میں ہونے والی نشو ونما بھی راہن (گروی رکھوانے والے) کا حق ہے، اگر راہن مرتہن (رہن لینے والے) کو اس زمین سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دے دے اور یہ قرض اس ادھار کے بدلے نہ ہو جو اس نے اس سے بطور قرض لیا تھا تو مرتہن کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا، جب تک یہ اسے ادا کرنے میں تاخیر کرنے کی مدت کے مقابل نہ ہو، جائز ہے، خواہ یہ کسی عوض کے بغیر ہی ہو، اگر وہ اس مدت کے مقابلے میں اس سے فائدہ اٹھا رہا ہو جو تاخیر اس سے ہو رہی ہے تو پھر مرتہن کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

اگر یہ رہن میں رکھی گئی زمین اس ادھار کے بدلے ہو جو بطور قرض لیا تھا تو پھر مرتہن کے لیے مطلقاً اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں کیونکہ یہ وہ قرض ہے،

جو اپنے ساتھ فائدہ بھی لاتا ہے اور ہر وہ قرض جو فائدہ بھی لائے، اہل علم کے اجماع اور اتفاق کے ساتھ سود ہے۔ (اللجنة الدائمة: 20244)

159- زمین کے مقابلے میں رہن سے فائدہ اٹھانا

جس نے کسی کو کوئی قرض دیا تو اس کے لیے قرض لینے والے پر یہ شرط عائد کرنا جائز نہیں کہ وہ قرض کے مقابلے میں نفع لے گا، کیونکہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہر وہ قرض جو فائدہ لائے، سود ہوتا ہے۔''[1]

علماءِ کرام کا اس پر اجماع ہے۔سوال میں جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرض دینے والا مقروض سے زمین بطور گروی رکھ لیتا ہے اور جب تک وہ قرض ادا نہیں کرتا وہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، یہ بھی اس قسم میں داخل ہے، اسی طرح اگر اس کے ذمے اس کا قرض ہوتا تو قرض دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ مقروض کو مہلت دینے کے بدلے زمین کا غلہ لے یا اس سے فائدہ اٹھائے کیونکہ رہن کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ قرض یا ادھار لینے کو دستاویزاتی شکل دی جائے اور قرض ملنے کی یقین دہانی ہو جائے نہ کہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرض کے بدلے میں یا قرض ادا کرنے میں سستی کے مقابلے میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

(اللجنة الدائمة: 17393)

160- رہن میں زیادہ کرنا

کیا رہن میں زیادہ کرنا جائز ہے، مثلاً جب کوئی شخص کسی سے بطور قرض

[1] ضعیف. ضعیف الجامع، رقم الحدیث [4244]

کوئی رقم لیتا ہے تو قرض دینے والا قرض سے زیادہ رہن کا مطالبہ کرتا ہے، اس صورت کا کیا حکم ہے؟

اس میں کوئی حرج نہیں یعنی قرض دینے والے پر کوئی حرج نہیں کہ وہ قرض لینے والے سے ایسی چیز بطور رہن رکھوانے کا مطالبہ کرلے، جس کی قیمت قرض سے زیادہ ہو، مثلاً: اگر اس نے اسے دس ہزار روپے ادھار دیے اور اس سے ایسی چیز بطور گروی رکھنے کا مطالبہ کیا جس کی قیمت بیس ہزار یا اس سے زیادہ تھی تو اس میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح وہ قرض سے کم قیمت کی چیز بھی بطور گروی لینے کا کہہ سکتا ہے، مثال کے طور پر اس نے اس کو دس ہزار قرض دیے اور پانچ ہزار کے برابر کوئی چیز بطور گروی لینے کا اظہار کیا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/236)

161- کھجور انگور وغیرہ پھل آور مال بطور گروی رکھنے کا حکم

کھجور، انگور وغیرہ کی طرح کا کوئی پھلدار مال اور پھل بطور گروی رکھنے میں کوئی حرج نہیں، وہ مالک یعنی راہن ہی کا ہوگا، مرتہن کے لیے اسے لینا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ ادھار میں شمار کر کے اس سے منہا کر دے لیکن پھل لینا، جبکہ قرض ابھی تک موجود ہو، حرام اور سود ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کوئی زمین بطور گروی رکھوائی تو مرتہن کے لیے اس کی اجرت لینا جائز نہیں، الا یہ کہ وہ ادھار میں کاٹ لے، صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہے، وہ مقروض کو مہلت دینے کے بدلے کوئی چیز لینے سے منع کرتے اور اسے سود میں شمار کرتے، لیکن اگر وہ قرض ادا کرتے وقت یا اس کے بعد اسے کوئی چیز زیادہ دے دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"بلاشبہ لوگوں میں سے بہترین وہ ہیں جو خوب تر انداز میں ادا کرتے ہیں۔"[1] (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 310/19)

162- جس کے پاس کوئی چیز گروی رکھی ہو، اسے اسی کے ہاتھ بیچ دینا

اس میں کوئی امر مانع نہیں، مرتہن نے گروی رکھی گئی چیز اپنے قرض پر بطور وثیقہ اپنے پاس رکھی تھی، جب قرض ادا کرنے کا وقت آ جائے اور وہ چیز اسی کے پاس ہو اور راہن قرض ادا نہ کرے تو اس کے لیے وہ چیز بیچ کر اپنا قرض لے لینا جائز ہے، راہن وہ چیز مرتہن کو بھی بیچ سکتا ہے اور کسی دوسرے کو بھی، پھر مرتہن کا حق اسے دے دے۔ (ابن جبرین: 14/7)

163- مملکت کے پاس رہن میں رکھے گئے مال میں تصرف کرنا

اگر کوئی چیز مُلک کے لیے یا کسی دوسرے کے لیے گروی میں رکھی گئی ہو تو تمھارے لیے مرتہن کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے ساتھ اس کا حق وابستہ ہے، لہٰذا تمھارے لیے مرتہن کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، چاہے وہ مرتہن ملک ہو یا ملک کے علاوہ کوئی اور اتھارٹی ہو۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 310/19)

164- قرض میں شرط

سوال ایک آدمی نے کسی آدمی سے کوئی مال بطور قرض لیا، لیکن قرض دینے والے نے یہ شرط لگائی کہ قرض لینے والا اس کے بدلے اسے زرعی زمین کا

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3346]

ایک رقبہ بطور رہن دے، وہ اس میں فصل اگائے گا، اور اس کا سارا غلہ یا آدھا خود رکھ لے گا اور آدھا اسے دے دے گا تا آنکہ مقروض وہ سارا مال اسی طرح واپس کر دے جس طرح اس نے اسے دیا تھا، پھر قرض دینے والا وہ زمین اسے واپس لوٹا دے گا۔ اس مشروط قرض کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب قرض کا مقصد قرض لینے والے پر نرمی اور احسان کرنا ہے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کو مطلوب اور اس کی پسندیدہ ہے، کیونکہ یہ اس کے بندوں پر احسان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [البقرۃ: 195]

''اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

یہ احسان اور نرمی قرض دینے والے کے لیے جائز، بلکہ مستحب ہے اور قرض لینے والے کے لیے جائز اور حلال، نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی سے ایک اونٹ ادھار لیا اور اس کو اس سے بہتر لوٹایا۔[1]

جب یہ عقد یعنی قرض، عقودِ ارفاق اور احسان سے ہے تو اسے عقد معاوضہ اور منافع (دنیوی مادی منافع) میں تبدیل کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح یہ عقد ارفاق اور احسان سے نکل کر بیع اور معاوضات کے باب میں داخل ہو جائے گا، اس لیے آپ اس معاملے میں واضح فرق محسوس کریں گے کہ ایک نے آدمی دوسرے سے کہا: میں نے تجھے یہ دینار دوسرے دینار کے بدلے ایک سال کی مدت تک ادھار بیچا، یا میں نے تجھے اس دینار کے بدلے یہ دینار بیچا، اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دینے سے پہلے ہی جدا جدا ہو گئے، ان دونوں صورتوں میں بیع حرام ہو گی اور یہ سود ہو گا، لیکن اگر اس نے اس کو ایک دینار بطور

[1] صحیح مسلم [1600/118]

قرض دیا اور دوسرے نے ایک مہینے یا ایک سال بعد وہ واپس کر دیا تو یہ جائز ہوگا حالانکہ قرض دینے والے نے اس کا عوض ایک سال بعد لیا کیونکہ یہاں ارفاق اور نرمی کا پہلو موجود ہے، اس بنیاد پر قرض دینے والا اگر قرض لینے والے پر کسی مادی منفعت کی شرط لگاتا ہے تو وہ قرض کے ساتھ اس کے اصلی موضوع سے، جو نرمی ہے، نکل جاتا ہے اور اس کا یہ قرض دینا حرام ہوگا۔ اہل علم کے ہاں ایک مشہور قاعدہ ہے: ''ہر وہ قرض جو فائدہ لاتا ہے، وہ سود ہے۔''

بنا بریں قرض دینے والے کے لیے قرض لینے والے پر یہ شرط عائد کرنا جائز نہیں کہ وہ اسے زمین دے اور وہ اس میں کھیتی کرے، چاہے وہ قرض دار کو اس سے حصہ بھی کیوں نہ دے کیونکہ اس نے مقروض سے فائدہ لیا ہے اور قرض اپنے اصلی موضوع، ارفاق اور احسان سے نکل چکا ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7/236)

قرض [1] کے احکام

165- قرض کا حکم

قرض عام لوگوں کے ہاں ادھار پیسے دینے کا نام ہے، یہ سنت ہے اور باعث اجر۔ یہ اس آیت قرآنی ﴿وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ [البقرۃ: 195] (اور نیکی کرو، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) کے عموم میں داخل ہے۔ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ بھی قرض مانگ لیا کرتے تھے۔ یہ قرض لینے والے کے لیے مباح ہے اور قرض دینے والے کے لیے سنت، لیکن قرض دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بعد میں قرض دار کو احسان جتلا کر تکلیف نہ دے۔ مثلاً کہے: میں نے تیرے ساتھ احسان کرتے ہوئے تجھے قرض دیا اور تم مجھے اس کا اچھا بدلہ دے رہے ہو!

ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی﴾

[البقرۃ: 264]

[1] قرض سے مراد ہر وہ رقم ہے جو کسی دوسرے کو اس ذمے داری پر دی جائے کہ وہ مقررہ وقت کے بعد اسے واپس کر دے گا، قرض اگر ضائع ہو جائے تب بھی واجب الادا ہی رہتا ہے۔

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقے احسان رکھنے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو۔“

جہاں تک قرض لکھنے کا معاملہ ہے تو اگر قرض، قرض دینے والے کے اپنے مال سے ہو تو پھر اس آیت: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاكْتُبُوْهُ ﴾ [البقرة: 282] کے عموم کے تحت اسے لکھ لینا بہتر ہے، تاہم لکھنا ترک بھی کیا جا سکتا ہے، خصوصاً جب وہ ایسی عام اور معمولی چیزیں ہوں جن کی لوگوں کی نظر میں کوئی اتنی اہمیت نہیں ہوتی اور وہ انھیں نہیں لکھتے۔ اگر وہ کسی دوسرے کے مال سے قرض دے رہا ہو، مثلاً اس کے پاس کسی یتیم کا مال ہو اور وہ اس کا نگران اور سرپرست ہو، پھر کسی مصلحت کے تحت اس کے مال سے کسی کو قرض دینا پڑ جائے تو پھر اس کے لیے اسے لکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ یہ لکھنا اس یتیم کے مال کی حفاظت کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ﴾ [الأنعام: 152]

”اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔“

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/244)

166- دَین، قرض اور سَلَم میں فرق

فقہا کی اصطلاح میں دَین سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی کے ذمے ثابت ہو، خواہ وہ قرض کی صورت میں ہو، کسی چیز کی قیمت ہو یا کوئی کرایہ جسے کسی نے ادا نہ کیا ہو، یا کوئی اور صورت ہو، بہر کیف ہر وہ چیز جو کسی کے ذمے ثابت اور واجب الادا

ہو، وہ اہل علم کے ہاں دین ہے، اس بنا پر قرض اور سَلم دَین کی دو اقسام ہیں۔

عام لوگوں کے ہاں دَین سے مراد یہ ہے کہ کوئی سامان نقد قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا، تا کہ خریدار اسے بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھا سکے، عام لوگوں کے ہاں یہ دَین ہے، لیکن شریعت اور علما کی نگاہ میں دَین سے مراد ہر وہ چیز ہے جو کسی چیز کی قیمت کی وجہ سے، ادھار پیسے لینے کی وجہ سے، یا پھر سَلم وغیرہ کی وجہ سے کسی کے ذمے ثابت اور واجب الادا ہو۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 27/15)

167- آدھا منافع لینے کی شرط پر مال قرض دینے کا حکم

کوئی آدمی کسی سے آدھے منافع کی شرط پر تجارت کی غرض سے مال ادھار لے، یہ حرام اور ناجائز ہے، کیونکہ علما کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ قرض جو فائدہ لائے وہ سود ہے، لیکن اس سے بہتر ہے کہ بندہ کہے: یہ مال لو، اس کے ساتھ تجارت کرو، اور آدھا منافع تیرا۔ اگر کہنے والا کہے: اس میں اور اُس میں کیا فرق ہے؟

اس نے اس کو دس ہزار روپے بطور قرض دیے اور کہا: یہ دس ہزار قرض اس شرط پر ہے کہ آدھا منافع میرا ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ اس قرض نے فائدہ دیا ہے، لیکن اگر کہے: یہ دس ہزار لو، ان کے ساتھ تجارت کرو اور آدھا نفع تیرا۔ یہ حلال ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ قرض میں اگر نقصان ہوجائے تو وہ مقروض کو برداشت کرنا پڑے گا کیونکہ اس نے دس ہزار قرض لیے اور اس کے ذمے دس ہزار ثابت اور واجب الادا ہو گئے، لیکن مضاربت کے مسئلے میں جب کہے: یہ دس ہزار لے، ان کے ساتھ تجارت کر اور آدھا نفع تمھارا، اگر اس کو مال میں خسارہ ہوجائے یا مال تلف ہوجائے تو یہ اس

مضارب (رب المال) کا نقصان ہوگا جس نے مال دیا تھا۔

پہلی صورت میں اگر نقصان ہو جائے تو اس نقصان کا ذمے دار قرض لینے والا ہی ہوگا اور اسے دس ہزار ادا کرنے ہوں گے، جبکہ مضاربت کی صورت میں اگر نقصان ہو جائے یا مال تلف ہو جائے تو یہ نقصان مال کے مالک ہی کو برداشت کرنا پڑے گا، (جبکہ کام کرنے والے کی محنت ضائع ہوگی) یہ ہے ان دونوں کے درمیان واضح فرق۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 9/169)

168- قرض دار کی تنگدستی کی وجہ سے قرض کو زکوۃ سمجھ لینے کا حکم

یہ جائز نہیں کہ انسان فقیر سے قرض ساقط کر کے اسے زکاۃ میں شمار کر لے کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيهِ﴾ [البقرة: 267]

’’اور اس میں گندی چیز کا ارادہ نہ کرو، جسے تم خرچ کرتے ہو، حالانکہ تم اسے کسی صورت لینے والے نہیں، مگر یہ کہ اس کے بارے میں آنکھیں بند کرلو۔‘‘

ایسے ہی میت کا قرض بھی زکاۃ سے ادا کرنا جائز نہیں۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 17/188)

169- ہر وہ قرض جو نفع لائے سود ہے

سوال کسی کو اس شرط پر قرض دینے کا کیا حکم ہے کہ وہ اس کو متعین مدت میں قرض واپس کر دے، پھر اس کو بھی اتنی ہی مقدار اور اتنی ہی مدت کے

لیے قرض دے۔ کیا یہ اس حدیث میں داخل ہے کہ ”ہر وہ قرض جو نفع لائے سود ہے“ یہ ذہن میں رہے کہ زیادہ طلب کرنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔

جواب یہ قرض جائز نہیں کیونکہ یہ معاملہ قرض دینے والے کو اتنا ہی قرض دینے کی شرط پر مشتمل ہے جو ایک بیع میں دو بیعوں کے حکم میں ہے، نیز اس میں محض قرض کی بنیاد پر ایک زائد فائدہ لینے کی شرط بھی ہے کہ وہ بھی اس کو اتنا ہی قرض دے۔ علما کا اجماع ہے کہ ہر وہ قرض جو زائد فائدے کو متضمن ہو یا اس پر اتفاق کر لیا جائے وہ سود ہے۔

تاہم یہ حدیث: ”ہر وہ قرض جو نفع لائے وہ سود ہے۔“ ضعیف ہے، لیکن صحابہ کرام کی ایک جماعت سے اس حدیث کے معنی پر دلالت کرنے والے اقوال ملتے ہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 294/19)

170- ریال قرض لینے کی صورت میں ان کے برابر ڈالر واپس کرنے کا حکم

اگر یہ شرط لگا کر معاملہ ہو تو پھر جائز نہیں، کیونکہ یہ نقد کی نقد کے ساتھ بیع ہے، اس میں ادھار جائز نہیں، لیکن اگر کسی نے کسی کو سعودی ریال، مصری یا آسٹریلوی پونڈ قرض دیے ہوں، پھر مقروض نے قرض ادا کرتے وقت باہمی رضا مندی کے ساتھ ان کے بدلے نقد ڈالرز دے دیے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لوگوں نے شکایت کی کہ لوگ دیناروں کے ساتھ بیع کرتے ہیں اور درہم لیتے ہیں، درہموں کے ساتھ بیع کرتے ہیں اور دینار لیتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم اس دن کے ریٹ کے مطابق لو اور جب تم جدا ہو تو تمھارے درمیان کوئی (تصفیہ طلب) معاملہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔"❶

مثال کے طور پر اگر کوئی انسان ہزار ریال قرضہ لے، پھر ادا کرنے کے وقت دونوں متفق ہوں کہ قرض دار ہزار ریالوں کے بدلے ڈالر یا کویتی یا اُردنی دینار یا آسٹریلوی پونڈ یا اس جیسی کوئی بھی کرنسی دے دے، تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر باہم اس پر متفق ہوں اور نقد بہ نقد لے لیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 208/19)

171- قرض دے کر کمائی کرنا

سوال ایسے شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو اپنے بھائی کو اس شرط پر غیر محدود مدت کے لیے قرض دیتا ہے کہ جو سامان وہ فروخت کرے گا، اس سے اسے روزانہ سو ریال یا اس سے کم یا زیادہ دے گا؟

جواب یہ شرط فاسد ہے، قرض دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ قرض دے کر اس قرض سے کوئی چیز کمائے، خواہ وہ کوئی مال ہو، کوئی چیز ہو، کوئی فائدہ ہو یا کرایہ، کوئی چیز بھی جائز نہیں، کیونکہ قرض صرف احسان ہے، اگر اس میں معاوضہ یا اضافہ داخل ہو جائے تو یہ بیع اور سود ہوگا، مثلاً اگر میں تجھ کو دس ریال بطور قرض دوں تو وہ دس ریال تمھارے ذمے ثابت اور واجب الادا ہو جائیں گے، جب تمھارے لیے آسانی ہوگی، تم مجھے وہ دس ریال دے دو گے۔ لیکن اگر یہ بیع ہوئی تو درست نہیں ہوگی، مثلاً اس نے کہا: میں تجھے دس ریال کے بدلے دس ریال فروخت کرتا ہوں یہاں یاد رہے کہ اگر ایک نے

---

❶ ضعیف. سنن أبي داود، رقم الحديث [3354]

دوسرے کو (مجلس عقد میں) پکڑائے نہیں تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

یہاں یاد رہے کہ قرض دینا احسان کرنا ہے اور احسان ہی مطلوب ہے۔ اس احسان کا یہ فائدہ سود خوروں کی خواہش کے عکس ہے، شریعت نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ تو دس روپے ادھار دے اور وہ دس ہی تجھے واپس کرے گا، لیکن جب تم نے یہ شرط عائد کر دی کہ وہ دس کے بدلے بارہ دے گا، یہ معاوضہ ہو جائے گا اور بیوع کے باب میں داخل ہوگا، اس طرح یہ سود ہو جائے گا، اس لیے اس کے متعلق علما نے ایک بڑا مفید قاعدہ درج کیا ہے کہ ''ہر وہ قرض جو کوئی فائدہ لائے وہ سود ہے۔'' (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 9/244)

172- بنک سے قرضہ لینے کا حکم

اگر بنک سے شرعی طریقے کے مطابق قرضہ لیا جائے، جیسے جتنا قرض لیا تھا اتنا ہی واپس کیا جائے اور کوئی اضافہ نہ ہو، یا بنک سے کوئی چیز معینہ مدت کے لیے ادھار خریدی جائے، چاہے اس کی قیمت نقد سے زیادہ ہی ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر بنک سے سودی قرضہ لیا جائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس اور نبی مکرم ﷺ کے فرامین میں اسے حرام قرار دیا ہے، اس کے متعلق اتنی شدید وعید آئی ہے جو مردار کھانے میں بھی نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾ [البقرة: 275]

''وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، کھڑے نہیں ہوں گے مگر جیسے وہ شخص

کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنا دیا ہو۔“

علمائے تفسیر اس کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سود خور روزِ قیامت اپنی قبر سے دیوانے کی طرح اٹھے گا۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾

[البقرة: 275,276]

”یہ اس لیے کہ انھوں نے کہا بیع تو سود ہی کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آئے، پس وہ باز آجائے تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو دوبارہ ایسا کرے تو وہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے سود کھانے، کھلانے، لکھنے اور اس کے دو گواہوں پر لعنت فرمائی ہے، پھر فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔[1]

سود کی حرمت اور وعید کے متعلق آیات اور احادیث بہت زیادہ اور مشہور ہیں، محتاج کو اگر کوئی قرض نہ دے یا اسے ادھار نہ بیچے تو وہ اس مجبور کے حکم میں نہیں جس کے لیے مردار یا سود حلال ہو جاتا ہے کیونکہ محتاج کے لیے اپنے ہاتھ

[1] صحیح مسلم [1598/106]

سے کام کرنا ممکن ہے، لہٰذا وہ کام کر کے اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے یا پھر کہیں دوسری جگہ چلا جائے جہاں کوئی اسے قرض دے دے یا ادھار بیچ دے۔

مضطر اور مجبور اس کو کہتے ہیں جو بھوک کی شدت میں مبتلا ہو اور اپنی سانسیں بحال رکھنے کے لیے کچھ کمانے پر قادر نہ ہو، ایسی کیفیت میں اگر وہ مردار وغیرہ نہ کھائے تو اس کے مرنے کا خدشہ ہے۔

یہ لوگ جو بنکوں کے ساتھ سودی لین دین کرتے ہیں، ان کی حاجت اس ضرورت کے حکم میں نہیں آتی جس میں مردار وغیرہ کھانا جائز ہو جاتا ہے، اکثر لوگوں کے لیے سود کا معاملہ اتنا معمولی اور آسان ہے کہ وہ کھلم کھلا اس کا لین دین کرتے ہیں، اس کا فتویٰ بھی دیتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے شبہات ان کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اس کا سبب قلتِ علم، ضعفِ ایمان اور حبِ مال کے سوا کچھ نہیں، اللہ تعالیٰ ایسے کاموں سے محفوظ رکھے جو اس کے غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ تاہم جس قدر ممکن ہو بنک کے ساتھ لین دین کرنے اور اس سے قرضہ لینے سے احتراز برتنا چاہیے، خواہ یہ شرعی طریقہ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو جس کا ذکر ہوا ہے۔ یہی محتاط اور بہتر رویہ ہے، کیونکہ بنکوں کے مال عموماً حرام سے خالی نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور عزت بچا لی۔"[1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 302/19)

173- سونا قرض لینے کا حکم

کلو کے حساب سے یا نقد (سونے کے سکّے) کے ساتھ سونا قرض دینا

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3330]

جائز ہے، اور وہ تمھیں پونڈز وغیرہ گن کر اور دیگر سونے کے ٹکڑے وغیرہ اگر ہوں تو جس قدر اس نے لیا تھا اس کے وزن کے برابر واپس کرے گا اور اس میں ان شاء اللہ کوئی قابل ممانعت چیز نہیں، مسلمانوں کے درمیان تعاون کرنا مطلوب ہے، تمھارے لیے صرف وہی سونا ہوگا جو تم نے قرض دیا تھا، چاہے اس کی قیمت بڑھ گئی ہو یا کم ہوگئی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 2730)

174- اچھے مقاصد کے لیے سودی قرض لینے کا حکم

اگر قرض سودی منافع کے ساتھ لیا جائے تو یہ سلف صالحین کے اجماع کے ساتھ ناجائز ہے کیونکہ کتاب و سنت کے دلائل اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں، خواہ اس کا مقصد نیک اور اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ نیک مقاصد حرام وسائل کو جائز قرار دے سکتے ہیں، نہ انھیں حلال ہی کر سکتے ہیں، تاہم اگر سودی فائدے کے بغیر قرض لیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ممکن ہو تو ایسے لوگوں سے قرض لینا چاہیے جن کے اموال سود کی آلائش سے پاک ہوں، یہی بہتر اور محتاط عمل ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 284/19)

175- سودی معاملات کرنے والے سے قرض لینے کا حکم

ایسے آدمی سے قرض لینا یا اس کے ساتھ لین دین کرنا جس کے معاملات سودی اور حرام ہوں، مناسب نہیں، لہٰذا اس سے قرض لیں نہ اس کے ساتھ لین دَین ہی کریں، بلکہ اس سے بچیں اور دور رہیں، لیکن اگر وہ آدمی حرام اور حلال دونوں طرح کا لین دَین کرے، یعنی اس کے معاملات پاک اور ناپاک کا مغلوبہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں، لیکن اسے چھوڑ دینا افضل اور بہتر ہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

”جو آپ کو شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور جو شک میں نہ ڈالے اسے اپنا لو۔“ [1]

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنا دین اور عزت بچا لی۔“ [2]

لہٰذا مومن مشتبہ چیزوں سے دور رہتا ہے، جب تجھے خبر ہو جائے کہ اس کے تمام معاملات حرام ہیں، وہ حرام کی تجارت کرتا ہے تو اس جیسے آدمی سے لین دین کرنا چاہیے نہ اس سے قرضہ ہی لینا چاہیے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 286/19)

176- قرضہ ادا کرتے وقت کرنسی کی قیمت میں تبدیلی ہونا

سوال میں نے ایک آدمی کو کچھ رقم ڈالر میں بطور قرض دی اور اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ واپس بھی ڈالروں ہی میں کرے گا لیکن جب میں نے اس کو قرض دیا تھا، آج ڈالر کی قیمت اس سے مختلف ہے اور اس میں اضافہ ہو گیا ہے، کیا یہ فرق سود شمار کیا جائے گا؟

جواب جب کوئی انسان کسی کو ڈالر قرضے میں دے تو مقروض کے ذمے ڈالر ہی واجب الادا ہوں گے، چاہے اس کی شرط لگائی گئی ہو یا نہ۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کو سعودی ریال کا قرضہ دیا ہو تو اس کے ذمے سعودی ریال ہی ثابت ہوں گے، خواہ ان کی شرط لگائی گئی ہو یا نہ، مقروض پر لازم نہیں آتا کہ وہ کوئی دوسری کرنسی میں اسے ادا کرے، خواہ اس کی قیمت کم

---

1. سنن الترمذي، رقم الحديث [2518] سنن النسائي، رقم الحديث [5711]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3330]

ہوگئی ہو یا زیادہ یا مستحکم اور برقرار رہی ہو۔

اگر اس نے ڈالر کا قرضہ دیا تھا جو مثال کے طور پر پانچ سعودی ریال کے مساوی ہے، پھر اس کا ریٹ چڑھ گیا اور دس ریال کے برابر ہوگیا، تو اس کے لیے ڈالروں ہی میں ادا کرنا لازمی ہے، چاہے سعودی ریال کے لحاظ سے اس کی قیمت بڑھ ہی گئی ہو۔ اگر اس نے ڈالر قرضے میں دیے تھے، قرضے کے وقت ایک ڈالر پانچ ریال کے مساوی تھا، پھر ڈالر کا ریٹ کم ہو کر تین ریال کے برابر ہوگیا تو اسے ڈالر ہی ادا کرنے ہوں گے۔

اہم بات یہ ہے کہ جو کسی سے قرضہ لیتا ہے، اس کے ذمے صرف وہی ثابت ہوتا ہے جو وہ لیتا ہے، لیکن اگر قرض دار کسی دوسری کرنسی میں قرض ادا کرنا چاہے اور وہ دونوں متفق ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ وہ اس دن کے ریٹ کے مطابق ہو اور جب وہ جدا ہوں تو ان دونوں کے درمیان کوئی چیز (تصفیہ طلب) نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں ہے کہ ہم بقیع کے مقام پر دیناروں میں اونٹ بیچتے اور ان کے بدلے درہم لے لیتے اور درہموں میں بیچتے اور ان کے بدلے دینار لے لیتے، ہم نے اس کے متعلق رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”کوئی حرج نہیں اگر اس دن کے ریٹ کے مطابق لو، جب تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہو اور تمھارے درمیان کوئی چیز ہو۔“[1]

خلاصہ یہ ہے کہ ڈالر بطور قرضہ لینے والے کے ذمے ڈالر ہی ثابت اور واجب الادا ہوتے ہیں، چاہے ان کی قیمت کم ہوجائے یا زیادہ۔

سائل کا یہ کہنا کہ کیا یہ سود ہے؟ یعنی اگر اس کی قیمت زیادہ ہوجائے تو؟

[1] ضعیف. سنن أبي داود، رقم الحديث [3354]

میرا جواب یہ ہے کہ یہ سود نہیں کیونکہ تجھ کو وہی دینا واجب ہے جو تم نے لیا تھا، چاہے اس کی قیمت زیادہ ہو جائے یا کم۔ (ابن عثیمین: نورعلی الدرب: 3/244)

177- میں نے ایک آدمی سے کچھ مال قرض لیا تھا، پھر وہ چلا گیا اور مجھے معلوم نہیں کہ اب وہ کہاں ہے؟

اگر تمھارے ذمے کسی کا کوئی قرض یا ادھار ہے اور تجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا ہے، تم اس کی جگہ کا پتا معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور اس کو قرض لوٹانے سے مایوس ہو چکے ہو تو اس کی طرف سے ثواب کی نیت کرتے ہوئے صدقہ کر دو، اگر وہ آجائے تو اس کو بتا دو، اگر وہ صدقہ جاری رکھے تو ٹھیک ہے، وگرنہ اس کا قرض اس کو ادا کر دو اور تمھارے لیے صدقے کا اجر ہوگا۔

(اللجنة الدائمة: 16513)

178- کمیٹی کا حکم

اس میں کوئی حرج نہیں، یہ ایسا قرض ہے جس میں کسی کے لیے زائد نفع لینے کی شرط نہیں ہوتی، کبار علماءِ کرام کی مجلس میں اس پر بحث ہوئی اور اکثریت نے اس کے جائز ہونے کا فیصلہ دیا کیونکہ اس میں سب کے لیے فائدہ ہے، کوئی نقصان نہیں۔ واللہ ولي التوفیق (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 308/19)

179- ایسی کرنسی میں قرض ادا کرنا جو بدل چکی ہو

فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے کہ حاکم اگر کسی سکے کا لین دین منع کر دے اور قرض دار اس کو وہ سِکّے واپس کرے تو قرض خواہ کے لیے انھیں قبول کرنا

لازمی نہیں ہوتا کیونکہ یہ سکہ عیب ناک کرنسی کے مانند ہو چکا ہے، لہٰذا قرض دینے والا اپنے قرض کی قیمت کے مطابق دوسرے غیر تبدیل شدہ سکوں میں اپنا قرض وصول کرے گا، اگر وہ سونے کے سکے ہوں تو قرض کے وقت کی قیمت کے برابر قیمت ادا کرے گا۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن عقیل: فتاویٰ: 280)

180- جو فوت ہو گیا اور اس کے قرض کی خبر نہیں

اگر میت پر قرض ہو اور اس نے اپنی وفات سے قبل اس کی خبر نہ دی ہو تو جب شرعی شہادت کے ساتھ وہ ثابت ہو جائے تو ورثا کے ذمے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی وصیت نافذ کرنے اور ورثا میں مال تقسیم کرنے سے پہلے اس کے ترکے سے اسے ادا کریں، اگر ورثا اور قرض کے دعویداروں کے درمیان تنازع ہو جائے تو پھر عدالت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 305/19)

181- ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے اور تنگدستی کی وجہ سے اپنا قرض نہیں اتار سکتا، کیا وہ گناہگار ہوگا؟

یہ اس کے قرض لینے پر منحصر ہے، اگر اس نے لوگوں سے مال واپس کرنے کی نیت سے لیا تھا تو وہ گناہگار نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دیں گے لیکن اگر اس نے لوگوں کا مال ضائع کرنے کی نیت سے قرض لیا تھا تو رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"جس نے لوگوں کا مال لیا اور وہ انھیں ادا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا کر دے گا، اور جس نے اسے تلف

کرنے کی نیت سے لیا، اللہ تعالیٰ اسے تلف کر دے گا۔"[1]

اس لیے جب انسان کسی سے قرض لے تو واپس کرنے کی نیت رکھے، جب اللہ تعالیٰ اس کو آسانی مہیا کرے تو وہ اپنا قرض اتار دے حتی کہ اگر انسان کسی سے کوئی چیز ادھار لیتا ہے اور وہ ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسے ادا کرنے کی کوئی راہ نکال دیتے ہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 16/244)

182- تاجر اور مقروض کو نصیحت

انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ میانہ روی اختیار کرے، قرض لینے سے بچے اور اس پر خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے محفوظ رکھے، اگر قرض لینے کی ضرورت پیش آجائے تو ادا کرنے کی نیت رکھے اور ادا کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

"جس نے لوگوں کا مال لیا اور وہ ادا کرنے کی نیت رکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ادا کر دے گا، اور جس نے وہ مال تلف کرنے کی نیت سے لیا تو اللہ تعالیٰ اسے تلف کر دے گا۔"

لہٰذا اچھی نیت رکھے، ضرورت کے بغیر قرض نہ لے اور بہ کثرت قرض نہ لے کیونکہ جب بوجھ زیادہ ہو جائے تو انسان کبھی اسے ادا کرنے سے عاجز بھی آجاتا ہے، اس لیے اپنے تمام معاملات: کھانے پینے اور پہننے میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے تاکہ انسان کو بہت زیادہ قرض کی ضرورت پیش نہ آئے، جب

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2387]

قرض لینا ضروری ہو جائے تو اچھی نیت کے ساتھ قرض ادا کرنے کے اسباب ڈھونڈنے چاہییں، جب فروانی آ جائے تو فوراً قرض ادا کر دینا چاہیے اور سستی سے کام نہیں لینا چاہیے، یعنی آدمی کی اچھی نیت ہونی چاہیے کہ وہ قرض اتارنے کے لیے محنت سے کام کر رہا ہے۔(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 289/19)

مزارعت اور مساقات

183- مزارعت کا مفہوم

مزارعت (بٹائی) کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی زمین کسی کو اس شرط پر کھیتی باڑی کے لیے دے اور بٹائی پر لینے والا اس میں کوئی فصل اگائے کہ اس کی پیدوار ان دونوں کے درمیان نصف، نصف، ایک تہائی، ایک چوتھائی یا جو نسبت بھی وہ طے کرلیں، اس کے مطابق تقسیم ہوگی، لیکن یہ ضروری ہے کہ حصہ مشترک اور معلوم ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ اس کی نصف پیداوار پر، وہ غلہ ہو کہ پھل، معاملہ طے کرلیا۔[1] (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/246)

184- مساقات کا معنی

مساقات کا معنی ہوتا ہے کہ کوئی آدمی اپنی کھجوروں کے درخت کسی کو دے، وہ انھیں پانی لگانے اور دیگر متعلقہ کام سرانجام دینے کی ذمے داری لے اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی، یعنی کھجوروں کے مالک اور عامل کے درمیان، وہ نصف بھی ہوسکتی ہے اور تیسرا حصہ بھی، ایک تہائی عامل کا ہو دو تہائی مالک کا، جس پر بھی ان کا اتفاق ہو۔ جب یہ کھجوروں کا مالک مشترک اور معلوم

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3408] سنن الترمذي، رقم الحديث [1383]

حصے کے ساتھ اس کسان کو کام کرنے کے لیے اپنی کھجوروں کے درخت دیتا ہے تو اسے مساقات کہتے ہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/246)

185- مساقات و مزارعت کا حکم اور ان حکمت

مساقات اور مزارعت معاملات کی دو اقسام ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بندوں کے لیے حلال قرار دیا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ معاملات میں، عبادات کے عکس، اصل اباحت اور حلت ہوتی ہے، الا یہ کہ کسی کی حرمت پر دلیل قائم ہو جائے، جبکہ عبادات میں اصل منع اور تحریم ہوتی ہے، مگر یہ کہ کسی کی مشروعیت پر کوئی دلیل قائم ہو۔

معاملات میں اباحت اور حلت کا اصل ہونا ماسوائے یہ کہ کسی کی حرمت پر کوئی دلیل دلالت کرے، ایسا قاعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی بندوں پر رحمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ لوگوں کو متعدد معاملات درپیش ہوتے ہیں، بلکہ ناقابل شمار اشیا وقوع پذیر ہوتی ہیں، اگر یہ اشیا لوگوں کے لیے محصور اور شمار کر دی جاتیں تو بندوں کے لیے ان میں تنگی پیدا ہو جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے ساتھ معاملات حلال کر دیے، ماسوائے ان کے جن کی حرمت پر کوئی دلیل دلالت کرے، یہ مساقات اور مزارعت بھی انھی حلال معاملات میں سے ہیں، مساقات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہوتا ہے، جبکہ مزارعت کا تعلق زمین کے ساتھ۔

مثال کے طور پر ایک آدمی کے پاس باغ ہے جس میں کھجور، انگور، انجیر اور کنو وغیرہ کے درخت ہیں، وہ یہ درخت ایک معلوم اور مشترک حصے پر کسی کو بٹائی پر دے دیتا ہے، وہ شخص ان درختوں کو پانی دیتا ہے، ان کی اصلاح کرتا ہے، اس سلسلے میں مشقت اٹھاتا ہے۔ درختوں کا مالک اس آدمی سے کہتا ہے:

یہ کھجور کا درخت لو، اس کی اصلاح اور کانٹ چھانٹ کرو، آدھا یا چوتھا حصہ پھل تمھارا ہوا گا، مالک کے لیے یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ کھجور یا باغ لے، اس کی نگرانی کر، سوکلو پھل تمھارا ہوگا لیکن یہ مشرقی جانب کے درختوں کا پھل میرا ہوگا اور مغربی جانب کے درختوں کا پھل تمھارا، یا اس جیسی کوئی بات کہے، کیونکہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ جو درخت اور کھیت نالوں کے کناروں اور پانی کی گزر گاہوں کے قریب ہوتے، انھیں اجرت پر دے دیتے، یہ ہلاک ہوجاتا وہ بچ جاتا۔ وہ ہلاک ہوجاتا یہ بچ جاتا، لوگوں کے ہاں زمین اجرت پر دینے کی یہی صورت ہوتی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا دیا، لیکن جو چیز معلوم اور ضمانت شدہ ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔[1]

معلوم اور ضمانت شدہ چیز مشترک حصہ ہوتا ہے کیونکہ اگر آپ عامل کے لیے ایک غیر مشترک چیز محدود اور متعین کر دیتے ہیں تو یہ بہت بڑے دھوکے کا باعث ہوسکتا ہے، کیونکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو مقدار آپ نے عامل کے لیے مخصوص کی ہے، صرف اسی قدر پھل پیدا ہو، جبکہ وہ آپ نے عامل کے لیے مخصوص کر دیا ہے، لہٰذا آپ فائدے کے بغیر ہی رہ جائیں گے، لیکن ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ پھل زیادہ ہوجائے۔ عامل یہ سمجھتا رہا کہ اس نے جو اپنے لیے حصے کی شرط لگائی تھی، وہ مثال کے طور پر دسویں حصے یا آدھے کے برابر ہے، لیکن جب پیداوار زیادہ ہوگئی تو جو اندازہ اس نے لگایا تھا وہ اس سے کم کے بھی برابر نہ رہا، لہٰذا اس میں جہالت پائی جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ کسی معلوم جگہ کے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3392]

درختوں پر مساقات کرتا ہے، مثلاً کہے کہ مشرقی درخت میرے اور مغربی تیرے، تو اس میں بھی اس بات کا امکان رہتا ہے کہ مشرقی درخت جو عامل کے لیے مشروط تھے، ان کا پھل تباہ ہوجائے اور وہ بغیر فائدے کے رہے، ایسا بھی ہوسکتا ہے مغربی درخت جو مالک کے لیے مشروط ہوں تباہ ہوجائیں اور اس کو نقصان پہنچ جائے، اس لیے مساقات معلوم اور مشترک حصے ہی پر جائز ہے، جیسے آدھا حصہ، تیسرا حصہ، چوتھا حصہ وغیرہ۔

کیا مالک کے لیے جائز ہے کہ وہ سالانہ متعین اجرت (ٹھیکے) پر کھجور کا درخت دے دے اور پھل سارے کا سارا عامل کا ہو، مثلاً وہ کہے:

دس سال کے لیے یہ کھجور کے درخت لے لو، ان کا پھل تمھارا ہوگا اور تم ہمیں سالانہ ایک لاکھ یا اس سے کم یا زیادہ دے دینا۔

جمہور علما اس کے جواز کے قائل نہیں کیونکہ اس میں دھوکے کا احتمال ہے، کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کبھی پھل زیادہ ہو اور کبھی کم، اور کبھی بالکل ہی نہ ہو، کیونکہ پھل آفتوں کا شکار ہوکر خراب یا برباد ہوسکتا ہے۔

لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: جس طرح ایک متعین اجرت پر زمین دینا جائز ہے اور کھیتی تمام کی تمام مزارع کی ہوتی ہے، اسی طرح کھجور کے درخت بھی متعین اجرت پر دینے جائز ہیں، انھوں نے حضرت عمر فاروق سے مروی ایک اثر سے دلیل لی ہے، جس میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر کے ذمے قرض تھا، جسے ادا کرنے کے لیے حضرت عمر نے ان کے باغ کی ضمانت دی۔

شیخ الاسلام نے جو فرمایا ہے میرے نزدیک وہی درست ہے، کیونکہ کھیتی

باڑی کے لیے زمین کرائے پر دینے اور پھل اگانے کے لیے زمین کرائے پر دینے میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ اس بنیاد پر مساقات کی دو صورتیں ہیں:

1. پہلی صورت: کسان کو پھل میں ایک معلوم، جیسے آدھا، تیسرا، چوتھا اور مشترک حصے پر کھجور کے درخت دینا کہ وہ ان کی دیکھ بھال کرے۔
2. دوسری صورت کہ کرائے پر دینا یعنی ٹھیکے پر دینا، مثلاً مالک کہے: دس سال کے لیے یہ کھجوریں لے لو، پھل تمھارا ہوگا اور مجھے ہر سال دس ہزار روپے یا ایک لاکھ روپے (یا جو وہ طے کرلیں) دے دینا۔

مزارعت کھیتی پر ہوتی ہے، درخت پر نہیں، اس میں یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی زمین کسی کو پیداوار میں معلوم اور متعین، جیسے آدھا، چوتھا وغیرہ اور مشترک حصے پر دیتا ہے، مزارع کھیتی باڑی کرتا ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان اس حصے کے مطابق تقسیم ہوجاتی ہے جس پر وہ متفق ہوتے ہیں، لیکن اس میں بھی وہ حصہ معلوم و متعین اور مشترک ہونا چاہیے، اگر کہے: سو صاع پیداوار تمھاری ہے اور باقی میری، تو یہ درست نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے فصل صرف سو صاع ہی ہو، اسی طرح عامل نقصان اٹھائے گا۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ فصل چند صاع ہو، جو مالک کے گمان میں بھی نہیں تھی تو اس کو خسارہ اٹھانا پڑ جائے گا۔

یہ جُوئے کے مشابہ ہے، اس لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر کہے: تمھارے لیے مغربی کھیت کی فصل ہوگی اور مشرقی کھیت کی فصل میری ہے، تو یہ بھی درست نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جانب جو کسی ایک کی تھی تباہ ہوجائے اور اس کو نقصان ہوجائے۔

مزارعت بھی مساقات کی طرح دو صورتوں پر ہے، ایک یہ ہے کہ پیدوار میں سے ایک معلوم و متعین اور مشترک حصے پر کسی کو زمین کھیتی باڑی کے لیے دینا

اور دوسری صورت ٹھیکے پر دینے کی ہے، مثلاً کہے: دس سال کے لیے زمین ٹھیکے پر لے لو، ہر سال مجھے اتنے پیسے دے دینا لیکن اس کی پیداوار سے نہیں۔

اس میں کوئی حرج نہیں، اسے اگرچہ اجارہ (کرائے پر دینا) کہا جاتا ہے لیکن یہ بھی مزارعت ہی کی ایک قسم ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 11/246)

186- زرعی زمین کرائے پر دینے کا شرعی حکم

زرعی زمین پیداوار سے ایک معلوم ومتعین (آدھا، تیسرا، چوتھا وغیرہ) اور مشترک حصے پر کرائے پر دینا جائز ہے، اگر وہ اس میں کوئی فصل بوتا ہے تو اس کے غلے سے کرایہ نکالے گا اور اگر وہ کسی شرعی عذر کے بغیر اس میں کوئی فصل نہیں بوتا، تو پیداوار کی اوسط شرح دیکھی جائے گی۔

اور وہ حصہ جو متعین ہو، ادا کرنا واجب ہوگا، اور دیکھا جائے گا کہ اعلیٰ معیار غلہ کی قیمت اگر پانچ ہزار ہے، درمیانے درجے کی قیمت چار ہزار اور ہلکے درجے کی قیمت تین ہزار تو زمین کے مالک کو، جو حصہ متعین تھا چار ہزار کے حساب سے جو اوسط شرح ہے، ادا کیا جائے گا۔

اسی طرح ایک مقرر رقم کے بدلے بھی زرعی زمین کرائے پر دینا جائز ہے، کرائے پر لینے والا وہ رقم ادا کرے گا، چاہے اس میں کوئی فصل اگائے یا نہ اگائے۔ (اللجنة الدائمة: 2158)

187- زرعی زمین ٹھیکے پر دینا

مقررہ مدت اور متعین اجرت پر درہموں کے بدلے زرعی زمین ٹھیکے پر دینا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے رسول

اللہ ﷺ سے کہا کہ وہ انھیں اس شرط پر خیبر میں رہنے دیں کہ وہ اس کی زمین پر کام کریں گے اور اس کی نصف پیداوار، وہ غلہ ہو یا پھل، رسول اللہ ﷺ کے لیے ہوگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم جب تک چاہیں گے، تمھیں اس پر رکھیں گے۔''[1]

(اللجنة الدائمة: 9129)

188- کفار کے ساتھ مزارعت کا حکم

مزارعت کا جہاں تک تعلق ہے اگر اس میں کافر بطور عامل شریک ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اہل خیبر کو اس شرط پر عامل بنایا کہ جو اس کی پیداوار ہوگی، وہ غلہ ہو یا پھل، آدھی مسلمانوں کی ہوگی۔[2] اگر کوئی آدمی کسی کافر کو اس شرط پر کھیتی کاشت کرنے یا درخت لگانے کے لیے دیتا ہے کہ اس کی پیداوار سے کچھ اس کو بھی دے دے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 5/246)

189- مساقات یا مزارعت کی پیداوار میں ایک متعین جز کی شرط لگانا

مساقات یا مزارعت میں کسی ایک فریق کے لیے بھی درست نہیں کہ وہ ایسے حصے کی شرط لگائے جس کی مقدار متعین ہو یا جگہ مخصوص ہو۔ یعنی یہ کہنا درست نہیں کہ میں تجھے مساقات کے لیے اپنی کھجوریں دیتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پھل میں سے ایک ٹن میرا ہوگا، باقی تمھارا، یا مزارعت میں

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [3152]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3408] سنن الترمذي، رقم الحديث [1383]

اس طرح کہے: اس زمین کے بائیں جانب والے کھیت میرے ہوں گے اور دائیں جانب والے تیرے، یا یہ کہے: جَو کے کھیت تمھارے اور گندم کے کھیت میرے، یا مساقات میں کہے: سکری کھجور کا پھل تمھارا، اور برحی کھجور کا پھل میرا، یا اس طرح کی کوئی بھی بات کرے، یہ تمام شرائط ناجائز ہیں، کیونکہ حصے کا دونوں فریقوں کے لیے معلوم اور مشترک ہونا ضروری ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/246)

غیر آباد زمین آباد کرنا

190- غیر آباد زمینوں کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے غیر آباد زمینوں کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جو کوئی غیر آباد زمین آباد کرے وہ اسی کی ہوگی۔''[1]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ایسی زمین آباد کی جو کسی کی نہیں تھی تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہوگا۔''[2]

آپ کے مُلک اور دیگر ممالک کے حکمرانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں پر اسلام کے مطابق حکمرانی کریں اور رعایا کو شرعی حدود پائمال کرنے سے روکیں، اگر وہاں غیر آباد زمینیں ہوں تو حکمران طبقے کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ لوگوں کو انھیں آباد کرنے پر اکسائیں، ان کی صلاحیتوں اور خواہشات کے مطابق عدل کے ساتھ وہ زمین ان میں تقسیم کریں، جو غیر آباد زمین پر قبضہ کرے اور اسے آباد نہ کرے، اس کو متنبہ کرنا چاہیے اور اس کے لیے ایک مناسب مدت مقرر کر دینی چاہیے، اگر وہ اس مدت کے دوران میں اسے آباد کرے تو ٹھیک ہے وگرنہ وہ زمین اس سے واپس لے کر ایسے شخص کو دے دینی چاہیے جو اسے

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث [3073]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [2335]

آباد کرنے کی خواہش اور طاقت رکھتا ہو، لیکن جو مملوکہ زمین ہے اسے حکومت چھین سکتی ہے نہ کوئی اور، ہاں اگر اس زمین کے مالک راضی ہوں یا شرعی عقود (بیع، کرائے پر دینا، ادھار دینا، مزارعت پر دینا وغیرہ) کے ذریعے وہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، کیونکہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾

[النساء: 30,29]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضا مندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔ اور جو زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اسے آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ پر ہمیشہ سے بہت آسان ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا﴾ [الفرقان: 19]

''اور تم میں سے جو ظلم کرے گا ہم اسے بہت بڑا عذاب چکھائیں گے۔''

اور اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! میں نے اپنی ذات پر ظلم کرنا حرام قرار دے دیا ہے، اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام کر

دیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔" [1]

آپ ﷺ سے مروی ہے کہ قربانی کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"تمھارے خون، اموال اور عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمھارے اس (حرمت والے) شہر میں اس مہینے کی اور اس دن کی حرمت ہے۔" [2]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

"ہر ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور عزت حرام ہے۔" [3]

نیز آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

"جس نے ظلم کرتے ہوئے کسی سے ایک بالشت زمین بھی ہتھیالی، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی گردن میں سات زمینوں کا طوق بنا کر ڈال دے گا۔" [4]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کرتا ہے۔ اللہ اس پر لعنت کرے جو اپنے والدین پر لعنت بھیجتا ہے۔ اللہ اس پر لعنت کرے جو کسی بدعتی کو ٹھکانہ مہیا کرتا ہے۔ اللہ اس پر لعنت کرے جو زمین کے منار تبدیل کرتا ہے۔" [5]

"زمین کے مناروں" کی تشریح میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس سے

---

1. صحيح مسلم [2577/55]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [67] صحيح مسلم [1679/29]
3. صحيح مسلم [2564/32]
4. صحيح البخاري، رقم الحديث [2453] صحيح مسلم [1612/142]
5. صحيح مسلم [1978/43]

مراد زمین کی حدود اور متعین نشانات ہیں۔ اگر کوئی شخص محض زمین کی حدود اور نشانات تبدیل کرنے پر لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے، تو اس کے اس عمل کی وجہ سے فتنے جھگڑے اور ہمسائیوں پر ظلم کرنے کا پہلو نکل سکتا ہے، لیکن جو کسی شرعی معاملے کے بغیر کسی کی زمین پر قبضہ کر کے کسی دوسرے کو دے دے تو اس کا جرم کس قدر عظیم ہوگا؟! (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 423/19)

شراکت [1]

191- مضاربت [2] میں شراکت

مضاربت میں شراکت کا معنی ہے کسی شخص کو نفع کے مشترک اور معلوم حصے میں (جیسے: چوتھا حصہ وغیرہ) شریک بنا کر تجارت کے لیے متعین مال دینا، ایک کی طرف سے مال دیا جاتا ہے اور دوسرے کے ذمے کام کرنا ہوتا ہے اور اس کام کے بدلے میں نفع کا ایک متعین حصہ اس کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔

اگر عامل کے لیے نفع سے متعین حصہ مقرر نہ کیا جائے تو اس کے لیے اس کام کے بدلے میں جو اس کے مساوی اجرت ہو، صرف وہی ہوگی اور سارا منافع مالک کا ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 7337)

---

[1] شراکت یہ ہے کہ دو یا دو سے زائد افراد کسی کاروبار میں متعین سرمایوں کے ساتھ اس معاہدے کے تحت شریک ہوں کہ سب مل کر کاروبار کریں گے اور کاروبار کے نفع اور نقصان میں متعین نسبتوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔

[2] مضاربت میں ایک شریک صرف سرمایہ فراہم کرتا ہے اور دوسرا فریق صرف کاروباری جدوجہد کرتا ہے، سرمایہ نہیں لگاتا، کاروبار میں ہونے والے نفع میں دونوں فریق طے شدہ نسبتوں کے مطابق حصے دار ہوں گے لیکن نقصان ہونے کی صورت میں نقصان اصل سرمائے سے پورا کیا جائے گا جبکہ عامل کی محنت ضائع ہوگی۔

192- مضاربت پر مال دینے کی شرطیں

مضاربت پر مال دینے کی یہ شرطیں ہیں:

سرمایہ معلوم ہو، وہ ٹکسالی نقدی ہو، یعنی درہم و دینار کی شکل میں ہو یا کاغذی کرنسی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ کوئی سامان ہو، تو سامان کی قیمتیں مختلف ہوتی ہیں، ایسے بھی ہوسکتا ہے کہ معاہدے کے وقت اس کی قیمت ایک ہزار ہو اور حساب صاف کرتے وقت اس کی قیمت دو ہزار ہوجائے یا پانچ صد! اس لیے فقہائے کرام نے اس بات سے منع کیا ہے کہ سرمایہ نقدی کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہو، ان کے کلام کی بنیاد پر اگر آپ کسی شخص کو گاڑیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مضاربت پر کام کرنے کے لیے ہیں تو یہ درست نہیں کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ معاہدے کے وقت گاڑیوں کی قیمت ایک لاکھ ہو اور حساب بے باک کرتے وقت دو لاکھ ہوجائے!

کچھ علما کا کہنا ہے کہ مضاربت میں سرمایہ نقدی کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ معاہدے کے وقت اس کی قیمت کا اندازہ لگا لیا جائے تاکہ جب مضاربت مکمل ہوجائے تو نفع و نقصان معلوم کرلیا جائے، یہی قول راجح ہے اور اسی پر اب عمل ہوتا ہے، لوگ مضاربت کے لیے زمین، گاڑیاں وغیرہ دیتے ہیں، لیکن معاہدے کے وقت ان کی قیمت کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عامل کا حصہ نفع کا مشترکہ جز ہو۔ یعنی عامل کو جب ایک لاکھ تجارت کے لیے دیں تو نفع سے اس کا تیسرا حصہ، چوتھا حصہ، آدھا حصہ یا جو نسبتیں آپ طے کریں، مقرر ہونا چاہیے، اگر آپ نے اس کے لیے کوئی متعین چیز مقرر کی، جیسے آپ نے اس سے کہا: اس مال سے تجارت کریں

اور آپ کو ایک سو روپیہ دیا جائے گا، تو یہ درست نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ ایک سو سے کہیں زیادہ نفع حاصل کرے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا حصہ مشترکہ جزو ہو اور معلوم و متعین بھی ہو، یہ کہنا درست نہیں کہ اس مال سے تجارت کر اور اس کے منافع سے کچھ تجھے بھی دے دیا جائے گا، بلکہ یہ کہنا ضروری ہے کہ تمھارا آدھا حصہ ہوگا یا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ وغیرہ۔

اس بنا پر اگر آپ کہیں کہ اس مال کے ساتھ گاڑیوں، برتنوں اور کپڑوں کی تجارت کر، کپڑوں کا نفع تمھارا ہوگا اور گاڑیوں اور برتنوں کا نفع میرا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز میں نفع ہو تو دوسری میں نہ ہو، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مزارعت میں اس سے منع کیا ہے کہ مزارعت کرنے والا عامل سے کہے کہ مشرقی کھیت میرے، مغربی تیرے، یا جو کی فصل تمھاری اور گندم کی میری وغیرہ، یہ بھی مضاربت کی شرط ہے۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 6/165)

193- مضاربت میں نفع اور نقصان کا مسئلہ

مضاربت میں اگر خصوصاً مال میں خسارہ ہو جائے تو سامان کی تجارت کرنے والا عامل اسے برداشت نہیں کرے گا، اگر اس میں اس کی کوتاہی یا دست درازی شامل نہ ہو، کیونکہ خسارے کا مطلب ہے سرمائے میں نقصان جو اس کے مالک کا ہے، لہٰذا خسارہ سرمائے کا مالک برداشت کرے گا اور اس خسارے کا حساب و شمار صرف اس کے مال سے کیا جائے گا، (جبکہ عامل کی محنت ضائع ہوگی) ان دونوں کا اشتراک مال کی پیداوار میں ہے، لہٰذا وہ دونوں حسبِ اتفاق اس شرط کے ساتھ نفع میں شریک ہوں گے کہ وہ نفع کا ایک معلوم اور مشترک حصہ ہو، جیسے آدھا، تیسرا وغیرہ۔ (اللجنة الدائمة: 19912)

194- مضاربت کا ایک مسئلہ

سوال کیا کسی شخص کو اس لیے رقم دینا جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ کاروبار کرے اور منافع ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا یا کسی بھی نسبت کے ساتھ ہو؟

جواب جس معاملے کے متعلق سائل نے سوال کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو معلوم تعداد میں روپے دیتا ہے اور کہتا ہے: ان روپوں کے ساتھ کوئی کاروبار کر، جو منافع ہوگا وہ ہم دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوگا یا میرا چوتھا حصہ اور تمھارے تین حصے ہوں گے یا میرے تین حصے اور تمھارا چوتھا حصہ ہوگا، جس نسبت پر وہ دونوں متفق ہوجائیں۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معاملے میں کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہے۔ بعض علما نے اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے۔ اسے مضاربت کہا جاتا ہے، جو اس فرمانِ خداوندی سے ماخوذ ہے:

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾

[المزمل: 20]

"اور کچھ دوسرے زمین میں سفر کریں گے، اللہ کا فضل تلاش کریں گے۔"

اس میں دونوں فریقوں کا مفاد اور مصلحت ہے، مال کا مالک اپنا مال کام میں لگا کر اس کے منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے اور عامل ان روپوں کے منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اسے یہ آدمی مہیا نہ کرتا تو شائد وہ یہ فائدہ کہیں نہ پاتا۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ عقد بہر صورت قمار بازی اور جُوے سے خالی ہونا چاہیے، یعنی غرم و غنم (چٹی اور فائدہ) سرمایہ کار اور عامل کے درمیان برابر برابر ہو، جو عامل کا مشروط اور مقرر حصہ ہو وہ معلوم اور مشترک جزو ہو، جیسے: آدھا، چوتھا حصہ، تیسرا حصہ، آٹھواں حصہ، دسواں حصہ وغیرہ۔

بنا بریں اگر کوئی کہے: یہ روپے لو اور ان سے تجارت کرو، پہلے مہینے کا منافع تیرا اور دوسرے مہینے کا منافع میرا، تو یہ جائز نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے، پہلے مہینے منافع زیادہ ہو اور دوسرے مہینے کم یا اس کے عکس۔ اسی طرح اگر کہے: ان روپوں سے تجارت کر، مکہ میں ان سے حاصل ہونے والا منافع میرا اور مدینہ میں حاصل ہونے والا منافع تیرا یا اس کے عکس، تو یہ بھی جائز نہیں، یا یہ کہے:

ان روپوں سے کاروبار کر گاڑیوں کا منافع میرا، کپڑے کا تیرا، تو یہ بھی جائز نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ گاڑیوں کا منافع زیادہ ہو اور کپڑوں کا کم یا اس کے عکس۔ اسی طرح اگر کہے: ان پھلوں سے کاروبار کر، ان کے منافع سے ہزار روپیہ میرا اور باقی تیرا، یا اس کے عکس ہو تو یہ بھی جائز نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے، اسے صرف ہزار ہی منافع ہو جو ایک کو ملے اور دوسرے کے حصے کچھ بھی نہ آئے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ ان روپوں سے کاروبار کر جو اس کا منافع ہو وہ آدھا تیرا اور آدھا میرا اور جو خسارہ ہو وہ بھی آدھا تجھ پر اور آدھا مجھ پر، یہ جائز نہیں کیونکہ عامل کے ذمے کسی خسارے کی شرط جائز نہیں، خسارہ تمام کا تمام سرمایہ کار کو برداشت کرنا ہوگا۔

لہٰذا ان امور کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے، جو اس معاملے کو خراب کر سکتے ہیں، اگر اس کے صحیح ہونے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7/279)

195- مسلمان اور کافر کے درمیان معاہدۂ شراکت

غیر مسلم کو شریک نہیں بنانا چاہیے کیونکہ اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اگرچہ اس کی امانتداری پر اعتبار کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے کام پر نہیں کیونکہ وہ

دانستہ یا نادانستہ ایسے معاملات طے کر سکتا ہے جو اسلام میں حرام ہوں، اور کہہ سکتا ہے کہ وہ شرعی احکام کا پابند نہیں، پھر غیر مسلم کو شریک بنانا معاشرتی تقاضے کے مطابق یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی طرف جھکاؤ رکھا جائے، اس کے ساتھ الفت اور محبت رکھی جائے، یہ ایسا معاملہ ہے جو انسان کے دین میں نقص پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا انسان کو کسی غیر مسلم کو اپنی تجارت میں شریک نہیں بنانا چاہیے، جہاں تک حرام ہونے کا تعلق ہے، یہ حرام نہیں کیونکہ اس کا کسی دینی مسئلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 11/239)

196- بنکنگ اور مالیاتی اداروں میں شراکت کرنا

ایسے بنکنگ (صرفی) اداروں میں شراکت کرنا، جو کسی بھی قسم کا سودی لین دین نہ کرتے ہوں، ان میں شراکت کرنا اور مال رکھوانا جائز ہے، اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ انسان ان اداروں کو، جو مال اس نے ان میں رکھوایا ہوا ہو، اس سے غیر سودی معاملات اور دیگر حلال کاروباروں میں نفع اور نقصان کی بنیاد پر اور شرعی شرطوں کا اعتبا کرتے ہوئے سرمایہ کاری کرنے کی اجازت دے۔ (اللجنة الدائمة: 3328)

197- تجارتی کمپنیوں میں شراکت کا حکم

معاملات میں اصل، حلال اور جائز ہونا ہے اور ان میں اس وقت تک کوئی چیز حرام نہیں ہوتی جب تک اس کے حرام ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہ ہو، یعنی کسی قسم کا فراڈ دھوکا دہی کی کوئی شکل یا سود یا پھر ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کی کوئی راہ ہو۔

کسی بھی تجارتی کمپنی میں شراکت کے جائز یا ناجائز ہونے کا تعلق اس کے نظام کی پہچان اور اس کے طریقۂ تعامل اور برتاؤ پر ہے، اگر اس کے لین دین میں کوئی ایسی چیز ہو جو شرعاً حرام ہو تو اس میں شراکت بھی حرام ہوگی اور اگر اس کے تعامل میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو شرعاً حرام ہو تو پھر اس میں شراکت کرنا جائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 16766)

198- تجارتی حصص (شیئرز) خریدنے کا حکم

جب ہم حصص خریدنا چاہیں تو سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جس چیز میں شراکت کرنے کا ارادہ ہے وہ کیا ہے؟ اگر وہ (سودی) بنک کی طرح کا کوئی حرام ادارہ ہو تو اس میں شراکت کرنا مطلقاً حرام ہے اور کسی کے لیے بھی ایسے ادارے یا کمپنی میں حصہ ڈالنا جائز نہیں، اس کے علاوہ جو شراکتی کاروبار یا کمپنیاں ہیں، ان میں اصل تو حلال ہونا ہی ہے، یہاں تک کہ کوئی ایسی دلیل ہو جو اس شراکت کے حرام ہونے پر دلالت کرے، حرام شراکت کی ایک صورت یہ ہے کہ کمپنی سودی معاملات کرے، اگرچہ وہ بنیادی طور پر سودی کمپنی نہ ہو، مثلاً بنکوں میں اپنا مال رکھوائے اور اس پر سود لے، یا بنک سے قرض لے اور اس پر سود ادا کرے، یہاں یہ کمپنی سود کھانے اور کھلانے والی ہوگی اور نبی ﷺ نے سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔

جب ہمیں علم ہو جائے کہ یہ کمپنی ایسا کام کرتی ہے اور اس سے بچ نہیں سکتی تو پھر اس میں شراکت جائز نہیں۔

لیکن اگر آپ نے کسی کمپنی کے شیئرز خریدے پھر بعد میں آپ کو علم ہوا کہ یہ کمپنی بنکوں کے ساتھ وہ معاملات کرتی ہے جن کا ابھی میں نے ذکر کیا

ہے، جب آپ کو منافع ملے اور سودی نسبت کی مقدار بھی معلوم ہو تو اس مقدار سے جان چھڑاتے ہوئے اسے نکال دیں اور اگر اس مقدار کا علم نہ ہو تو احتیاطاً آدھا منافع صدقہ کر دیں تاکہ آپ کے ذمے کوئی بوجھ رہے نہ کوئی فائدہ۔

حصص خریدنے کے اس قاعدے کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. بنکوں میں شراکت اور حصے داری بغیر کسی تفصیل کے حرام ہے۔
2. اس کے علاوہ دیگر کمپنیوں، اداروں وغیرہ میں حصص کا کاروبار کرنا اصل کے اعتبار سے حلال ہے، اِلا یہ کہ آپ کو علم ہو کہ وہ کمپنی بنکوں کے ساتھ سودی معاملات کرتی ہے۔ پھر اس میں اشتراک جائز نہیں، اگر آپ اس میں پھنس جائیں تو جو نفع آپ کو ملے، اس سے سود کی مقدار نکال دیں، اگر اس نسبت کا علم نہ ہو تو آدھا منافع نکال دیں۔

اگر کوئی انسان حصص کی قیمتیں بڑھنے کا انتظار کرنے کی خاطر تخصیص سے پہلے حصص خرید لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 39/2)

اِجارہ (اجرت اور کرائے پر دینا)

199- کرائے پر لینے والے کا کرائے پر دینا

جو شخص کوئی چیز کرائے پر لیتا ہے وہ کسی دوسرے کو وہی چیز اسی کرائے کے برابر، اس سے زیادہ یا اس سے کم، کرائے پر دے سکتا ہے، لیکن صرف اتنی مدت کے لیے جس مدت کے لیے اس نے خود وہ چیز کرائے پر لی تھی، اس سے زیادہ مدت پر نہیں، کیونکہ اس میں نقصان ہے، یہ شخص چونکہ کرائے پر لی گئی چیز سے نفع اٹھانے کا مالک ہوتا ہے، لہٰذا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خود یا اس جیسا کوئی دوسرا شخص اس مدت میں اس چیز سے فائدہ اٹھائے، لیکن اگر اس چیز کا مالک کرائے پر دیتے ہوئے کرائے دار پر یہ شرط عائد کرے کہ وہ کسی دوسرے کو کرائے پر نہیں دے گا یا چند مخصوص پیشوں کے مالکان کو، جن کی وہ نشان دہی کر دے، کرائے پر نہیں دے گا، تو پھر وہ دونوں اپنی شرطوں کے پابند ہوں گے۔

(اللجنة الدائمة: 19702)

200- پگڑی لینا

سوال ایسے شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو دکان، مکان یا کوئی شوروم وغیرہ کرائے پر دیتے وقت طے شدہ کرائے کے علاوہ زائد رقم دیتا ہے یا لیتا ہے، اسے عرفِ عام میں خالی کرانے، یا دوسرے کو منتقل کرنے کی رقم (پگڑی) کہا جاتا ہے، کچھ لوگ اسے دوسرا کا مال ناجائز طریقے سے کھانے میں شمار کرتے

ہیں، آپ اس کے متعلق ہماری راہنمائی فرمائیں۔ یاد رہے بازاروں میں آج یہ ایک عام مسئلہ ہے، جگہ کی اہمیت اور لوگوں کی اس میں دلچسپی کے باعث یہ قیمت بھی مختلف ہوتی ہے۔

جواب جب کوئی انسان گھر، اپارٹمنٹ یا کوئی شوروم ایک مدت کے لیے کرائے پر لیتا ہے، ابھی اس کی مدت باقی ہو تو وہ اس باقی ماندہ مدت تک وہ جگہ اس کرائے پر یا اس سے کم یا زیادہ کرائے پر لیکن کسی دھوکے اور ناجائز منافع خوری کے بغیر کسی کو کرائے پر دے سکتا ہے۔ اگر اس کے کرائے کی مدت ختم ہو جائے تو پھر وہ مالک مکان یا دکان کی رضا مندی کے بغیر کسی کو کرائے پر نہیں دے سکتا۔

اگر اس نے ایسا کیا تو جتنا کرایہ بھی لیا، وہ کم ہو کہ زیادہ، حرام ہوگا، کیونکہ کرائے کی مدت ختم ہو جانے کے بعد گھر سے فائدہ اٹھانا اس کے مالک کا حق ہے، لہٰذا جو شخص بھی اس کی رضا مندی کے بغیر اس میں تصرف کرے گا وہ گویا اس کے حق پر دست درازی کرے گا۔

بنا بریں یہ ممنوع ہے اور اس کے ذریعے حاصل کی گئی کمائی حرام مال کھانا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5157)

201- قرآن کریم کی تعلیم دینے پر اجرت لینا

قرآن کریم پڑھا کر اجرت لینا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کی ایک عورت کے ساتھ اس کو قرآن کریم پڑھانے کے بدلے میں شادی کر دی اور یہ اس کا حق مہر تھا۔[1] ایک صحابی نے ایک کافر کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، اسے شفا مل گئی اور اس نے اس کی اجرت لی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2310] صحيح مسلم [1425/76]

"جس چیز کی تم اجرت لیتے ہو، اس میں سب سے زیادہ حق اللہ کی کتاب کا ہے۔"[1]

البتہ قرآن کریم کی تلاوت کی اجرت حاصل کرنا اور قراءت کر کے لوگوں سے پیسے مانگنا ممنوع ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3210)

202- قرآن کریم کی قراءت پر اجرت لینا

مسلمان کے لیے اجرت پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا، اسے پیشہ اور روزی کا ذریعہ بنانا جائز نہیں۔

ایسے ہی کھانے یا رقم کے بدلے میں ہزار مرتبہ تسبیح اور لا حول ولا قوۃ إلا باللہ وغیرہ پڑھنے کے لیے لوگ کا اکٹھ کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ہمارے اس (دین کے) معاملے میں کوئی چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔"[2] (اللجنة الدائمة: 6973)

203- مدارس میں تعلیم دینے پر اجرت لینا

سکولز، کالجز، مدارس اور جامعات میں طلبہ کو دینی تعلیم اور دیگر جائز علوم، جیسے ریاضیات، انجینئر نگ، خطاطی، فنی تعلیم وغیرہ پڑھا کر اجرت لینا جائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3859)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5737]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2697] صحيح مسلم [1718/17]

204- مؤذن کا اجرت لینے کا حکم

عثمان بن ابو العاص سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے یہ آخری عہد لیا کہ میں ایسے شخص کو مؤذن بناؤں جو اپنی اذان پر اجرت نہ لے۔''[1]

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مؤذن اذان کی اجرت نہ لے، اگر کوئی ایسا شخص نہ ملے جو رضا کارانہ طور پر اذان کہنے کے لیے تیار ہو تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ حاکم وقت بیت المال سے اس کی روزی لگا دے۔ امام احمد سے مروی ہے کہ وہ اسے جائز سمجھتے تھے، اور امام مالک نے بھی اس کی رخصت دی ہے کیونکہ یہ ایک معلوم کام ہے اور دیگر تمام کاموں کی طرح اس سے رزق کمانا جائز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 20388)

205- ٹیکنیشن وغیرہ کا اپنا نام کرائے پر دینا

سوال میں ایک لیڈی ڈاکٹر ہوں، کچھ عرصہ بطور سپیشلسٹ کام کرتی رہی ہوں، پھر میں نے اپنے بچوں کی پرورش کی خاطر استعفیٰ دے دیا، کچھ کلینکس کے مالکان نے مجھے یہ پیش کش کی کہ وہ میرا نام استعمال کرنے کے بدلے مجھے ایک متعین رقم دیں گے، لیکن اگر میں ٹیکنیکی معاملات میں دخل اندازی کرنا چاہوں تو مجھے اختیار ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جو رقم مجھے ملتی ہے وہ حرام ہے کہ حلال؟ خصوصاً میں باقاعدہ ٹیکنیکی نگرانی نہیں کر سکتی، اگر یہ حرام ہے تو حلال کا کیا طریقہ ہے۔ براہِ

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [209]

کرم! میری راہنمائی فرمائیں کہ زیادہ بہتر کونسی صورت ہے؟

جواب جو آپ نے ذکر کیا ہے، ایسا کرنا آپ کے لیے جائز نہیں کیونکہ اس میں لوگوں کو دھوکا دینے کا پہلو اور ناجائز مال کھانے کی صورت ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ خود کام کریں اور اپنے کام میں لوگوں کی خیر خواہی کریں اور اخلاص کے ساتھ کام کریں۔ (اللجنة الدائمة: 20405)

206- گانوں کی کیسٹیں اور آلاتِ لہو بیچنے والے کو دکان کرائے پر دینا

ایسے شخص کو دکان کرائے پر دینا جائز نہیں جو اسے حرام کاروبار، جیسے: آلات موسیقی، شراب یا سگریٹ فروشی وغیرہ میں استعمال کرے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں میں اعانت ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے:

''آپ ﷺ نے شراب پر، شراب نوش پر، شراب پلانے والے پر، نچوڑنے والے پر، اٹھانے والے پر، جس کے لیے لے جائی جائے، خریدنے والے، فروخت کرنے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر لعنت کی ہے۔''[1]

اس کی وجہ یہ ہے کہ پلانے والا، نچوڑنے والا، اٹھانے والا اور بیچنے والا، یہ تمام گناہ پر تعاون کرنے والے ہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 378/19)

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3674] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3380]

207- ختنہ کرنے کی اجرت لینا

اگر کسی ختنہ کرنے کی دکان وغیرہ پر ختنہ کیا جائے تو اس کی مزدوری لینے میں کوئی حرج نہیں، اگر ختنہ ہسپتال میں کیا جائے تو یہ حکومت کے خرچ پر ہوتا ہے، لہٰذا اس کی اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ یہ رشوت شمار ہوگا۔

رہا یہ سوال کے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کیا اجر ہوگا تو یہ معاملہ اللہ کے پاس ہے، وہ دل کے ارادے اور اس کام کے سبب سے بہ خوبی آگاہ ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6292)

208- مردے کو غسل دینے کی اجرت لینا

یہ جائز ہے، لیکن اگر ممکن ہو تو بہتر یہ ہے کہ کوئی رضا کارانہ طور پر یہ کام کرے۔ (اللجنة الدائمة: 7502)

209- کرائے دار اور مالک مکان کا معاہدہ پورا کرنا

مالک کا فرض ہے کہ اس نے کرائے دار کو گھر دینے کا جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے، جو شرطیں انھوں نے طے کی ہیں یا عرف عام میں ان کا لحاظ رکھا جاتا ہے، انھیں پورا کریں، اور معاہدے میں جتنی مدت ذکر ہوئی ہے، یہ اس مدت کے اندر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ [المائدة: 1]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! عہد پورے کرو۔“

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”مومن جو شرطیں طے کر لیں انھیں پورا کرتے ہیں ما سوائے اس شرط کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دے۔“

جب معاہدے کی مدت ختم ہو جائے اور دونوں فریق مدت کی تجدید کے خواہاں اور اس پر راضی ہوں، تو دونوں کے لیے ان چیزوں کی پاسداری کرنا ضروری ہے جن کا ذکر ہوا ہے۔ اگر مالک تجدید سے انکار کر دے تو کرائے دار کا فرض بنتا ہے کہ وہ گھر واپس کر دے اور اس میں ٹھہر کر اس کو نقصان نہ پہنچائے، مالک کی خوش دلی اور رضا مندی کے بغیر اس کا مال کسی کے لیے حلال نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 1434)

210- ذمہ داری میں اخلاص کا مظاہرہ

جس کام کے لیے انسان کو اجرت پر رکھا جائے، وہ اس کے فرائضِ ملازمت میں شامل ہو تو اس میں اخلاص کا مطلب ہے: اسے معاہدے یا نظام ملازمت کے مطابق مطلوبہ معیار کے مطابق ادا کرنا۔ یہ وہ امانت ہے جسے ادا کرنا واجب ہے، جس طرح فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ [النساء: 58]

”بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو۔“ (اللجنة الدائمة: 19773)

211- مزدوری ادا کرنے میں تقدیم و تاخیر

آجر اور اجیر کے معاہدے کے مطابق مزدوری میں تقدیم و تاخیر جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ﴾ [المائدة: 1]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! عہد پورے کرو۔''

فرمانِ نبوی ہے:

''مسلمانوں کی شرطوں کا اعتبار کیا جائے گا (ان پر عمل کرنا ضروری ہوگا) مگر کوئی ایسی شرط نہ ہو جو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔''[1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 335/19)

212- داڑھی مونڈنے کی اجرت لینا

خط کرنا اور داڑھی مونڈنا حرام اور علانیہ برائی ہے، مسلمان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے نہ اس سلسلے میں کوئی معاونت فراہم کرنا ہی روا ہے، لہٰذا اس کی اجرت اور کمائی حرام کی کمائی ہے۔ جو ایسا کرتا ہے اس کو چاہیے کہ وہ اس سے توبہ کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔

اگر اس کو اس کی حرمت کے متعلق شرعی حکم معلوم ہے تو جو کمائی اس نے اس کام کے ذریعے کمائی ہے اس کا صدقہ کر دے، اگر اس کو اس کی حرمت کے متعلق شرعی حکم کا علم نہیں تھا تو پھر جو ہوا سو ہوا، اس میں کوئی پکڑ نہیں، لیکن آئندہ کے لیے خبردار ہو جانا چاہیے، جس طرح اللہ تعالیٰ سود خوروں کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ﴾ [البقرة: 275]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [5349]

''پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت آئے پس وہ باز آجائے تو جو پہلے ہو چکا وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو دوبارہ ایسا کرے تو وہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مونچھیں چھوٹی کرواؤ، داڑھی چھوڑ دو اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔''[1]

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مونچھیں کاٹو، داڑھی لٹکاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''[2]

لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ داڑھی بڑھانے اور مونچھیں چھوٹی کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم مانے اور اس بات سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے کہ لوگوں کی اکثریت اس سنت کی مخالفت اور کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہی ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 337/19)

213- بیماروں پر پڑھائی کر کے اجرت لینے کا حکم

بیمار کو دم کر کے اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ صحیحین میں ثابت ہے کہ چند صحابہ کرام عرب کے ایک قبیلے کے پاس حاضر ہوئے، انھوں نے ان کی مہمان نوازی نہ کی، اس دوران میں ان کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا، انھوں نے ہر کوشش کی لیکن بے سود، آخر کار ان میں چند لوگ ان صحابہ

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5893] صحيح مسلم [259/52]

[2] صحيح مسلم [260/55]

کرام کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم میں کوئی دم کرنے والا ہے؟ ہمارے سردار کو کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں، لیکن تم نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی، اس لیے ہم اجرت کے بغیر دم نہیں کریں گے، انھوں نے بکریوں کے ایک ریوڑ پر اتفاق کر لیا، ایک صحابی نے سورت فاتحہ پڑھ کر اسے دم کیا تو وہ تندرست ہوگیا اور انھوں نے وہ ریوڑ ان کو دے دیا۔

کچھ صحابہ کرام کہنے لگے: جب تک ہم رسول اللہ ﷺ کو اس معاملے کی خبر نہ دے لیں تب تک ہم کچھ نہیں کریں گے، جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو انھوں نے اس معاملے کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست کیا۔[1] لہٰذا مریض، جادو زدہ یا کسی پاگل کو پانی اور تیل پر دم کر کے علاج کرنے اور اس کی اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن مریض پر پڑھ کر اس کو پھونک مارنا زیادہ مناسب اور افضل ہے۔

سنن ابوداود میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس کے لیے پانی پر دم کیا اور وہ ان پر بہا دیا۔[2]

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"دم میں اگر کوئی شرکیہ چیز نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔"[3]

یہ صحیح حدیث مریض پر دم کرنے اور پانی اور تیل وغیرہ پر دم کرنے میں عام اور سب کو شامل ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 339/19)

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2276]
2. ضعيف. الضعيفة، رقم الحديث [1005]
3. صحيح مسلم [2200/64]

214- کرائے دار کو گھر میں ٹیلی ویژن رکھنے سے منع کرنے کا حکم

اگر ایک معین مدت تک معاہدہ ہو تو وہ اس وقت تک اس کو منع نہیں کر سکتا جب تک مدت ختم نہ ہو جائے، جب مدت ختم ہو جائے تب کہہ سکتا ہے کہ اسے اٹھاؤ یا ہم معاہدہ ختم کر رہے ہیں۔

اس حالت میں یعنی کرائے کی مدت کے دوران میں اگر کرائے دار ٹیلی ویژن رکھتا ہے تو مالک کو کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس نے اس کام کے لیے اسے گھر کرائے پر نہیں دیا تھا۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 8/150)

215- عورتوں کو کرائے پر سونا چاندی دینے کا حکم

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی آدمی کسی عورت کو ایک دو دن یا ایک دو گھنٹے کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات پہننے کے لیے کرائے پر دے، کیونکہ یہاں ان سے فائدہ اٹھانا مباح اور جائز ہے اور جو جائز فائدہ ہو اسے کرائے پر دینا بھی جائز ہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 26/150)

216- ایسے شخص کو گھر کرائے پر دینے کا حکم جس کے متعلق علم ہو کہ وہ اس میں ڈش لگائے گا

کسی انسان کے پاس کوئی گھر، ریسٹ ہاؤس یا کوئی کیمپ وغیرہ ہو اور کوئی انسان اسے کرائے پر لینے کا خواہشمند ہو، مالک کو علم ہو کہ یہ کرائے دار اس میں ڈش لگائے گا، جو عقائد، اخلاق اور عادات تباہ کر دینے والی چیز ہے، تو اس کو کرائے پر دینا جائز نہیں، لیکن اگر وہ اس میں رہائش رکھنا چاہتا ہو اور کرائے پر

دینے والے کو علم نہ ہو کہ وہ اس میں ڈش لگائے گا، کرائے دار جب وہاں منتقل ہوگیا اور اس نے ڈش لگائی تو عقد اجارہ (کرائے پر دینا) درست ہوگا، لیکن جب معاہدہ ختم ہوجائے تو مالک کہہ سکتا ہے کہ یا ڈش نکال یا تو خود نکل جا۔ جہاں تک مال کا حکم ہے اگر اجارہ حرام ہو تو کرایہ بھی حرام ہوگا۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 18/119)

217- ملازم کا کمپنی کی اجازت کے بغیر اس کی گاڑی استعمال کرنے کا حکم

کمپنی کی اجازت کے بغیر ملازم کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ اس کے پاس امانت ہے، اس لیے کمپنی یا حکومت کی اجازت کے بغیر اس کی گاڑی استعمال کرنا جائز نہیں، اگر کمپنی یا حکومت میں اس کی ڈیوٹی کا تعلق اس کے ساتھ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 342/19)

218- اپنے کام میں لاپروائی کرنے والے ملازم کی تنخواہ کا حکم

جس تنخواہ میں کوئی شبہہ ہو اس سے بچنا چاہیے اور اپنے کام پر توجہ دینی چاہیے تاکہ تنخواہ شبہے سے پاک ہو، کیونکہ یہ ملازم کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی ذمے داری اچھی طرح نبھائے تاکہ اس کی تنخواہ حلال ہو، اگر کوئی ملازم لاپروائی کرتا ہے تو اس کی تنخواہ کا کچھ حصہ حرام ہوجاتا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے اور خدا کا خوف دل میں رکھنا چاہیے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 343/19)

219- نمائندگی نہ کرنے پر نمائندگی کا الاؤنس لینا

آپ پر واجب ہے کہ اسے واپس کر دیں اور کیونکہ آپ نمائندگی نہ

کرنے کی وجہ سے اس کے حقدار نہیں، اگر واپس کرنا آسان نہ ہو تو پھر اسے نیکی کے کاموں میں صرف کریں، غریبوں پر صدقہ کر دیں، اس کے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار کریں اور دوبارہ ایسا کام کرنے سے بچیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 343/19)

220- تعویذ لکھنا اور لٹکانا

سوال اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ میں فرماتے ہیں:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴾ [البقرة: 79]

''پس ان لوگوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے، تاکہ اس کے ساتھ تھوڑی قیمت حاصل کریں، پس ان کے لیے بڑی ہلاکت اس کی وجہ سے ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ان کے لیے بڑی ہلاکت اس کی وجہ سے ہے جو وہ کماتے ہیں۔''

اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ کیا تعویذ لکھنے والے اور اس کی اجرت کا تقاضا کرنے والے بھی اس میں داخل ہیں؟

جواب اس آیت کریمہ کا یہ معنی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں، پھر اپنے ہاتھ سے کوئی کلام لکھتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جاہ و حشمت یا مال وغیرہ کی طرح کا کوئی دنیوی فائدہ اٹھا سکیں، تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ڈرایا

ہے، پھر یہ بیان کیا ہے کہ یہ وعید جھوٹ لکھنے اور جھوٹی کتابت کے ذریعے کمائی جانے والی روزی دونوں کو شامل ہے۔

لیکن وہ لوگ جو تعویذ لکھتے ہیں، جنھیں مریض کے گلے میں کسی بیماری سے تندرستی پانے یا احتیاطاً بیماری سے بچانے کی خاطر پہنایا جاتا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ انھیں لٹکانا جائز بھی ہے کہ نہیں؟ اگر یہ علم نہ ہو کہ ان تعویذوں میں کیا لکھا ہوا ہے یا ان میں حرام چیزیں لکھی ہیں، جیسے شیطانوں اور جنوں وغیرہ کے نام تو ایسے تعویزات لٹکانا کسی صورت جائز نہیں، اگر ان تعویذوں میں قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ لکھی ہوں تو ان کے حلال ہونے میں علما کے دو اقوال ہیں اور راجح یہی ہے کہ انھیں لٹکانا جائز نہیں، کیونکہ ناجائز طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرنا بدعت ہے، نیز کسی ایسی چیز کے سبب ہونے کا عقیدہ رکھنا، جسے اللہ تعالیٰ نے سبب نہ بنایا ہو، شرک کی ایک قسم ہے، اس بنیاد پر راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ مریض پر کوئی چیز بھی لٹکانی نہیں چاہیے، خواہ وہ قرآنی ہو کہ غیر قرآنی، اس طرح یہ تعویذات لکھ کر مریض کے سرہانے وغیرہ کے نیچے رکھنا بھی جائز نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13/231)

وکالت

221- وکالت کی شرطیں

وکالت کی شرطیں حسب ذیل ہیں:

① اس چیز میں کسی کو وکیل بنایا جائے جو مؤکل (وکیل بنانے والے) کی ملکیت ہو۔

② اس چیز میں کسی کو وکیل اور نائب بنایا جائے جسے نافذ کرنا اور عمل میں لانا وکیل کے لیے جائز ہو۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/251)

222- وکیل کا مؤکل کے مال سے کچھ لینا

سوال ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کا مال بیچتا ہے، یعنی وہ اس کو مال دیتا ہے کہ وہ اپنی جان پہچان کی وجہ سے اسے فروخت کر دے، یہ آدمی (وکیل) قیمت زیادہ کر دیتا ہے اور اضافہ خود رکھ لیتا ہے، کیا یہ سود ہے؟ ایسا کرنے والے کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب جو آدمی سامان بیچتا ہے، وہ سامان کے مالک کا وکیل سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس پر مال اور اس کی قیمت کے متعلق اعتماد کیا جاتا ہے، اگر وہ مالک کے علم میں لائے بغیر اس کی قیمت سے کچھ لے تو خیانت کرنے والا شمار ہوگا اور جو اس نے لیا ہے، وہ اس پر حرام ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17670)

223- وکیل کا رسید پر حقیقی رقم سے زیادہ رقم درج کرنا

مسلمان کو چاہیے کہ وہ معاملات میں سچائی اپنائے۔ جھوٹ بولنا اور ناحق لوگوں کا مال کھانا جائز نہیں، لہٰذا آدمی جس کو کوئی چیز خریدنے کے لیے بھیجے تو اس کے لیے اس کی قیمتِ خرید سے زیادہ لینا جائز نہیں، اسی طرح بیچنے والے کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے موکل کو دھوکا دینے کے لیے رسید پر غیر حقیقی قیمت لکھے، گاہک اصلی قیمت سے زیادہ قیمت ادا کرے اور وہ اضافہ وکیل خود رکھ لے۔

نیز یہ گناہ اور زیادتی پر تعاون اور باطل طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کے زمرے میں آتا ہے، اور کسی مسلمان کا مال اس کی رضا مندی کے بغیر حلال نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 15376)

224- جھگڑے میں وکیل

جھگڑے میں وکیل پر اعتماد کیا جاتا ہے اور اسے امین خیال کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور شرعی طریقوں سے اپنے موکّل کا دفاع کرنا چاہیے۔کوئی دنیاوی لالچ اس کو باطل مخاصمت میں داخل نہ کر دے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"جس نے باطل میں جھگڑا کیا وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں رہتا ہے، جب تک اس سے باز نہ آجائے۔"[1]

نیز فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے:

"اپنے بھائی کی مدد کر، وہ ظالم ہو کہ مظلوم"[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3597]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6952]

ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر وہ مظلوم ہو تو میں اس کی مدد کروں گا لیکن جب وہ ظالم ہو تو پھر میں اس کی کیسے مدد کروں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے۔''

لہٰذا وکیل کو چاہیے کہ وہ وکالت قبول کرنے اور مقدمے میں داخل ہونے سے پہلے دعوے پر غور کر لے، اگر وہ دعویٰ درست نہ ہو تو انکار کر دے، اسی طرح اگر وکیل کو بعد میں علم ہو کہ دعویٰ ناجائز ہے تو وہ اس سے ہاتھ کھینچ لے اور اس پر کارروائی روک دے۔

وکیل کو حق اور سچ ظاہر کرنے والے کاغذات بھی نہیں چھپانے چاہییں، کیونکہ یہ خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴾ [النساء: 107]

''اور ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو ہمیشہ بہت خائن، سخت گناہ گار ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴾ [النساء: 109]

''سن لو! تمھی وہ لوگ ہو جنھوں نے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی

میں جھگڑا کیا، تو ان کی طرف سے اللہ سے قیامت کے دن کون جھگڑے گا، یا کون ان پر وکیل ہوگا؟'' (اللجنة الدائمة: 17899)

225- زکاۃ نکالنے میں وکیل (نائب) بنانے کا جواز

اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی انسان کسی کو فطرانہ نکالنے کے لیے اپنا نائب اور وکیل مقرر کرے، خواہ کوئی بھی عذر نہ ہو۔

یہ نیابت، چاہے فطرانہ نکالنے کے لیے ہو یا صاحب نصاب سے زکاۃ نکالنے کے لیے ہو، جائز ہے، مثلاً کہے: جناب یہ زکاۃ کے پیسے وغیرہ لیں اور جو آپ کی نظر میں مستحق ہیں ان میں تقسیم کر دیں۔

اسی طرح اگر آپ کے ذمے قسم کا کفارہ ہو، جو دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، اور آپ کسی کو وکیل بنا دیں جو انھیں کھانا کھلا دے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ان امور میں نیابت درست ہے حتی کہ اگر آپ اس کو مال دیں اور کہیں اس سے فطرانہ خرید کر جو تمھاری نظر میں مستحق ہیں ان میں تقسیم کر دیں، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 7/118)

226- وکیل کا موکل کے مال سے بچ جانے والا مال رکھ لینا خواہ وہ اس کا والد ہی ہو

آپ کے لیے وہ پیسے اپنے پاس رکھنا جائز نہیں جو اس رقم سے بچ جائیں، جو آپ کو آپ کے والد نے اشیاءِ ضرورت خریدنے کے لیے دی تھی، بلکہ انھیں باپ کو لوٹانا ضروری ہے کیونکہ یہ امانت ہے جسے لوٹانے کا اللہ تعالیٰ

نے ہمیں حکم دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ [النساء: 58]

”بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو۔“

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 322/19)

حوالہ (ترسیل زر)

227- ترسیل زر کی صحیح صورت

ترسیل زر کی صحیح صورتیں دو ہیں: یا تو اسے درہموں کی صورت میں دوسری جگہ بھیجا جائے، پھر وہاں کا جو موجودہ ریٹ ہو اس کے مطابق انھیں تبدیل کر دیا جائے۔ یا پھر دوسرے ملک کی کرنسی پہلے ملک سے خرید لے اور اسے دوسرے ملک میں اس کی کرنسی میں بھیج دے۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 16/44)

228- سودی بنکوں کے ذریعے رقم بھیجنے اور وصول کرنے کا حکم

میں یہاں آپ کے لیے ایک اہم قاعدہ ذکر کرتا ہوں:

جائز صورت میں بنکوں کے ساتھ معاملات کرنے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً: میں ان سے خرید سکتا ہوں، پیسے تبدیل کروا سکتا ہوں، ان کے ذریعے سے رقم منتقل کر سکتا ہوں، اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن سود ممنوع ہے، اگر سود نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ نبی اقدس ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے خریدا، ان سے ہدیہ قبول کیا جبکہ وہ حرام کھانے والے اور سود خور ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی میں رکھی ہوئی تھی، لہٰذا بنکوں کے ذریعے سے رقم منتقل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 15/70)

229- ایک کرنسی سے دوسری کرنسی میں مال بھیجنے کا حکم

ایک ملک کی کاغذی کرنسی کو دوسرے ملک کی کاغذی کرنسی میں تبدیل کرنا جائز ہے، چاہے دونوں کی مقدار مختلف ہو کیونکہ ان کی جنس مختلف ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ مجلس عقد میں ایک دوسرے کو پکڑا دی جائے، چیک یا ترسیل زر کی رسید کا حکم مجلس میں پکڑنے کے حکم جیسا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4721)

ضمانت (تاوان) اور انشورنس

230- گھروں یا دکانوں میں ناگہانی حادثات کا مقابلہ کرتے وقت جو ضائع ہو جائے اس کا تاوان بھرنا

گھروں اور دکانوں میں بلا ارادہ حادثات وغیرہ ہو جانے کی وجہ سے یا حادثے کا مقابلہ کرتے وقت کچھ سامان ضائع ہو جائے تو اس کی کوئی ضمانت اور گارنٹی نہیں، کیونکہ حادثے کی روک تھام اور اس کا مقابلہ ایک اجازت شدہ کام ہے اور اجازت شدہ کام پر جو نقصان وغیرہ مرتب ہو، اس کی گارنٹی اور ضمانت نہیں ہوتی۔ (اللجنة الدائمة: 19773)

231- بنک سے قرضہ لینے والے کی ضمانت دینا

بنک سے سود کے ساتھ قرضہ لینا جائز نہیں، لہٰذا اس سے قرض لینے والے کی ضمانت دینا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ پر تعاون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدة: 2]

”اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔“ (اللجنة الدائمة: 14623)

232- وقف شدہ چیز ضائع کرنے کا تاوان بھرنے کا حکم

ایسے شخص پر اس کا تاوان بھرنا لازمی ہے، فرض کریں کہیں کوئی برتن یا مسجد میں واٹر کولر وقف کیا گیا ہو، کوئی شخص اگر انھیں ضائع کر دے تو وہ ان کا تاوان بھرے گا اور گناہگار بھی ہوگا، اس شخص کو اپنے اس کام سے توبہ بھی کرنی چاہیے اور اگر وہ ایسی چیز ہو جس کی کوئی مثل ہو تو اس کا تاوان بھی مثلیات میں سے بھرا جائے گا یا وہ ایسی چیز ہو جس کی قیمت لگائی جاتی ہو تو اس کا تاوان قیمت کی صورت میں بھرا جائے گا۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 12/154)

233- جو چیز جانور رات کو کھا جائیں اس کا تاوان

جانوروں کے مالکان کی ذمے داری ہے کہ وہ رات کو ان کی حفاظت کریں، جو وہ رات کو کھا جائیں تو ان کے مالک اس کی قیمت ادا کریں گے لیکن جو دن کو کھا جائیں تو اس کا کوئی مالی تاوان نہیں کیونکہ دن کے وقت کھیتوں اور سبزیوں کے مالکان کی ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ ان کی حفاظت کریں، جانور کا مالک دن کے وقت ان کا دروازہ کھول دے یا دیوار توڑ کر انھیں داخل کرے، تب وہ ضامن ہوگا۔ (حسن بن عبدالوہاب: مسائل نجدیہ: 458/1)

234- مالک کی اجازت کے بغیر پھل دار درخت کاٹنا

پھل دار درخت اس کے مالک کی اجازت کے بغیر کاٹنا حرام ہے، جو اسے کاٹے وہ اس کا مالی ہرجانہ ادا کرے گا، اسی طرح اگر کوئی کھجور کی ٹہنیاں کاٹے تو وہ علاقے کے حسب حال قیمت ادا کرے گا۔ (حسن بن عبدالوہاب: مسائل نجدیہ: 458/1)

235- ضمانت کا ایک مسئلہ

سوال ہمارے گاؤں میں لوگ زیتون کے پھل کی ایک مقرر رقم کے ساتھ ضمانت دیتے ہیں، مثلاً کہنے والا کہتا ہے: میں تیرے سارے زیتون کی ایک ہزار دینار کے بدلے ضمانت دیتا ہوں، کیا شریعت میں یہ معاملہ جائز ہے، اسے کیا کہا جاتا ہے؟ اگر یہ جائز ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب یہ مذکورہ ضمانت جائز نہیں کیونکہ یہ ایک مجہول چیز کی ضمانت ہے، نیز اس میں باطل شرط ہے، لہٰذا یہ جوا اور ناجائز طریقے سے مال کھانا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 19/129)

236- زندگی اور اَملاک کی انشورنس کا حکم

زندگی اور اَملاک کی انشورنس حرام اور ناجائز ہے کیونکہ اس میں دھوکا اور سود ہے، اللہ تعالیٰ نے امت پر رحمت کرتے ہوئے اور اسے نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تمام سودی اور دھوکا دہی کے معاملات حرام قرار دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

''حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔''

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے دھوکے کی بیع سے منع کیا ہے۔[1] وباللہ التوفیق (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 314/19)

---

[1] صحیح مسلم [1513/4]

237- گاڑی کی انشورنس کا حکم

انشورنس حرام ہے اور یہی اصل ہے، کیونکہ یہ سود اور غرر (دھوکے) پر مشتمل ہے۔

انشورنس کروانے والا تھوڑا مال دیتا ہے اور زیادہ لے لیتا ہے، کبھی کچھ نہیں لیتا اور کسی وقت کمپنی بہت بڑے خسارے سے دو چار ہوجاتی ہے، لیکن یہ نہ کہو: میں یہاں سے وہاں سے، اِدھر سے اور اُدھر سے لے لیتا ہوں، لہٰذا ایک جہت سے نفع ہوجاتا ہے لیکن دوسری طرف کبھی کمپنی انشورنس کی رقم دس ہزار دیتی ہے تو لاکھوں کا نقصان اٹھاتی ہے، یہاں اس میں دھوکا درآتا ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 315/19)

238- تجارتی انشورنس کا حکم

تجارتی اور کاروباری انشورنس کی تمام شکلیں حرام ہیں کیونکہ ان میں غرر (دھوکا)، سود، جہالت، جوا اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانے جیسی بہت ساری ممنوع چیزیں شامل ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 3117)

239- میڈکل انشورنس کا حکم

سوال شریعت میں میڈیکل انشورنس کا کیا حکم ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انشورنس کروانے والا شخص انشورنس کمپنی کو ماہانہ یا سالانہ رقم دیتا ہے جس کے بدلے میں جب ضرورت پیش آئے تو کمپنی اپنے خرچے پر اس شخص کا علاج کرواتی ہے، لیکن اگر علاج کی ضرورت پیش نہ آئے تو کمپنی نے جو

انشورنس کی قسطیں وصول کی ہوتی ہیں واپس نہیں کرتی۔

جواب اگر میڈیکل انشورنس کی یہی صورت ہے جو آپ نے ذکر کی ہے تب یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں غرر (دھوکا) اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ ممکن ہے کہ انشورنس کروانے والا اکثر بیمار ہی پڑا رہے اور جتنی رقم اس نے کمپنی کو جمع کروائی ہے اس سے زیادہ کا علاج کروا لے اور وہ اضافہ ادا کرنا اس پر لازمی نہیں ہوتا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مہینہ دو مہینے بیمار ہی نہ ہو، لہٰذا کمپنی بھی وہ قسطیں (پریمیم) واپس نہیں کرتی جو اس نے وصول کی ہیں، یہ سب جوئے کی شکل ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4560)

240- کسی انشورنس کمپنی میں لکھنے پڑھنے کے کام میں ملازمت کرنا

کسی مسلمان کے لیے کسی انشورنس کمپنی میں حساب کتاب وغیرہ کا کام کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں کام کرنا گناہ اور زیادتی پر تعاون کرنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

(اللجنة الدائمة: 3117)

امانت [1] رکھوانا (ڈپازٹ)

241- سودی بنکوں میں مال رکھوانے کا حکم

ضرورت کے وقت سود کے بغیر بنکوں میں مال رکھوانے میں کوئی رکاوٹ نہیں، اگر ان بنکوں کے علاوہ کسی اور جگہ مال رکھوانا ممکن ہو تو زیادہ محتاط اور بہتر عمل یہی ہے کہ ایسی جگہ مال رکھوا دیں کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو تجھے شک میں ڈال دے، اس کو چھوڑ کر وہ کام کرو جس میں شک نہیں۔'' [2]

نیز فرمایا:

''جو شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنا دین اور عزت بچا لی۔'' [3]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 413/19)

---

[1] بنک میں رقم رکھوانے کو عموماً امانت رکھوانے سے تعبیر کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ امانت نہیں بلکہ قرض ہوتا ہے کیونکہ بنک اس کے ضائع ہونے کی صورت میں بھی اسے واپس کرنے کا پابند ہوتا ہے، جبکہ امانت اگر مؤتمن کی سستی یا دست اندازی کے بغیر ضائع ہو جائے تو وہ اسے واپس کرنے کا پابند نہیں ہوتا۔

[2] سنن الترمذي، رقم الحديث [2518] سنن النسائي، رقم الحديث [5711]

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث [3330]

242- ایسے بنکوں میں مال رکھوانے کا حکم جو سودی معاملات نہیں کرتے

ایسے بنک میں مال رکھوانے میں کوئی حرج نہیں جو سودی لین دین نہیں کرتا، اگر یہ مال نصاب زکاۃ کو پہنچ جائے یا اس سے زیادہ ہو تو سال گزرنے کے بعد اس کی زکاۃ نکالنا ضروری ہے۔ لیکن سودی بنکوں میں ضرورت کے سوا اور فائدہ یعنی سود نہ لینے کے بغیر مال رکھوانا جائز نہیں، کیونکہ ان میں مال رکھوانا ایک طرح کا ان کے ساتھ سود پر تعاون کرنا ہے، اگر کسی کا یہ ارادہ نہ ہو لیکن ضرورت پیش آ جائے تو فائدہ یعنی سود کے بغیر ان میں مال رکھوانے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [الأنعام: 119]

”حالانکہ بلاشبہہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔“

تاہم بہتر یہی ہے کہ مال ان ہاتھوں میں دیا جائے جو امانتدار ہوں اور جائز شرعی معاملات کریں تا کہ آپ اپنے مال سے فائدہ اٹھائیں، وہ بے کار ہی پڑا نہ رہے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 419/19)

243- ضرورت کے وقت سودی بنکوں میں مال رکھوانا

سودی بنکوں میں رقم رکھوانا جائز نہیں چاہے آپ سود نہ بھی لیں، کیونکہ یہ ایک طرح کا گناہ اور زیادتی پر تعاون ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے،

لیکن اگر آپ اس کے لیے مجبور ہوں، فائدہ نہ لیں اور اپنا مال محفوظ کرنے کے لیے ان بنکوں کے علاوہ کوئی اور جگہ نہ پائیں تو پھر اس ضرورت کی وجہ سے ان شاء اللہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [الأنعام: 119]

”حالانکہ بلاشبہہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔“

جب آپ کوئی اسلامی بنک یا امانتدار جگہ پائیں تو پھر اپنا مال دوسرے بنکوں میں رکھوا کر گناہ پر تعاون نہ کریں، اس وقت ان سودی بنکوں میں مال رکھوانا جائز نہیں ہوگا۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 419/19)

244- ایک مقرر منافع کے ساتھ بنکوں میں مال رکھوانا

ایک مقرر منافع پر بنکوں میں مال رکھوانا جائز نہیں کیونکہ یہ سودی معاہدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ [البقرة: 275]

”حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔“

نیز فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا

تُظْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ: 278,279]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو باقی ہے چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے یہ نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑی جنگ کا اعلان سن لو اور اگر توبہ کر لو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں، نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔''

مال رکھوانے والا جو مقدار لیتا ہے، اس میں کوئی برکت نہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرۃ: 276]

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

سود کی یہ قسم ربا نسیئہ اور ربا الفضل دونوں پر مشتمل ہے کیونکہ مال رکھوانے والا بنک کو اس شرط پر رقم دیتا ہے کہ وہ ایک مقررہ مدت تک متعین منافع کے ساتھ رقم بنک میں رکھے گا۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 222)

245- سودی بنکوں میں مال رکھوانے والوں کا حکم

سودی بنکوں یا بنکنگ اداروں میں ضرورت کے بغیر رقم رکھوانا جائز نہیں، جب مال کی حفاظت کے لیے انسان مجبور ہو تو رکھ لے۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 3830)

246- کافر ممالک میں بنکوں میں مال رکھوانے کا حکم

سودی بنکوں میں مال رکھوانا جائز نہیں، چاہے ان کے ذمے داران مسلمان ہوں کہ کافر، کیونکہ اس میں گناہ اور زیادتی پر تعاون ہے، خواہ یہ سود کے بغیر ہی ہو، لیکن جب انسان حفاظت کی غرض سے اس کے لیے مجبور ہو جائے تو

پھر بلا فائدہ رکھوانے میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [الأنعام: 119]

"حالانکہ بلاشبہہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔"

لیکن سود کی شرط کے ساتھ رکھوانا بہت بڑا گناہ ہے کیونکہ سود کبیرہ گناہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنی نبی کی زبان سے حرام قرار دلوایا ہے، نیز بتایا ہے کہ یہ بے برکت کام ہے، جو ایسا کرتا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے جائز ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں اور مجاہدین کی مدد میں یہ مال خرچ کر دیں، اللہ انھیں اجر بھی دے گا اور بدل بھی:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [البقرة: 274]

"وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن، چھپے اور کھلے خرچ کرتے ہیں، سو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ وَ هُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ [السبا: 39]

"اور تم جو بھی چیز خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ اور دیتا ہے اور وہ سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔"

یہ زکاۃ وغیرہ سب کو شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''صدقے کی وجہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر عاجزی اختیار کرتا ہے وہ اس کو بلند کر دیتا ہے۔''[1]

نیز آپ ﷺ کا صحیح فرمان ہے:

''ہر دن کہ لوگ صبح کے وقت بیدار ہوتے ہیں مگر اس میں دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے: ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما۔'' دوسرا کہتا ہے: ''اے اللہ! خرچ نہ کرنے والے کا مال تلف کر دے۔''[2]

اچھائی کے کاموں میں خرچ کرنے اور ضرورتمندوں پر صدقہ کرنے کی فضیلت پر دلالت کرنے والی آیات و احادیث بکثرت ہیں۔

لیکن اگر مال کا مالک جہالت یا پھر سستی کی وجہ سے سودی فائدہ لے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب فرما دے تو وہ اسے نیکی اور اچھائی کے کاموں میں صرف کر دے اور اپنے مال کے ساتھ باقی نہ رکھے، کیونکہ سود کے ساتھ جو چیز بھی خلط ملط ہو جائے وہ اسے مٹا دیتا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ [البقرة: 276]

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 420/19)

---

1. صحيح مسلم [2588/69]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [1442] صحيح مسلم [1010/57]

247- مسلمان اور غیر مسلم کا ایک دوسرے کے پاس امانت رکھوانا

رقم یا کوئی چیز امانت رکھنا یا رکھوانا اسی طرح کوئی چیز گروی رکھوانا یا اس جیسا کوئی معاملہ کرنا درست ہے، لیکن مداہنت، حق پوشی یا ایسی مجلس سے پرہیز کرنا چاہیے، جس میں کوئی ایسی چیز سنی یا دیکھی جائے جو شریعت کی رو سے ناپسندیدہ یا حرام ہو۔ (حسن بن عبدالوہاب: مسائل نجدیہ: 458/1)

248- کسی شخص کے ہاں بطور امانت رکھوائے ہوئے مال سے قرض لینے کا حکم

جس شخص کو کسی بھی مال پر یا کسی بھی پروگرام یا منصوبے میں امین بنایا جائے، اس کے لیے اس میں اپنی ذات کے لیے تصرف کرنا جائز نہیں بلکہ اس کی ذمے داری ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اسے بچا کر رکھے تاکہ وہ صحیح مصرف میں استعمال ہو۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 411/19)

249- مالک کی اجازت کے بغیر امانت سے سرمایہ کاری کرنا

جب کوئی شخص تمھارے پاس کوئی چیز امانت رکھے تو تمھارے لیے اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، تمھیں اس کی ایسے ہی حفاظت کرنی چاہیے جس طرح اس جیسی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے، اگر تم اس کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرو تو پھر تمھیں اس سے اجازت لینی چاہیے، اگر وہ اجازت دے دے تو ٹھیک ورنہ اس کو اس کے مال کا نفع دے دو یا آدھے حصے وغیرہ پر اس کے ساتھ مصالحت کر لو، کیونکہ مسلمانوں کے مابین صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو کسی حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 412/19)

تحائف وعطیات

250- تحفہ دینے کی فضیلت

تحفہ دینے کا انسان کو ثواب ملتا ہے کیونکہ یہ احسان ہے اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں، نیز یہ الفت اور محبت کا ذریعہ بھی ہے، اور ہر وہ چیز جو مسلمانوں کے درمیان الفت و مودت کا ذریعہ ہو، وہ شرعاً مطلوب ہے۔

اس وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایک دوسرے کو تحائف دو، تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے گی۔''[1]

بسا اوقات تحفہ صدقے سے افضل ہو جاتا ہے اور کبھی صدقہ تحفے سے بہتر۔ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ صدقے کی نیت آخرت میں ثواب کا حصول ہوتا ہے، جبکہ تحفے کے ذریعے سے کسی شخص کا قرب اور دوستی مطلوب ہوتی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ تمھاری دوستی مسلمانوں کے بہت بڑے مفاد میں ہوتی ہے، مثلاً کوئی شخص مسلمانوں کا کرتا دھرتا ہو، آپ ایسے شخص کو اس کے مرتبے اور مقام کے مناسب کوئی تحفہ دیں تو یہ اس کی محبت کیشی کا ذریعہ ہوگا اور پھر وہ شخص آپ کی نصیحت قبول کرے گا، جس سے بہت زیادہ بھلائی اور صدقہ حاصل ہوگا، خصوصاً جب انسان اخلاص کی نیت رکھے تو اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا اور دوسرے مسکینوں کو فائدہ پہنچے گا،

---

[1] سنن البیهقي [196/6]

لہذا اپنے اپنے نتائج کے اعتبار سے کبھی تحفہ صدقے سے افضل ہوتا ہے تو کبھی صدقہ تحفے سے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2/247)

251- تحفہ قبول کرنے کا حکم

تحفہ قبول کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ جب تحفہ دینے کی شرطیں مکمل ہوں تو تحفہ قبول کرنا واجب ہو جاتا ہے، اور وہ شرطیں یہ ہیں:

① تحفہ دینے والا احسان جتلانے والا نہ ہو، کیونکہ احسان جتلانے والوں کا تحفہ قبول کرنا کبھی اذیت ناک بھی ہوتا ہے، ایسا شخص لوگوں میں طرح طرح کی باتیں مشہور کر سکتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو تحفہ دیا، ایسی صورتِ حال میں انسان اگر تحفہ قبول نہ کرے تو اس کے لیے عذر خواہی کی گنجائش ہوتی ہے تاکہ ایسے شخص کے احسان سے ایذا نہ اٹھائے۔

② دوسری شرط یہ ہے کہ تحفہ دینے والے کا مال حلال ہو، اگر اس کا مال حرام ہو اور آدمی حرام سے بچتے ہوئے اس کا تحفہ واپس کر دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر اس کا مال حلال و حرام سے مخلوط ہو تو پھر تحفہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے تحفہ قبول کیا حالانکہ وہ سود خوری اور حرام کھانے میں مشہور تھے۔

پھر تحفہ وصول کرنے والے کو چاہیے کہ وہ تحفہ دینے والے کو بھی بدلے میں کوئی تحفہ دے، رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول کرتے اور اس کا بدلہ بھی دیتے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو تمھارے ساتھ اچھائی کرے اسے اس کا انعام دو، اگر تمھارے

پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرتے رہو، یہاں تک کہ تم خیال کرنے لگو کہ اب تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔“ [1]

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/247)

252- تحفے کی شرعی شرائط

تحفے کے لیے حسبِ ذیل شرطیں ہیں:

1. ایجاب و قبول۔ تحفہ دینے والا کہے: میں نے تجھے فلاں چیز تحفتاً دی، تحفہ لینے والا کہے: ”میں قبول کرتا ہوں“ یا کوئی بھی ایسا صیغہ یا فعل اپنایا جائے جو اس معنی پر دلالت کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا۔
2. وہ تحفہ کسی ایسی چیز کی صورت میں ہو جس کی صفات اور مقدار معلوم ہو، مجہول اور نامعلوم چیز کا تحفہ درست نہیں۔
3. اس چیز کو سونپنا مقدور ہو، جسے سونپنا اختیار سے باہر ہو اسے تحفے میں دینا جائز نہیں۔
4. وہ (تحفہ) ایسے فروخت شدہ سامان سے نہ ہو جس کو ابھی تک قبضے میں نہ لیا گیا ہو۔
5. وہ ایسی چیز نہ ہو جو مستقبل کی شرط کے ساتھ معلق ہو۔
6. اگر وہ اولاد کے لیے ہو تو اس میں عدل کا ہونا ضروری ہے، باپ کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو ترجیح دے کر کوئی چیز دے اور دوسروں کو نہ دے۔
7. اس سے رشوت کے کسی مفہوم کا ارادہ نہ ہو، جیسے: سرکاری ملازمین وغیرہ کو

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [1672]

تحائف دینا، طلبہ کا ریگولر نظام تعلیم میں اپنے اساتذہ کو تحائف دینا، کسی ملازم کے پاس کسی کام کی غرض سے جانے والے کا اس کو کوئی تحفہ دینا۔

(اللجنة الدائمة: 17627)

253- تحفہ اگر مدد کی نیت سے ہو تو اسے قبول کرنا

اگر نفس اس کی طرف نگاہ نہ اٹھائے اور دل میں اس کا کوئی طمع نہ ہو تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور جب میسر ہو تو اس کے مناسب اس کا بدلہ دیا جائے یا پھر اس کے لیے دعا کی جائے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جو تمھارے ساتھ اچھائی کرے اسے اس کا انعام دو، اگر تمھارے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرتے رہو، یہاں تک کہ تم خیال کرنے لگو کہ اب تم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔''[1]

(اللجنة الدائمة: 7932)

254- تحفہ لوٹانا

جس کو کوئی چیز تحفہ میں دی جائے تو اس کے لیے اس جیسی یا اس سے بہتر کوئی چیز اس تحفے کے جواب میں دینا مستحب ہے لیکن یہ لازم نہیں کہ اس جیسی چیز ہی لوٹائی جائے بلکہ شرعاً مطلوب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو تحفہ دیتے وقت اس کے عوض کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ثواب کا منتظر رہنا چاہیے۔

جس کو کوئی چیز تحفتاً دی جائے اس پر تحفہ دینے والے کو بدلے میں کوئی چیز دینا واجب نہیں، لیکن اگر وہ کوئی چیز دے دے تو یہ بہتر ہے۔

(اللجنة الدائمة: 14379)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [1672]

255- منگیتر کو مخصوص مواقع پر تحائف دینے کا حکم

لوگوں کے مابین تحائف کا تبادلہ ایسا کام ہے جو محبت اور الفت پیدا کرتا ہے، دلوں سے کینے اور خفیہ دشمنیاں نکال باہر کرتا ہے اور شریعت کی نگاہ میں یہ بڑا محبوب ہے۔ رسول کریم ﷺ تحائف قبول فرماتے اور لوگوں کو ان کا بدلہ بھی دیتے، نیز مسلمانوں کے ہاں اس پر عمل بحمداللہ جاری ہے۔

لیکن اگر تحفہ کسی غیر شرعی سبب کے ساتھ مل جائے تو پھر یہ جائز نہیں رہتا، جیسے: عاشوراء، رجب یا برتھ ڈے کے مواقع پر تحائف دینا کیونکہ یہ بدعات ہیں، نیز ان میں باطل کی معاونت اور بدعت میں مشارکت ہے۔

(اللجنة الدائمة: 19805)

256- تحفے کی ملکیت

جس کو تحفہ دیا جائے، جب وہ اسے اپنے قبضے میں لے لے تو وہ اس کی ملکیت میں ہوجاتا ہے، وہ اس میں شرعی ضوابط کے مطابق تصرف کر سکتا ہے، اگر اس سے کچھ صدقہ کر دے تو اس کو اس کا اجر بھی ملتا ہے کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17907)

257- مسلمان کا اپنے کافر بھائی سے تحفہ قبول کرنا

مسلمان کا اپنے کافر یا مشرک بھائی سے تحفہ قبول کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اس کی تالیفِ قلب کا سامان ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کو اسلام کی راہ سجھا دے۔

(اللجنة الدائمة: 4172)

258- تحفہ دینے والے کا تحفہ لینے والے سے وہی تحفہ خرید لینا

تحفہ دینے والے کے لیے جائز نہیں کہ اس نے جو چیز اپنے بھائی کو دی تھی، وہ اس سے خرید لے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: میں نے کسی آدمی کو اللہ کی راہ میں ایک گھوڑے پر سوار کیا، لیکن اس نے اسے ضائع کر دیا، میں سمجھا وہ اسے اونے پونے بیچ دے گا، لہٰذا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اس سے نہ خرید، خواہ وہ تجھے ایک درہم ہی میں کیوں نہ دے دے، یقیناً اپنے صدقے کی طرف لوٹنے والا اس کتے کے مانند ہے جو اپنی قے کی طرف لوٹتا ہے۔"[1] (اللجنة الدائمة: 10635)

259- تحفہ دینے والے کا کسی دوسرے آدمی سے وہی چیز خرید لینا

سوال ایک آدمی نے کسی کو ایک گاڑی بغیر کسی عوض کے ہبہ کی، اس نے وہ گاڑی کسی دوسرے آدمی کو بیچ دی، اس پہلے مالک نے، جس کے ہاتھوں سے یہ گاڑی تحفے کی صورت میں نکل گئی تھی، اسے اس دوسرے آدمی سے خریدنا چاہا جس کو اس نے (تحفہ لینے والے نے) بیچ دی تھی، کیا یہ جائز ہے، اور صورت تبدیل ہو جانے کی ضمن میں آتا ہے؟

جواب اس مذکورہ صورت میں ہبہ خریدنا جائز ہے، کیونکہ ہبہ کرنے والے نے اس سے نہیں خریدی جس کو اس نے ہبہ کی تھی۔ (اللجنة الدائمة: 13491)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2623] صحيح مسلم [1620/1]

260- خاوند کا بیوی کو حسن سلوک کے بدلے میں کچھ ہبہ کرنا

بیوی کے حسنِ سلوک اور خدمت گزاری کے بدلے میں جس تحفے کا تم نے ذکر کیا ہے جو تمھاری زندگی ہی میں اس کو ملے گا، وہ اس کو دینا جائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 12168)

261- دو بیویوں میں سے صرف ایک کو تحفہ دینا

جس کی دو یا دو سے زائد بیویاں ہوں، اس کے لیے ان کے درمیان عدل کرنا ضروری ہے اور صرف ایک بیوی کو خرچے، رہائش، یا رات بسر کرنے کے لیے خاص کرنا جائز نہیں۔

جس کی دو بیویاں ہوں لیکن وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے ایسے شخص کے متعلق سخت وعید وارد ہوئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

”جس کی دو بیویاں ہوں وہ ایک کی نسبت دوسری کی طرف زیادہ میلان رکھے، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ فالج زدہ ہوگا۔“[1]

ایک روایت میں ہے:

”وہ اپنے ایک جھکے ہوئے یا مفلوج پہلو کو گھسیٹتا آئے گا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ایک کی طرف مائل ہو، روزِ قیامت وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ جھکا ہوا ہوگا۔“[2]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1969]

[2] سنن النسائي، رقم الحديث [3942]

یہ دلائل سوتنوں کے درمیان عدل قائم کرنے کی تاکید کرتے ہیں، تاہم دل پر زور نہیں چلتا، اس لیے رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان مساویانہ تقسیم کرتے اور فرماتے تھے:

"اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں، اور اس پر میرا مؤاخذہ نہ کرنا جس کا تو مالک ہے، میں نہیں۔"[1]

اس بنا پر اس خاوند کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسری بیویوں کے سوا اپنی ایک بیوی کو اپنی ملکیت میں سے کوئی چیز تحفتاً دے، اگر ایک بیوی کو گھر وغیرہ دے تو اس پر لازم ہے کہ دوسری بیویوں کے ساتھ بھی مساویانہ سلوک کرے اور ہر ایک کو اس جیسا گھر دے یا اس کی قیمت دے، الا یہ کہ دوسری بیوی اس کی اجازت دے دے۔ (اللجنة الدائمة: 19695)

262- بیٹوں اور بیٹیوں کے درمیان عدل کرنا واجب ہے

تقسیم کرتے وقت بیٹیوں کو چھوڑ کر بیٹوں کا لحاظ رکھنے کے متعلق شریعت طیبہ میں واضح طور پر یہ حکم موجود ہے کہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، دونوں کے درمیان عدل کرنا واجب ہے۔

صحیحین میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد نے انھیں ایک غلام دیا، پھر رسول کریم ﷺ کو اس پر گواہ بنانے کی خاطر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا: کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو اس جیسا دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا:

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [2134]

"اللہ سے ڈرو، اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔"[1] ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔"[2] (اللجنة الدائمة: 2225)

263- باپ کا اپنے ایک بیٹے کو اس کے باقی بھائیوں کے سوا خدمت کرنے کے مقابلے میں کوئی تحفہ دینا

باپ کے لیے اپنی اولاد میں سے کسی ایک کو اپنی خدمت اور خیال رکھنے کی بنا پر اس خدمت کے بدلے میں کچھ دے دینا جائز ہے۔ اس میں اس کو دوسرے بھائیوں پر ترجیح نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ باپ جو کچھ اس کو دے وہ اس کی خدمت کے برابر ہو، چاہے روزانہ دے، یا ماہانہ یا پھر سالانہ۔

(اللجنة الدائمة: 2911)

264- بیٹوں اور بیٹیوں کو ان کے وراثت میں حصے کے مطابق ہبہ دینا

جو اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو کچھ ہبہ کرے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے درمیان عدل کرے، لہٰذا مذکر (مرد) کو دو مؤنثوں (عورتوں) کے حصے کے برابر دے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے وراثت میں تقسیم کی ہے، اسی طرح زندگی میں ہبہ دینا عطا کرنے کی دو حالتوں میں سے ایک حالت ہے اور حضرت عطا کے قول کے مطابق وہ (صحابہ کرام) جو بھی تقسیم کرتے تھے کتاب اللہ کے مطابق کرتے تھے۔ (اللجنة الدائمة: 11087)

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2587] صحيح مسلم [1622/18]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [2650] صحيح مسلم [1266/14]

265- ماں کا وراثت میں اپنے کسی بیٹے کے حق میں دست بردار ہو جانا

اگر یہ مال تمھارے باپ کی وراثت سے تمھاری ماں کے حصے آئے تو پھر اس کے لیے روا نہیں کہ کچھ کے حق میں وصیت کر دے اور کچھ کو چھوڑ دے، بلکہ اس پر ان کے درمیان عدل کرنا واجب ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں بھی برابر ہوں۔

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام تحفتاً دیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اسی طرح دیا ہے؟ وہ کہنے لگے: نہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر اس کو واپس لے لو۔''[1]

ایک روایت میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''کیا تم نے اپنی تمام اولاد کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔''[2]

ایک اور حدیث میں ہے: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ حسنِ سلوک میں برابر ہوں؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر ایسا نہیں۔''[3]

---

1. صحیح مسلم [1622/6]
2. صحیح البخاري، رقم الحدیث [2587] صحیح مسلم [1622/18]
3. صحیح مسلم [1266/17]

یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ (ماں) اس کو صحت کی حالت میں دے۔
(اللجنة الدائمة: 14893)

266- وہ اپنے فرمانبردار بیٹے کو دینا چاہتا ہے اور نافرمان کو محروم رکھنا چاہتا ہے

والدین کے لیے اپنی اولاد کو تحفہ دیتے وقت انھیں ایک دوسرے پر ترجیح دینا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔'' [1]

نیز یہ بھائیوں کے درمیان حسد، بغض، عداوت، کینے اور قطع تعلقی کا باعث بن سکتا ہے اور یہ شریعت مطہرہ کے مقاصد کے خلاف ہے، جو اقربا اور رشتے داروں کے درمیان الفت، محبت، روابط پیدا کرنے اور تعلقات مضبوط کرنے پر اکساتی ہے۔

والدین کو چاہیے کہ اپنی نافرمان اولاد کی اصلاح ایسے طریقوں کے مطابق کریں جو خاندان کی زندگی کے لیے دنیا و آخرت میں نقصان پر مشتمل نہ ہوں اور بکثرت ان کے لیے استقامت اور اصلاح کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔
(اللجنة الدائمة: 20321)

267- بیٹوں کی شادی کرنا

تمھارا جو بیٹا شادی کا خواہشمند ہو لیکن مالی استطاعت نہ رکھتا ہو، جبکہ تم اس کی قدرت رکھتے ہو تو اس کی شادی کرنا تم پر واجب ہے، پھر تم اس کی شادی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2587] صحيح مسلم [1622/18]

کے اخراجات اٹھاتے ہو، لیکن اپنے شادی شدہ بیٹوں کو، یا ان بیٹوں کو جو اپنے مال سے شادی کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اتنا مال نہیں دیتے جتنا تم نے اپنے اس ضرورت مند بیٹے کو دیا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ لازمی اور واجب نفقہ ہے، یہ وہ عطیہ اور تحفہ نہیں جس میں اولاد کے مابین مساویانہ تقسیم واجب ہوتی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17933)

268- تحفہ دے کر واپس لینا

تحفہ دے کر اس سے رجوع کرنا جائز نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان ثابت ہے:

''اپنے تحفے کی طرف لوٹنے والا اس کتے کے مانند ہے جو قے کر کے اس کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔'' [1]

نیز آپ ﷺ سے ثابت ہے:

''ہم (مسلمانوں) کو بری مثال نہیں اختیار کرنی چاہیے، اس شخص کی سی، جو اپنا دیا ہوا ہدیا واپس لے لے، وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قے خود چاٹتا ہے۔'' [2] (اللجنة الدائمة: 6609)

269- والدین کا اس مال میں تصرف کرنا جو انھوں نے اپنی اولاد کو ہدیتاً دیا ہو

ضرورت کے وقت مگر اولاد کو نقصان پہنچائے بغیر، ایسا کرنا جائز ہے،

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2589] صحيح مسلم [1622/8]

[2] سنن النسائي، رقم الحديث [3699]

کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

''پاکیزہ ترین مال جو تم کھاتے ہو وہ تمھاری کمائی ہے اور تمھاری اولاد تمھاری کمائی ہے۔''[1] (اللجنة الدائمة: 10896)

270- غیر مسلم کو تحفہ دینا

مسلمان کے لیے اپنے کافر رشتے دار اور پڑوسی وغیرہ کو کھانے کی کوئی چیز اور کپڑے وغیرہ دینا جائز ہے، چاہے قربانی کا گوشت ہی ہو۔ اگر وہ نادار ہوں تو صلہ رحمی، پڑوسی کا حق ادا کرنے اور تالیفِ قلب کے لیے انھیں صدقہ دینا بھی جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ﴾ [لقمان: 15]

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کی بات نہ مانو اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان کے ساتھ رہ اور اس شخص کے راستے پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1358] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2290]

اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [الممتحنة: 8]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا، جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا اور وہ تب کافر تھی، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک کافر رشتے دار کو ایک عمدہ پوشاک تحفے میں دی۔

شریعت میں کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس سے منع کرتی ہو اور اصل اباحت اور حِلت ہے، لیکن کافر کو، ان کے سوا جن کی تالیفِ قلب مقصود ہو، زکات دینا جائز نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 2618)

271- سودی بنکوں میں عطیات کے لیے بکس رکھنا

سودی بنکوں میں مذکورہ صندوقچے رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ ان کی سودی آمدنی سے مدد خواہی ہے جو حرام ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8316)

272- بیوی کی رضا مندی سے اس کی تنخواہ لینا

اگر تمھاری بیوی سمجھدار اور معاملات میں تصرف کرنے کی اہلیت رکھتی ہے تو اس کی رضا مندی سے اس کی تنخواہ لینے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح وہ جو چیز بھی اپنی مرضی سے تجھے مدد کے طور پر دیتی ہے اور وہ سمجھدار ہے تو اسے لینے میں تمھارے لیے کوئی ممانعت نہیں۔

اللہ تعالیٰ سورت نساء کے شروع میں فرماتے ہیں:

﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا مَّرِيْئًا ﴾

[النساء: 4]

''پھر اگر وہ اس میں سے کوئی چیز تمھارے لیے چھوڑنے پر دل سے خوش ہوجائیں تو اسے کھا لو، اس حال میں کہ مزے دار، خوشگوار ہے۔''

چاہے یہ رسید اور قانونی کاغذات کے بغیر ہو، لیکن اگر وہ تجھے اس کی رسید وغیرہ بھی دے دے تو اس میں زیادہ احتیاط ہے، خصوصاً جب تمھیں اس کے گھر والوں یا رشتے داروں سے کسی قسم کا خدشہ ہو، یا تجھے یہ خدشہ ہو کہ وہ کہیں اس سے رجوع ہی نہ کر لے۔ والله ولي التوفيق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 44/20)

273- اس حدیث کا معنی: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔''

یہ حدیث صحیح ہے۔ اسے امام بخاری اور مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے انھیں ایک غلام دیا۔ ان کی والدہ نے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک رسول اللہ ﷺ اس کی گواہی نہ دیں، لہٰذا بشیر بن سعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں اپنے اس کام کے متعلق بتایا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''کیا تم نے اپنی اولاد میں سے ہر ایک کو اس کے مثل دیا ہے، جو نعمان کو دیا ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔''[1]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تحفہ دیتے وقت اپنی اولاد میں کسی ایک کو ترجیح دینی چاہیے، نہ تخصیص کرنی چاہیے، ساری ہی اس کی اولاد ہے اور ہر ایک سے حسنِ سلوک کی امید رکھی جاتی ہے، لہٰذا کچھ کو چھوڑ کر کچھ کو تحائف کے لیے خاص کرنا جائز نہیں۔

تاہم علما کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ آیا اولاد کو مساوی قرار دیا جائے اور لڑکا ایک لڑکی کے برابر ہو یا وراثت کی طرح لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دی جائے؟ اہل علم کے دو اقوال ہیں، اور راجح قول یہ ہے کہ عطیہ وراثت کی طرح ہے، ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے مساویانہ دے کر برابری کی جائے، کیونکہ وراثت میں اللہ تعالیٰ نے یہی تقسیم رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ انصاف پرور ہے، لہٰذا ایک مومن کو اپنی اولاد کو عطیہ دیتے وقت بھی ایسا ہی کرنا چاہیے جس طرح اگر وہ اپنے مرنے کے بعد انھیں پیچھے چھوڑتا تو ایسے ہی کیا جاتا۔

یہ ہے ان کی نسبت اور ان کے والدین کی نسبت عدل کا معاملہ۔ تاہم والدین کی یہی ذمے داری ہے کہ اولاد کو ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ (مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے برابر) کے قانون کے مطابق دیں، اس طرح ان کے درمیان یہ عدل کے ساتھ اور مساویانہ تقسیم ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ نے وراثت میں کی ہے اور وہ ماں باپ سے زیادہ عدل گستر ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 48/20)

274- معلمات کا تحائف قبول نہ کرنا

معلّمہ پر لازم ہے کہ تحفہ قبول نہ کرے کیونکہ یہ اسے تحفہ نہ دینے والی کے حق میں ظلم اور بدخواہی جبکہ تحفہ دینے والی کے حق میں اضافہ اور دھوکا دہی پر اکسا

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2587] صحیح مسلم [1622/18]

سکتا ہے، لہٰذا معلّمہ کو چاہیے کہ طالبات سے قطعاً کوئی تحفہ قبول نہ کرے کیونکہ یہ برے انجام کا سبب بن سکتا ہے اور مومن مرد و عورت کو چاہیے کہ اپنے دین کے متعلق محتاط رہیں اور شک اور خطرے کے اسباب سے دور رہیں۔

تاہم اگر معلّمہ کسی دوسرے سکول میں منتقل ہوجائے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ تب شک وگمان ختم ہوجاتا ہے اور خطرے سے امن۔ اسی طرح کام چھوڑ دینے یا ریٹائرڈ ہوجانے کے بعد اگر طلبا کوئی تحفہ وغیرہ دیں تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 63/20)

275- جہاں آدمی کام کرتا ہے وہاں کے سربراہ کو تحفے کے نام پر قیمتی اشیا دینے والے کا حکم

یہ غلط اور بہت زیادہ شر کا ذریعہ ہے۔ سربراہ کو چاہیے کہ تحائف قبول نہ کرے، کیونکہ یہ خیانت اور حق پوشی کے لیے رشوت اور وسیلہ بن سکتے ہیں، لیکن اگر اپنی ذات کے لیے نہیں، البتہ کام کی مصلحت کے لیے قبول کرے اور تحفہ دینے والے سے کہے کہ یہ کام کے مفاد میں ہے، میں اپنے لیے نہیں لے رہا تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، مگر احتیاط اسی میں ہے کہ اسے رد کر دے اور نہ اپنے لیے قبول کرے نہ کام ہی کے لیے۔ کیونکہ یہ اسے اپنے لیے رکھنے پر اکسا سکتا ہے اور اس کے متعلق بدگمانی بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تحفہ دینے والا اس کی وجہ سے بے باک ہوجائے اور وہ اپنے معاملے کو دوسرے لوگوں کے معاملے کی نسبت بہتر انداز میں دیکھ سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب ایک آدمی کو زکات اکٹھی کرنے کے لیے بھیجا اور اس نے کہا: یہ آپ کا ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے، تو آپ ﷺ نے اس کا یہ کام سخت ناپسند فرمایا، اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''تم میں سے کسی کو کیا ہو گیا ہے؟ ہم اس کو اللہ کے کسی حکم پر عامل بناتے ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ تمھارا ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے، وہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھ جاتا، پھر دیکھتے اس کو تحفہ ملتا ہے کہ نہیں؟!''[1]

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ہر سرکاری ملازم کا یہ فرض ہے کہ اپنی ذمے داری نبھائے اور اپنے کام کے متعلق کوئی بھی تحفہ قبول نہ کرے، اگر اسے قبول کرے تو بیت المال میں جمع کروا دے۔ اس صحیح حدیث کی بنا پر اس کے لیے اسے اپنے لیے لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ شر اور امانت میں خیانت کا ذریعہ ہے۔ لا حول ولا قوة إلا باللّٰه (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 65/20)

276- باپ کا اپنے بیٹے سے تحفہ واپس لینے کا حکم

اگر باپ اس میں مصلحت سمجھے اور بیٹا اسے واپس کرنے کی استطاعت رکھے تو اسے کے لیے اسے واپس لے لینا جائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''کسی مسلمان آدمی کے لیے جائز نہیں کہ کوئی تحفہ دے، پھر اس سے رجوع کرلے مگر والد جو اپنے بیٹے کو دے اس سے رجوع کر سکتا ہے۔''[2]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 68/20)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحديث [2597]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [3539]

277- بیٹے کا باپ سے مطالبہ کرنا کہ وہ تحفہ دینے کے فیصلے کو عملی جامہ پہنائے اور اس کے لیے اس کو مجبور کرنا

بیٹے کے لیے ایسا کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ مذکورہ حدیث کی دلالت کے خلاف ہے بلکہ یہ نافرمانی کے زمرے میں آتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی حرام کر رکھی ہے اور اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔

صحیحین میں ابوبکرہ ثقفی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں کے متعلق نہ بتاؤں؟''

ہم نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے کہا:

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' آپ ﷺ سریر آرائے مسند تھے کہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے:

''ہاں، ہاں، جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی۔''❶

لہٰذا اولاد کا فرض بنتا ہے کہ والدین کی نافرمانی سے بچیں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے لیے مکمل کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ قَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ [الإسراء: 23]

''اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ﴾ [لقمان: 14]

❶ صحيح البخاري، رقم الحديث [5976] صحيح مسلم [87/143]

"میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"
اس موضوع پر کتاب وسنت کے دلائل بے شمار ہیں۔
(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 69/20)

278- خون دینے کا حکم

ضرورت کے وقت خون دینے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔
(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 71/20)

279- شادی کے دن دلہن کو تحائف دینے کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ تحائف دینا ایک قابل تعریف کام ہے کیونکہ تحفہ محبت اور الفت پیدا کرتا ہے، خصوصاً جب یہ ایک مستقل عادت ہو، یہ انسان سے بخیلی کی عار دور کر دیتا ہے۔

یہ تو تحفہ دینے والے کے متعلق ہے اور جسے تحفہ دیا جاتا ہے وہ یہاں دلہن ہے، اس کا اسے قبول کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، آپ تحائف قبول کرتے اور ان کے بدلے میں تحائف دیتے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/247)

280- جسے تحفہ دیا جائے اس کا اسے کسی دوسرے کو تحفتاً دے دینا

جسے کوئی تحفہ دیا جائے اس کے لیے اسے کسی دوسرے کو تحفتاً دینا جائز ہے، مثال کے طور پر اگر محمد، عبداللہ کو کوئی تحفہ دیتا ہے، تو عبداللہ کے لیے اسے عبدالرحمٰن کو دینا جائز ہے، کیونکہ یہ اس کی ملکیت ہے، جیسے چاہے اس میں تصرف کرے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/247)

281- سودی معاملات کرنے والے کا تحفہ قبول کرنا

سودی معاملات کرنے والے شخص کا تحفہ قبول کرنا، اس کے ساتھ خرید و فروخت کرنا اور اس کی دعوت قبول کرنا جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کا تحفہ قبول کیا اور اپنے اہل کے لیے یہودی سے کھانا خریدا۔

تاہم ہمیں علم ہو کہ اگر ہم اس سے دور رہیں، اس سے خرید و فروخت ترک کر دیں اور اس کے تحائف قبول نہ کریں تو وہ سود سے باز آ جائے گا تو ایسی صورت میں ہمیں ایسا کرنا چاہیے، اس سے کچھ خریدیں نہ اس کو کچھ بیچیں اور نہ اس کے تحائف ہی قبول کریں، کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ پر تعاون کی صورت ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 5/241)

282- عورت کو خوشبو کا تحفہ دینا

عورت کو خوشبو کا تحفہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ تحفہ محبت پیدا اور کینہ دور کرتا ہے اور تحفہ دینے والے کو اجر بھی ملتا ہے۔ جسے تحفہ دیا گیا ہے اگر وہ اسے حرام طریقے سے استعمال کرتی ہے تو اس کا گناہ اس کو ہوگا۔

لیکن اگر یہ علم ہو کہ جس کو تحفہ دیا گیا ہے وہ بازار میں خوشبو لگا کر نکلتی ہے اور یہ خوشبو بھی وہ بازار نکلتے وقت استعمال کرے گی تو پھر اس کو خوشبو کا تحفہ دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ گناہ اور زیادتی کے کام پر تعاون کی ایک شکل ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

”اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 8/247)

283- آدمی کا اپنی زندگی میں اپنا مال اپنے ورثا کو شرعی تقسیم کے مطابق بانٹ دینا

اہل علم کا کہنا ہے کہ انسان چاہے زندہ ہی ہو، اس کے لیے اپنا مال اپنے ورثا کے درمیان شرعی وراثت کے مطابق تقسیم کرنا جائز ہے، لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا نہ کرے، کیونکہ حالات تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اب تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کو مال کی ضرورت نہیں لیکن کل اسے کوئی ضرورت پیش آ سکتی ہے جس کے لیے مال کا ہونا ضروری ہو۔ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان یہ کام کر بیٹھتا ہے، پھر اس کو ایسی ضروریات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ خواہش کرتا ہے کہ اس کے پاس مال ہوتا! لیکن وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔

پھر ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے اب اپنا مال اپنے ورثا کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، شاید تو ان کا وارث بن جائے، کسے پتا موت پہلے کسے آئے گی؟ انسان کو یہی چاہیے کہ اس وقت تک اپنا مال باقی رکھے جب تک اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہ آ جائے، جب وہ وفات پا جائے گا تو پھر اس کا ترکہ شریعت کے مطابق تقسیم ہو جائے گا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 11/247)

284- تحفہ دیتے وقت اولاد کے درمیان فرق رکھنے اور بعض کو بعض پر ترجیح دینے والے کے متعلق شریعت کا حکم

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ حرام ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور بشیر بن سعد انصاری سے، جس نے تحفہ دینے میں اپنے بیٹے نعمان

کو ترجیح دی تھی، فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔''[1] نیز آپ ﷺ نے کہا: ''میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔''[2] آپ ﷺ نے اس پر گواہ بننے سے معذرت کی اور کہا: ''میرے علاوہ کسی دوسرے کو اس پر گواہ بنا لو۔''[3]

لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنی اولاد میں سے کچھ کے لیے جانبداری کا مظاہرہ کرے، بلکہ اس کو ان کے درمیان تحائف کی مساویانہ تقسیم کرنی چاہیے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان برابری رکھی ہے، لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دے، یہ محض تحفے اور خوشدلی سے کچھ دینے کے متعلق ہے، لیکن جو کچھ باپ اپنی اولاد کو اس کی ضرورت کی وجہ سے دیتا ہے تو اس میں اس کے درمیان عدل کی یہ صورت ہے کہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق دے، خواہ دوسروں کو جو اس نے دیا ہے وہ اس سے زیادہ ہو یا کم۔

مثال کے طور پر اگر بڑے بیٹے کو کتابوں اور سٹیشنری کی ضرورت ہو تو وہ اس کو اتنی رقم دے جس سے وہ اپنی کتابیں اور دیگر لوازماتِ مدرسہ خرید لے اور دوسروں کو، جن کو ضرورت نہیں، اس کے برابر نہ بھی دے تو اس میں بڑے بیٹے کو ترجیح نہیں، بلکہ یہ عدل ہے۔ جب دوسرے بھی بڑے کے مقام تک پہنچ جائیں اور ان کو بھی ان اشیاء کی ضرورت ہو جن کی اس کو تھی تو جتنا اس کو دیا تھا ان کو بھی اتنا دے دے۔

یہاں ایک اور مسئلہ بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی بڑی اولاد کی، جب وہ نکاح کے قابل ہو جائے، اپنی زندگی میں شادی کر دیتے ہیں، پھر وہ

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [2587] صحيح مسلم [1622/18]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [2650] صحيح مسلم [1266/14]
3. سنن أبي داود، رقم الحديث [2375]

چھوٹوں کے حق میں، جن کی شادی نہیں ہوئی ہوتی، اتنے مال کی وصیت کر جاتے ہیں، جتنا بڑوں کی شادی پر خرچہ ہوا تھا، یہ حرام ہے اور اس وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں، جو اس نے ان کے لیے وصیت کی تھی، اسے ترکے میں واپس کیا جائے اور ورثاء کے درمیان شرعی طریقے کے مطابق وراثت تقسیم کی جائے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 12/247)

285- اولاد باپ کے، ان کے کسی بھائی کو تحفہ دینے پر راضی ہو

اگر اولاد بالغ اور سمجھدار ہو تو جو ان کا باپ ان کے کسی بھائی کو کچھ دے اور وہ راضی ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ حق ان کا ہے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 46/247)

286- فروخت کرنے والے کا خریدنے والے کو تحفہ دینے کا حکم

اگر فروخت کرنے والا خریدنے والے کو کوئی تحفہ دے تو یہ اس کی ملکیت ہوگی اور وہ اس کا مالک، لیکن اگر خریدار کسی کمپنی یا حکومتی ادارے کا وکیل ہو تو پھر یہ تحفہ رشوت کے مشابہ ہوگا، کیونکہ یہ ایک عام سی بات ہے کہ جب اس وکیل کو کوئی تحفہ دیا جائے گا تو وہ اس خریدار کو دوسروں پر ترجیح دے گا، پھر یہ امکان بھی رہے گا کہ یہ سامان کم قیمت کا ہو یا قیمتی ہو، لیکن یہ تحفہ اسے جھکا دے گا، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ وہ دیگر لوگوں کے پاس جانے سے اجتناب کرے گا اور اسی سے خرید و فروخت کرے گا، لیکن اگر آدمی اپنے لیے کچھ خریدے اور لوگوں کو بیچے، پھر یہ فروخت کرنے والا اس کو کوئی تحفہ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 10/153)

287- تحفہ دے کر احسان جتلانے کا حکم

اگر تم قرآن پڑھتے ہو تو یہ آیت پڑھو:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی﴾ [البقرۃ: 264]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقے احسان رکھنے اور تکلیف پہنچانے سے برباد مت کرو۔''

جب آپ کوئی چیز دیں اور وہ صدقہ ہو تو اسے اللہ کے لیے کریں اور اگر وہ تحفہ ہو تو پھر اپنے درمیان اور اس شخص کے درمیان قربت پیدا کرنے کی نیت رکھیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''ایک دوسرے کو تحفے دو، تم میں محبت پیدا ہو جائے گی۔''[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تحفہ کینہ دور کر دیتا ہے۔''[2] (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 27/223)

288- ایک آدمی نے اپنی اولاد میں سے لڑکوں پر صدقہ کیا لیکن بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا

اگر یہ صدقہ لڑکوں کی کوئی ضرورت پوری کرنے کے لیے تھا جبکہ لڑکیاں، اپنے مال کی وجہ سے، یا اگر شادی شدہ تھیں تو اپنے خاوندوں کے مال کی وجہ سے ضرورتمند نہیں تھیں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ باپ اگر مالدار ہو اور اولاد

---

1. سنن البیھقي [196/6]
2. ضعیف. مجمع الزوائد [146/4]

غریب ہو تو ان پر خرچ کرنا باپ کا فرض ہے، اس لیے اگر وہ انھیں کچھ صدقہ دے دیتا ہے جس سے ان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو یہ کوئی قابلِ گرفت کام نہیں۔

لیکن اگر وہ انھیں محض خوش دلی سے کچھ دیتا ہے، پھر انسان کے لیے لڑکیوں کو چھوڑ کر لڑکوں کو دینا روا ہے، نہ کچھ لڑکوں کو کچھ پر ترجیح دینا ہی جائز ہے کیونکہ بشیر بن سعد نے اپنے بیٹے نعمان بن بشیر کو کوئی تحفہ دیا، وہ غلام تھا یا کوئی باغ یا دونوں ہی تھے، اور وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضرِ خدمت ہوئے تاکہ آپ ﷺ کو اس پر گواہ بنائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اپنی تمام اولاد کو یہ دیا ہے؟ یا اس جیسا کوئی کلمہ کہا، انھوں نے جواب دیا، نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔''[1]

پس بشیر نے اپنے بیٹے نعمان کو جو دیا تھا، واپس لے لیا۔ یہ اولاد کو تحفہ دیتے وقت ان کے درمیان فرق رکھنے کی حرمت کی دلیل ہے لیکن جو ضرورت رفع کرنے کے لیے ہو وہ اس میں شامل نہیں، جس طرح پہلے بیان ہوا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرض کریں کہ باپ ایسا کرنے سے پہلے وفات پا جاتا ہے یعنی اولاد کے درمیان مساوی تقسیم سے پہلے، تو پھر کیا اس کے لیے، جس کو ترجیح دی گئی تھی، وہ تحفہ اپنے پاس رکھنا جائز ہے؟ جواب ہے کہ نہیں، اس پر لازم ہے کہ اسے ترکے میں واپس کرے اور تمام ورثا اسے تقسیم کریں۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 15/247)

289- بیٹے کی تنخواہ لینا اور والدین کا اس سے فائدہ اٹھانا

باپ کو اجازت ہے کہ اپنے بیٹے کے مال سے جو چاہے لے لے لیکن

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2587] صحیح مسلم [1622/18]

شرط یہ ہے کہ بیٹے کو اس سے نقصان نہ ہو، لہٰذا والد اپنے بیٹے کی تنخواہ سے اتنا لے سکتا ہے جس سے بیٹے کو ضرر اور نقصان نہ ہو۔

لیکن والدہ اپنے بیٹے کے مال سے وہی لے سکتی ہے جو بیٹا اس کو دے، والدین کو چاہیے کہ اپنی اولاد کی تنخواہ ضرورت کے بغیر نہ لیں، یا جب وہ دیکھیں کے بیٹے کے تصرفات ایسے ہیں کہ اس سے مال لے لینا چاہیے، اس حالت میں جو مال بیٹے سے لیا جائے اسے لکھ لیا جائے کہ وہ بیٹے کا ہے، باپ کا یا ماں کا نہیں، جب تک وہ سمجھدار نہیں ہوجاتا اور مال کی قدر نہیں جانتا تب تک اس کا مال محفوظ رہے گا۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 48/247)

وصایا

290- وصیت کے متعلق شریعت کا حکم

جو اپنے مال سے کچھ وصیت کرنا چاہتا ہے، اس کو چاہیے کہ اس سے پہلے کہ موت اس کو آ لے، جلد از جلد اسے لکھوا لے اور اہتمام کے ساتھ اس کی توثیق اور گواہی کے کام نپٹا لے۔

اس وصیت کی دو اقسام ہیں:

(1) پہلی قسم: واجب وصیت: اپنے ذمے واجب الادا دوسروں کے حقوق کا ذکر اور بیان، جیسے: قرض، ادھار، یا بیع کے معاملات، یا امانتیں یا پھر اس کے اپنے لوگوں سے واجب الوصول حقوق اور معاملات کی تفصیل۔ اس صورت میں، اپنے اموال کی حفاظت اور اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دینے کے لیے، نیز موت کے بعد اپنے ورثا اور ان حقوق کے مالکان کے درمیان کسی بھی نزاع کے پیدا ہونے کے خدشے کو مٹانے کی خاطر، وصیت کرنا واجب ہے، کیونکہ آپ کا فرمان ہے:

"کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ اس کے متعلق وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ دو راتیں بھی ایسے گزارے کہ وہ اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔"[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2738] صحيح مسلم [1627]

② دوسری قسم: مستحب وصیت: یہ محض اپنی خوشی سے نیکی کے لیے کی جاتی ہے، جس طرح کوئی انسان وصیت کر جاتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مال کے تیسرے حصے سے یا اس سے کم، اس کے کسی غیر وارث رشتے دار کو دے دیا جائے یا نیکی کے کاموں میں، فقراء، مساکین پر صدقہ کرنے کے لیے، یا نیک مصارف میں، مساجد کی تعمیر میں اور دیگر فلاح و بہبود کے کاموں میں صرف کر دیا جائے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے جو حضرت خالد بن عبید سلمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھاری وفات کے موقع پر تمھارے مال سے تیسرا حصہ دیا ہے، جو تمھارے اعمال میں اضافے کا سبب ہے۔''[1]

ہیثمی ''مجمع الزوائد'' میں ذکر کرتے ہیں کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ امام احمد نے بھی مسند میں حضرت ابو درداء سے اس جیسی حدیث نقل کی ہے۔ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی حدیث میں بھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں مکہ میں تھا کہ رسول کریم ﷺ میری عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ اس زمین پر فوت ہونا ناپسند کرتے تھے، جس سے ہجرت کی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابن عفراء پر رحم فرمائے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: نصف؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: تیسرا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تیسرے حصے کی کر لو، لیکن تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔ اگر تم اپنے

❶ سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2709]

ورثاء کو مالدار چھوڑ دو تو یہ انھیں فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔"[1]

بخاری میں یہ الفاظ بھی ہیں: "میں نے کہا: میں وصیت کرنا چاہتا ہوں، جبکہ میری صرف ایک بیٹی ہے۔ میں نے کہا: میں نصف کی وصیت کر جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نصف زیادہ ہے، میں نے کہا: پھر تیسرا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تیسرا حصہ مناسب ہے پھر بھی زیادہ ہے۔"[2] وہ کہتے ہیں: پھر لوگوں نے تیسرے حصے کی وصیت کی اور آپ نے اسے ان کے لیے جائز قرار دیا۔

(اللجنة الدائمة: 18958)

291- وصیت کے لیے شرعی عبارت

وصیت حسبِ ذیل مخصوص عبارت میں لکھی جائے:

"میں زیر وصیت کنندہ، اللہ کی توحید، رسول کریم ﷺ کی رسالت، عیسیٰ کی عبدیت و رسالت، ان کے حضرت مریم کی طرف القا کیے گئے کلمے اور روح اللہ ہونے کی، جنت و دوزخ کے برحق ہونے کی، قیامت کے بلاشبہہ آنے کی اور قبروں سے اٹھائے جانے کی گواہی دیتے ہوئے اپنے اہل و عیال اور تمام رشتے داروں کو تقویٰ اختیار کرنے، باہم اصلاح قائم رکھنے، حق کی تلقین اور اس پر صبر کرنے کی وصیت کرتا ہوں، نیز انھیں وہی وصیت کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں اور یعقوب علیہ السلام نے کی تھی:

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1295] صحيح مسلم [1628/5]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2744]

﴿ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ [البقرة: 132]

”اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے تمھارے لیے یہ دین چن لیا ہے، تو تم ہرگز فوت نہ ہونا مگر اس حال میں کہ تم فرماں بردار ہو۔“

اس کے بعد اپنے مال سے تیسرے حصے کی یا اس سے کم یا کسی مخصوص مال کی جو تیسرے حصے سے زیادہ نہ ہو، وصیت کرنا چاہتا ہے، اسے ذکر کرے، اس کے شرعی مصارف بیان کرے اور اس پر جس کو وکیل بنایا ہے اس کا ذکر کرے۔ اگر انسان کسی چیز کی وصیت کرنا چاہے تو یہ مستحب ہے، واجب نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ اس کے متعلق وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ دو راتیں بھی ایسے گزارے کہ وہ اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔“[1]

لیکن اگر اس پر قرض ہو یا ایسے حقوق ہوں جنھیں ثابت کرنے کے لیے قانونی کاغذات نہ ہو تو پھر اس پر ان کی وصیت کرنا لازم ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی وصیت پر دو عادل گواہ مقرر کرے اور قابل اعتماد و صاحب علم آدمی سے اس کے تصدیق نامے کی تحریر لکھوائے، صرف اپنے خط پر اکتفا نہ کرے، کیونکہ اس میں ذمہ داران کے لیے خلط ملط ہونے اور اشتباہ کا امکان ہے، نیز بسا اوقات اس کو جاننے والے کسی با اعتماد شخص کا حصول بھی آسان نہیں ہوتا۔ واللہ ولي التوفيق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 26/20)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2738] صحيح مسلم [1627]

292- تیسرے حصے سے کم وصیت کرنے کا حکم

نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت سعد بن وقاص سے کہا جب وہ بیمار تھے اور انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے مال کے دو تہائی حصے کی وصیت کر دیں؟ فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا: آدھے مال کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، پھر سعد نے کہا: تیسرے حصے کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''تیسرے حصے کی کر دو، حالانکہ تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔ تم اپنے لواحقین کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ انھیں فقیر چھوڑ کر جانے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے رہیں۔''[1]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''کاش! لوگ تیسرے حصے سے صرفِ نظر کر کے چوتھے حصے کی طرف آئیں، کیونکہ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''تیسرے حصے کی وصیت کر لو، حالانکہ یہ بھی زیادہ ہے''[2] اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچویں حصے کی وصیت کی۔''

لہٰذا گزشتہ معروضات سے معلوم ہوا کہ وصیت اور حالتِ مرض میں صدقہ کرنے کی کم از کم حد تیسرا حصہ ہے۔ البتہ اس سے کم وصیت کرنے کی کوئی حد نہیں، وصیت کرنے والے کے لیے اپنے مال سے جو چاہے اس کی وصیت جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ تیسرے حصے سے زیادہ نہ ہو، اگر وہ تیسرے حصے سے کم، جیسے: چوتھے، پانچویں یا چھٹے حصے وغیرہ کی وصیت کرتا ہے تو یہ بہتر ہے، خصوصاً جب اس کا مال بہت زیادہ ہو۔

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [1295] صحيح مسلم [1628/5]
2. صحيح مسلم [1629/10]

افضل یہ ہے کہ وصیت فقراء و مساکین، مسافران، مجاہدین، تعمیر مساجد و مدارس اور اعزاء و اقارب پر صدقہ کرنے اور اس طرح کے دیگر نیک کاموں اور اچھائی کی سرگرمیوں کے لیے کی جائے، اگر وہ اپنی قربانی یا کسی متعین رشتے دار کے لیے قربانی کی وصیت کر جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بھی شرعی طور پر کارِ ثواب اور ذریعہ تقرب ہے۔

اسی طرح شادی کے اخراجات برداشت کرنے سے عاجز لوگوں کی مدد کے لیے، اپنے قرض ادا کرنے سے قاصر اور چٹی بھرنے والوں کی مدد و معاونت کے لیے اور اس طرح کے دیگر کاموں کے لیے وصیت کرنا جائز ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 88/20)

293- تیسرے حصے سے زیادہ وصیت کرنے سے منع کرنے کی حکمت

تیسرے حصے سے زیادہ وصیت کرنا ممنوع ہے کیونکہ ورثا کے حق کا تعلق مال سے ہے، لہٰذا جب کوئی انسان تیسرے حصے سے زیادہ وصیت کرتا ہے تو وہ ان کے حقوق ہضم کر جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مال کے دو تہائی حصے کی وصیت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، انھوں نے کہا: پھر آدھے مال کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، تو انھوں نے کہا: پھر تیسرے حصے کی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تیسرے حصے کی کر لو، حالانکہ وہ بھی زیادہ ہے، تم اپنے ورثا کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ انھیں نادار چھوڑ کر جانے سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"[1]

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [1295] صحیح مسلم [1628/5]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تیسرے حصے سے زیادہ وصیت کرنے کی ممانعت کی حکمت کی طرف خود اشارہ فرما دیا ہے، اس بنا پر اگر وہ تیسرے حصے سے زیادہ وصیت کرے اور ورثا اس کی اجازت دے دیں تو کوئی حرج نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3/249)

294- آدمی کا اپنی وفات سے پہلے اپنی وصیت نافذ کرنا

اگر کوئی انسان اپنی زندگی میں اپنے مال کا ایک تہائی حصہ دے جائے تو یہ وصیت نہیں بلکہ عطیہ ہوگا اور انسان جب تک زندگی سے بہرہ ور ہو، صحت مند ہو تو وہ اپنے مال سے جو چاہے جتنا چاہے رضا کارانہ طور پر دے سکتا ہے، اس پر کوئی پابندی نہیں، اگر اس کے مال کے ساتھ لوگوں کے کسی حق کا کوئی تعلق نہ ہو۔

مثال کے طور پر اگر وہ مقروض ہو تو ایسی صورت میں اس کا عطیہ دینا قرض خواہوں کے لیے نقصان دہ ہوگا، یا اس جیسی کوئی بھی صورت ہو۔ اہم بات یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں جو کچھ روبہ عمل لاتا ہے وہ وصیت نہیں ہوتی بلکہ عطیہ ہوتا ہے لیکن اگر یہ تنفیذ ایسے مرض میں ہو جس میں موت کا خوف ہو تو ایسی حالت میں یہ تیسرے حصے یا اس سے کم لیکن غیر وارث کے لیے وصیت شمار ہوگی کیونکہ ایسی حالت میں عطیے کا حکم وصیت کا حکم ہے اس لیے تیسرے حصے سے زیادہ اور کسی وارث کے حق میں عطیہ دینا جائز نہیں ہوگا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14/249)

295- ایسی وصیت نافذ کرنے کا حکم جو لکھی ہوئی ہو نہ اس پر گواہ بنائے گئے ہوں

اگر ورثا اس کی تصدیق کر دیں تو پھر کوئی حرج نہیں لیکن اگر وہ اس کی تکذیب کریں تو پھر یہ ثابت نہیں ہوگی۔

لیکن کیا ان کے لیے اس کی تکذیب جائز ہے کہ نہیں؟ اگر انھیں علم ہو کہ اس کی خبر دینے والا قابل اعتماد ہے تو پھر انھیں اس کی تکذیب نہیں کرنی چاہیے لیکن ان پر تصدیق کرنا بھی لازمی نہیں۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب انھیں یقین ہو کہ وہ قابل اعتماد ہے تو پھر وصیت نافذ کرنی چاہیے لیکن اگر انھیں اس معاملے میں شک ہو، مثلاً یہ آدمی مرنے والے کا دوست ہو اور انھیں خدشہ ہو کہ اس شخص نے یہ بات محض اس کی محبت جتلانے کے لیے کہی ہو، تو ضروری نہیں کہ وہ تصدیق کریں۔ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 21/191)

296- مال کے علاوہ کسی چیز کی وصیت کا حکم

وہ وصیت جس کا ذکر اس فرمان نبوی میں ہے کہ ''کسی مسلمان کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ اس کے متعلق کوئی وصیت کرنا چاہتا ہو تو اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ دو راتیں بھی ایسے گزارے کہ وہ اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو'' اس کا تعلق مال کے ساتھ ہے، البتہ جس وصیت کا تعلق لوگوں کو بھلائی کی نصیحت کرنے کے ساتھ ہو، اسے اشتہارات کی صورت میں یا کتابوں میں لکھ کر انسان کی زندگی میں بھی تقسیم کیا جائے اور اس کے مرنے کے بعد بھی۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 13/210)

297- وصیت کے متعلق ایک مسئلہ

ایسے مال کی وصیت کا حکم جو انسان کی ملکیت نہ ہو بلکہ اس پر قرض ہو اور وہ اس سے بَری الذمہ ہونے کے لیے اس کی وصیت کر دے۔

اول: تم پر لازم ہے کہ حقدار تک اس کا حق پہنچانے کے لیے اس کی تلاش کرو، اس سے اس کے متعلق پوچھو جس کو آپ کے خیال میں اس کی کوئی خبر ہوسکتی ہے، اگر آپ تلاش بسیار اور مکمل کوشش کے باوجود اس کا پتا لگانے میں ناکام ہو جاتے ہیں اور آپ کو کچھ پتا نہیں چلتا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے تو اس کے لیے ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اس رقم کا صدقہ کر دیں لیکن جب وہ آ جائے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے تو اس کا حق ادا کر دو اور جو تم نے صدقہ کیا تھا وہ تمھاری طرف سے ہو جائے گا، اگر تم اس کے کسی قریبی یا رشتے دار کو جانتے ہیں جو اس کا حق اس تک پہنچا دے گا تو اس کا وہ حق اس کے اس عزیز یا رشتے دار کو دے دو جو اس تک پہنچا دے، اگر تمھیں خبر ہو کہ وہ فوت ہو چکا ہے تو وہ مال اس کے ورثا کو دے دو، اگر یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں اور تم اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تو جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے، اس کی طرف سے اس کے لیے ثواب کی نیت رکھتے ہوئے اسے صدقہ کر دو، اگر اس کے بعد وہ آ جائے تو پھر تم پر اس کا حق لوٹانا واجب ہے اور وہ صدقہ تمھارے لیے ہو جائے گا۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 107)

298- وصیت نویسی

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی وصیت عدالت میں لکھوا دے، یا کسی معروف اور قابل اعتماد خط کے حامل، دین کے طالب علم کے پاس لکھوا دے تا کہ وہ اسے

شرعی قواعد کے مطابق جاری کرے، اور وصیت اپنے لڑکے لڑکیوں میں سے اس کے ہاتھ میں دے جس میں اچھائی، امانتداری اور قوتِ تنفیذ دیکھے۔

(اللجنة الدائمة: 17782)

299- وصیت نافذ نہ کرنے کا حکم

ولی (ٹرسٹی) پر واجب ہے کہ وہ شرعی وصیت کو رو بہ عمل لائے۔ اگر وصی، (وہ شخص جس کو وصیت کی گئی ہے) وصیت نافذ نہ کرے یا اس کی تنفیذ میں کوئی خرابی کرے تو ولی پر بوجھ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ [البقرة: 181]

''پھر جو شخص اسے بدل دے، اس کے بعد کہ اسے سن چکا ہو تو اس کا گناہ انھی لوگوں پر ہے جو اسے بدلیں، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔'' (اللجنة الدائمة: 10954)

300- وصیت میں طرف داری

مفسرین وصیت میں طرف داری کی مختلف انواع ذکر کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1. وہ تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت کر جائے۔ ایسی صورت میں ورثا کو اجازت ہے کہ تیسرے حصے سے زیادہ وصیت نافذ نہ کریں۔
2. بعض ورثا کو چھوڑ کر بعض کے لیے وصیت کر جائے۔ یہ وصیت باقی شرعی احکام کے پابند اور اچھے برے کی تمیز رکھنے والے ورثا کی رضا کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔

③ بعض ورثا کے لیے بعض سے زیادہ وصیت کر جائے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو اس سے پہلی صورت کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر مرض الموت میں ایسی چیز وقف کر جائے جو تیسرے حصے سے زیادہ ہو، یا وہ بعض ورثا کو چھوڑ کر بعض کے حق میں ہو تو اس کا بھی علما کے صحیح قول کے مطابق یہی حکم ہے۔ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ انھوں نے جب اپنی بیماری میں اپنے سارے مال یا آدھے مال کی وصیت کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیسرے حصہ کی کرلو اور یہ بھی زیادہ ہے۔''[1]

آخری مسائل کی دلیل یہ فرمانِ نبوی ہے:

''اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں۔''[2] (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 79/20)

301- مال تیسرے حصے کی وصت

سوال جب اس نے وصیت کی اور مال کے تیسرے حصے کا اندازہ لگایا، وہ رقم وفات کے وقت اس کے مال کے تیسرے حصے سے بڑھ گئی، ایسی حالت میں وفات کے وقت جو تیسرا حصہ بنتا تھا اس کا اعتبار کیا جائے گا؟

جواب اگر حقیقت حال وہی ہے جس کا سوال میں ذکر ہوا ہے کہ جس نے جس دن وصیت کی تھی، اس کی وفات کے وقت اس دن کے اندازے سے تیسرا حصہ زیادہ ہوگیا تو اس میں اس کی وفات کے دن اس کے مال کے تیسرے حصے کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس دن کے اندازے کے مطابق جس دن اس نے

---

❶ صحیح مسلم [1629/10]

❷ سنن أبي داود، رقم الحديث [3565] سنن الترمذي، رقم الحديث [2120]

تیسرے حصے کی وصیت کی تھی، کیونکہ وصیت، وصیت کرنے والے کی وفات کے بعد واجب تنفیذ ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 3695)

302- سارے مال کی وصیت

مناسب یہ ہے کہ آپ اپنے مال کے تیسرے حصے یا اس سے کم کی وصیت کریں، پھر اسے کسی مناسب پیداواری زمین کے ذریعے سے زیر استعمال لائیں اور اس کی آمدن نیکی اور اچھائی کے کاموں میں صرف کریں۔ مثال کے طور پر مساجد تعمیر کروائیں، غریب رشتے داروں اور دیگر ناداروں پر صدقہ وغیرہ کریں، جب اولاد میں سے کسی کا سلسلہ نسل چل نکلے اور ان میں سے کسی کو ضرورت ہو تو وہ بھی بقدر ضرورت اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تیسرے حصے کے بعد باقی مال ورثا کا ہوگا، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ کو اس کی وصیت کی۔ (اللجنة الدائمة: 7742)

303- ورثا کے لیے وصیت

ورثا کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں۔''[1] (اللجنة الدائمة: 10799)

304- اسلام میں وارث کے لیے وصیت کی ممانعت کی حکمت

اسلام نے وارث کے لیے وصیت کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت کی حدود متعین کی ہیں۔ ارشاد ہے:

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3565] سنن الترمذي، رقم الحديث [2120]

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ [النساء: 14,13]

''یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے وہ اسے جنتوں میں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے تجاوز کرے وہ اسے آگ میں داخل کرے گا، ہمیشہ اس میں رہنے والا ہے اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔''

اگر کسی انسان کی ایک بیٹی یا حقیقی بہن ہو تو بیٹی کو صاحبِ فرض (متعین حصے کی مالک) ہونے کی بنا پر نصف مال ملے گا اور بہن کو عصبہ ہونے کی بنا پر باقی ماندہ۔ اگر ایسی صورت حال میں وہ شخص اپنی بیٹی کے لیے ایک تہائی حصے کی وصیت کر جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ بیٹی دو تہائی حصے لے لے گی اور بہن صرف تہائی حصہ، یہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز ہے۔

اسی طرح اگر اس کے دو بیٹے ہوں تو مال ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ اگر وہ ایک کے لیے ایک تہائی کی وصیت کر جاتا ہے تو مال ان کے درمیان تین تہائیوں میں تقسیم ہوگا (یعنی کل مال کے تین حصے ہوں گے جن میں دو حصے وصیت والا لے جائے گا اور ایک حصہ دوسرا) اور اس میں حدود اللہ سے تجاوز ہے، اس لیے یہ حرام ہے، نیز اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو پھر وراثت میں حصوں کی تعیین بلا فائدہ ہوتی، لوگ جس طرح چاہتے کھلواڑ کرتے، ہر کوئی جس

کے لیے چاہتا وصیت کر جاتا اور ترکے سے اس کا حصہ بڑھ جاتا اور جسے چاہتا محروم کر دیتا اور اس کا حصہ وراثت سے کم ہو جاتا۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/249)

305- فوت شدہ بیٹے کے بیٹوں (یتیم پوتوں) کے لیے وصیت

تمھارے لیے، تمھارے فوت شدہ بیٹے کی اولاد کے لیے تیسرے حصے کی یا اس سے کم وصیت کرنا جائز ہے، کیونکہ وہ تمھارے وارث نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 18918)

306- وراثت میں بعض بیٹوں کو محروم رکھنے کی وصیت

یہ وصیت جائز نہیں کیونکہ یہ شریعت اور عدل کی روح کے خلاف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خصوصاً اولاد کے درمیان قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں۔"[1]

حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام تحفے میں دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو اس جیسا دیا ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو واپس لے لو۔"[2]

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث [3565] سنن الترمذي، رقم الحديث [2120]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [2586] صحيح مسلم [1622/9]

صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو'' [1] تو میرے والد نے اس صدقے سے رجوع کر لیا۔

اگر کوئی ایسی شرعی دلیل ہو جو ان دونوں کے کفر کا ثبوت مہیا کرے جیسے تمھاری وفات کے وقت ان کا تارکِ نماز ہونا تو پھر وراثت میں ان کا کوئی حصہ نہیں چاہے تم وصیت نہ بھی کرو کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''مسلمان کافر کا وارث بنتا ہے نہ کافر مسلمان ہی کا۔'' [2]

(اللجنة الدائمة: 1581)

307- رضا کارانہ طور پر اپنی نعش پوسٹ مارٹم کے لیے دینے کی وصیت کرنا

اس آدمی کے لیے یہ وصیت کرنا جائز نہیں کہ مرنے کے بعد اس کی نعش پوسٹ مارٹم کے لیے کسی سائنسی طبی ادارے یا یونیورسٹی کو دے دی جائے۔

(اللجنة الدائمة: 9421)

308- یتیم کی کفالت کرنے کی وصیت کرنا

تمھارے لیے تمھارے بعد یتیم کی کفالت کی وصیت کرنا جائز ہے جو ایک تہائی مال سے ہو۔ (اللجنة الدائمة: 14224)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2587]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6764] صحيح مسلم [1614/1]

309- لڑکی کی اس کے چچا زاد کے ساتھ شادی کرنے کی وصیت کرنا

یہ مذکورہ وصیت نافذ کرنا لازمی نہیں، کیونکہ آپ کا فرمان ہے:

''کنواری کا نکاح اس کی اجازت لیے بغیر نہ کیا جائے۔''

اور دوسرے الفاظ یہ ہیں:

''کنواری سے اس کا والد اجازت لے، اور اس کی اجازت اس کی خاموشی میں ہے۔'' (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 102/20)

310- کسی انسان کا مرنے کے بعد اپنی طرف سے قرآن خوانی کروانے کی وصیت کرنا

میت کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی طرف سے نیت کر کے قرآن خوانی کے لیے لوگوں کو اجرت پر منگوانا بدعت ہے، لہٰذا یہ جائز ہے نہ درست، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا دین نہیں تو وہ مردود ہے۔''[1]

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا کام پیدا کیا جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔''[2]

اس میت نے قاری کو اجرت کے طور پر دینے کی جو وصیت کی ہے اسے

---

1. صحیح البخاري، رقم الحدیث [60]
2. صحیح البخاري، رقم الحدیث [2697] صحیح مسلم [1718/17]

اس کی طرف سے نیکی کے کاموں میں صرف کر دیا جائے، جس کی اولاد فقیر ہو ان پر ان کی ضرورت کے مطابق خرچ کر دیا جائے، اسی طرح جو قرآن کریم کے طلبا اور دینی تعلیم حاصل کرنے والے بچے ہیں، ان میں جو ضرورت مند ہیں، ان پر خرچ کر دیا جائے کیونکہ وہ اس مالی معاونت کے مستحق ہیں، اسی طرح باقی اچھائی کے کام ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 1207)

311- مرنے کے بعد کھانے کی محفلیں سجانے کی وصیت کا حکم

مرنے کے بعد کھانے کی محفلیں سجانے کی وصیت کرنا بدعت ہے اور جاہلیت کا کام، اسی طرح میت کے گھر والوں کا ایسی محافل قائم کرنا بھی شریعت کی رو سے ناپسندیدہ ہے، خواہ مرنے والا وصیت کرے، کیونکہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

''ہم میت کے گھر اکٹھ کرنا اور دفن کرنے کے بعد کھانا بنانا نوحہ شمار کرتے تھے۔''[1]

نیز یہ اہل میت کے لیے کھانا پکا کر ان کی دلداری اور معاونت کے بھی خلاف ہے جس کا شریعت نے حکم دیا ہے، کیونکہ وہ اس پریشانی کی وجہ سے مشغول ہوتے ہیں۔ جب رسول کریم ﷺ کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''آل جعفر کے لیے کھانا بناؤ، کیونکہ ان پر جو مصیبت اتری ہے، اس کی وجہ سے وہ مشغول ہیں۔''[2]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 98/20)

---

1. سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1612]
2. سنن أبي داود، رقم الحديث [3132]

312- کسی مخصوص جگہ دفن کرنے کی وصیت

سب سے پہلے یہ پوچھنا ضروری ہے کہ اس نے وہ جگہ کیوں منتخب کی ہے؟ ممکن ہے اس نے کسی جھوٹے مزار یا ایسے مزار کے پہلو میں دفن ہونا منتخب کیا ہو جہاں شرک ہوتا ہے، یا اس جیسا کوئی حرام سبب ہو تو تب اس کی وصیت نافذ کرنا جائز نہیں، اگر وہ مسلمان ہو تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے لیکن اگر اس نے اس مقصد کے لیے نہیں بلکہ کسی دوسری غرض سے یہ وصیت کی ہے کہ اسے اس شہر یا علاقے میں منتقل کر دیا جائے، جہاں وہ رہتا رہا ہے تو ایسی وصیت پر عمل کرنے میں کوئی قباحت نہیں، اگر اس میں مال کا ضیاع نہ ہو۔ اگر اس میں مال کا ضیاع ہو اور اس کو نقل کرنے پر بہت زیادہ مال خرچ ہوتا ہو تو تب اس وصیت پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین، اگر مسلمانوں کی ہے، تو ایک ہی ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13/249)

313- بیوی کو وراثت سے محروم کرنا

سوال ایک آدمی نے وصیت لکھی: جب میں فوت ہو جاؤں تو جو ترکہ میں چھوڑوں وہ میرے حقیقی بھائیوں کا ہوگا اور میری بیوی کا وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

جواب یہ حرام کام ہے کیونکہ اس میں کچھ ورثا کے لیے وصیت ہے اور کچھ کو محروم رکھا گیا ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز اور چیرہ دستی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیوی کا بھی حصہ رکھا ہے، اگر اس کے خاوند کی اولاد ہو تو اس کا آٹھواں حصہ ہوگا اور اگر اس کی اولاد نہ ہو تو پھر اس کا چوتھا حصہ ہوگا۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہر صاحبِ حق کو اس کا حق دیا ہے، لہٰذا وارث کے لیے وصیت نہیں۔''[1]

یہ ظالمانہ وصیت ہے اور وصیت کرنے والا گنہگار ہے، اگر وہ زندہ ہے تو اسے پھاڑ دے اور اس کے ورثا پر لازم ہے کہ اس کا مال اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ضوابط کے مطابق تقسیم کریں، بیوی کو اس کا مکمل حصہ دیں اور ان کو بھی ان کا پورا حصہ دیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 14/249)

314- اعضاءِ بدن عطیہ کرنے کی وصیت

ہمارے خیال میں یہ موت سے پہلے جائز ہے نہ مرنے کے بعد ہی، چاہے مرنے والا ان کی وصیت ہی کیوں کر جائے اور کہے: جب میں مر جاؤں تو میری آنکھوں کا شفاف حصہ (کارینا) یا میرا گردہ یا جگر وغیرہ کسی کو دے دینا۔

ایسی وصیت پر عمل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ حرام کام کی وصیت ہے اور حرام کام کی وصیت نافذ نہیں کی جاتی۔ علماءِ کرام نے اس کا ذکر کیا ہے، دیکھیں فقہ حنبلی کی کتاب ''الإقناع'' کتاب الجنائز، فصل: میت کو غسل دینا۔ وہاں اس کی تفصیل آپ کو مل جائے گی۔

علماءِ کرام نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ میت کے اعضاء میں سے کوئی چیز بھی لینا جائز نہیں، چاہے اس نے اس کی وصیت ہی کیوں نہ کی ہو۔ انھوں نے اس حدیث مصطفی ﷺ سے دلیل لی ہے کہ ''کسی میت کی کوئی ہڈی توڑنا اس کو زندہ حالت میں توڑنے کے مانند ہی ہے۔''[2]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3565] سنن الترمذي، رقم الحديث [2120]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [3607] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1616]

یہ کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ آپ اپنی ذات کے متعلق آزاد نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: 29]

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

جان کو قتل کرنے کا یہ مفہوم نہیں کہ آپ چھری لے کر اپنے نفس کو ذبح کر دیں بلکہ ہر وہ کام جو جان کو نقصان پہنچانے کا سبب ہو وہ قتل نفس میں شامل ہے۔

بطور دلیل یہ حدیث نبوی بھی پیش خدمت ہے:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جنگی مہم میں بھیجا۔ ایک رات آپ جنبی (ناپاک) ہوگئے، وہ ایک خنک رات تھی، انھوں نے تیمّم کیا اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔ جب وہ لوٹ کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا:

''کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو جنابت میں نماز پڑھا دی؟

وہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد آیا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: 29]

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

رات بہت زیادہ سرد تھی لہٰذا میں نے تیمّم کیا اور نماز پڑھا دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیے۔[1] اقرار کرتے ہوئے یا انکار؟ اقرار کرتے ہوئے، کیونکہ اگر انکار

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [334]

کرتے تو تنبیہ فرما دیتے۔

لہٰذا میں کہتا ہوں: زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اعضا منتقل کرنا حرام ہے۔
(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 20/173)

315- ایک عورت نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے نماز پڑھی جائے اور روزے رکھے جائیں

جہاں تک میت کی طرف سے نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کی وصیت کرنے کا تعلق ہے تو اس پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ روزہ اور نماز بدنی اعمال ہیں جن میں نیابت نہیں ہوتی لیکن اگر اس پر نذر کے روزے ہوں تو پھر انھیں اس کی طرف سے رکھا جائے کیونکہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''جو اس حالت میں مر جائے کہ اس کے ذمے نذر کا روزہ ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے اسے رکھے۔''[1]

لہٰذا نذر کا روزہ میت کی طرف سے رکھا جائے اور اس کا ولی اسے اس کی طرف سے رکھے، لیکن جو نماز اور روزہ اصل شریعت کی وجہ سے لاگو ہوتا ہے اس میں نیابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ بدنی عمل ہے اور انسان سے مطلوب ہے کہ وہ خود اسے ادا کرے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 105)

316- بیٹے کے ہوتے ہوئے (یتیم) پوتے کے لیے وصیت کرنا

سوال میرا ایک چچا تھا اور اس کا ایک بیٹا تھا، میرا یہ چچا اپنے والد۔ میرے دادا۔ سے پہلے فوت ہوگیا۔ میرے دادا نے اپنی وفات سے پہلے اپنے

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1952] صحيح مسلم [1147/153]

دوسرے بیٹے کے بیٹے۔ میرے چچا زاد۔ کے لیے اپنے مال کے تیسرے حصے کی وصیت کر دی حالانکہ میرا والد موجود تھا۔

کیا اس وصیت پر عمل کرنا جائز ہے کہ نہیں اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو کیا میرا یہ چچا زاد میرے باپ کے ساتھ میرے دادا کے چھوڑے ہوئے مال سے وارث ہوگا؟

جواب وصیت دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

1. وہ ایک تہائی مال کے برابر یا اس سے کم ہو۔ اگر تیسرے حصے سے زیادہ ہو تو درست نہیں ہوگی البتہ یہ کہ ورثا اس کے مرنے کے بعد اس کی اجازت دے دیں۔
2. وہ وارث کے لیے نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دیا ہے، لہٰذا کسی وارث کے لیے وصیت نہیں۔''[1] اور علما کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔

تمھارا یہ چچا زاد بھائی جس کا تم نے ذکر کیا ہے وہ چونکہ اپنے چچا (تمھارے باپ) کی وجہ سے محجوب (وراثت سے محروم) ہے لہٰذا اس کے لیے جو وصیت ہے وہ غیر وارث کے لیے وصیت ہے اور یہ ایک تہائی یا اس سے کم کی حدود میں جائز ہے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 106)

317- اگر وصیت ترکہ تقسیم ہونے کے بعد ملے؟

سوال مرنے والے نے اپنے مال کا تیسرا حصہ وقف کر دینے کی وصیت کی تھی، وہ وصیت گم ہوگئی اور ترکہ تقسیم ہوگیا۔ ایک عرصے کے بعد وہ دوبارہ مل گئی؟

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3565] سنن الترمذي، رقم الحديث [2120]

جواب اس صورت کا حکم یہ ہے کہ ہر وارث کے حصے سے تیسرا حصہ لیا جائے، پھر اس وصیت کے مطابق اس وقف کو عمل میں لایا جائے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس نے اپنے مال کا ایک تہائی حصہ وقف کرنے کی وصیت کی ہو یا یہ وصیت کی ہو کہ اس کے مال کا تیسرا حصہ فقرا وغیرہ پر صَرف کیا جائے۔

اگر وہ وقف، حالتِ صحت میں کسی حاضر اور موجود چیز کا ہو، یعنی وقفِ ناجز ہو تو پھر اس مکمل وقف پر عمل کیا جائے گا، مثال کے طور پر اگر وہ کوئی زمین ہو تو ورثا اس سے اپنے ہاتھ اٹھا لیں کیونکہ اس کا وقف ہونا ثابت ہو چکا ہے، اسی طرح اس نے کوئی زمین مسجد وغیرہ بنانے کے لیے وقف کی ہو تو وہ زمین ورثا سے چھین کر اسی کام کے لیے استعمال کی جائے جس کے لیے وقف کرنے والے نے وقف کی تھی، لہٰذا وصیت اور وقف ناجز (موجود وقف) کے درمیان فرق سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ وصیت وہ ہوتی ہے جو موت کے بعد ثابت ہو۔

مثلاً اگر کوئی شخص اپنا گھر وقف کرنے کی وصیت کرتا ہے تو یہ وصیت اس کی موت کے بعد رو بہ عمل ہوگی، ایک تہائی یا اس سے کم مال کی ہوگی، کسی وارث کے لیے نہیں ہوگی اور وصیت کرنے والے کو اسے منسوخ کرنے، واپس کرنے اور کم یا زیادہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن موت کے بعد صرف تیسرے حصے کے برابر یا اس سے کم نافذ کی جائے گی لیکن جو وقف ناجز (موجود) ہوتا ہے وہ فوراً نافذ ہو جاتا ہے، وقف کرنے والا اس میں تصرف کرنے کا مالک نہیں ہوتا، نہ وہ اسے واپس ہی لے سکتا ہے، خواہ کل کا کل مال ہی اس میں صَرف کیوں نہ ہو جائے لیکن اگر وہ یہ کام مرض الموت میں کرے تو پھر ایک تہائی سے زیادہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا، یعنی کل ترکے کے ایک تہائی کے برابر۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 23/249)

318- باپ وصیت کیے بغیر فوت ہو گیا

اگر حقیقت حال ایسے ہی ہے تب تیسرا حصہ نکالنا ضروری نہیں۔ اگر ورثا میں معاملہ فہم اور سمجھدار افراد ترکے سے کوئی چیز رضا کارانہ طور پر نکال دیں جو میت کے لیے صدقہ ہو تو یہ بہتر ہے۔ (اللجنة الدائمة: 6541)

319- وصیت واپس لے لینا

وصیت واپس لے لینا جائز ہے کیونکہ یہ موت سے پہلے لازم نہیں ہوتی۔ (اللجنة الدائمة: 4245)

320- وصیت میں اگر ورثا پر ظلم ہو تو اسے واپس لے لینا

ایسی وصیت سے رجوع کر لینا نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ تمھارے لیے بہتر بھی ہے اور ورثا کے حق میں زیادہ درست، جبکہ آنحضرت ﷺ سے اس کی دلیل بھی ثابت ہے۔ (اللجنة الدائمة: 13977)

321- نگران وصیت (ٹرسٹی) کے لیے اجرت کی تعیین

اللہ تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں یتیموں کے نگرانوں کے متعلق فرماتے ہیں:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ ﴾ [النساء: 36]

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں کے۔“

نیز فرمایا:

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾

[البقرۃ: 220]

”اور وہ تجھ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دے ان کے لیے کچھ نہ کچھ سنوارتے رہنا بہتر ہے اور اگر تم انھیں ساتھ ملا لو تو تمھارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے جانتا ہے۔“

اگر نگران اپنے کاموں کی اجرت یا یتیموں کے مال سے نفع کی کوئی مخصوص شرح لینا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ شرعی حاکم کی طرف رجوع کرے جو شریعت کے مطابق اس کی تعیین کر دے۔ واللہ ولي التوفيق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 103/20)

وقف

322- انسان کا سارا مال اپنی اولاد کے لیے وقف کر دینا

انسان کا سارا مال اپنی اولاد کے لیے وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں طرفداری کا پہلو ہے۔ اس وقف کی وجہ سے بیویوں اور دیگر تمام وارثوں کو شرعی وراثت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ ورثا میں سے جو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا وہ وراثت (جو اس کا حق تھا) اور منفعت (جو اس کو وقف کی صورت میں حاصل ہوتی) دونوں ہی سے محروم ہو گیا ہے اور جو فائدہ اٹھاتا ہے (وقف کی وجہ سے) وہ شرعی وراثت سے محروم رہتا ہے اور وراثت سے جو حصہ اس کو ملنا تھا اس میں بھی وہ تصرف نہیں کرسکتا، لہٰذا یہ خلافِ شرع کام ہے۔

شرعی طریقہ یہ ہے کہ انسان تیسرے حصے کو نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کے لیے وصیت کر دے اور ضرورت مند ورثا کے لیے اس کی آمدنی وقف کر دے تاکہ وہ اس سے کھاتے رہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

صحیحین میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مروی ہے کہ جب انھوں نے پوچھا کہ کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر جاؤں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے کہا: آدھے کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: تیسرے حصے کی اور تیسرا حصہ بھی زیادہ ہے۔"[1] اور امام احمد، ابو داود اور ترمذی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [1295] صحيح مسلم [1628/5]

نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وارث کے لیے وصیت نہیں۔“[1]
(اللجنة الدائمة: 577)

323- اولاد میں سے کچھ کو چھوڑ کر کچھ کے لیے وقف کر دینا

اپنی اولاد میں سے کچھ کو چھوڑ کر کچھ کے لیے وقف کر دینا جائز نہیں کیونکہ اس وقف میں جانبداری ہے جو اس فرمان مصطفیٰ کی وجہ سے حرام ہے کہ ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔“[2] (اللجنة الدائمة: 4412)

324- لڑکیوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے لیے وقف کرنا

ہماری رائے کے مطابق وقف اولاد میں سے صرف ضرورت مند کے لیے ہونا چاہیے، چاہے وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ یہ سلسلہ نسل درنسل جاری رہ سکتا ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ مالدار کر دے وہ فقیر کے ساتھ شریک نہ ہوں، اگر یہ ختم ہو جائیں تو اس کی آمدن فقرا پر صدقہ اور مساجد کی تعمیر وغیرہ کی طرح کے نیکی اور اچھائی کے کاموں میں صَرف کر دی جائے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 17/20)

325- ایک بیوی اپنے خاوند اور اہل خانہ کو وراثت سے محروم رکھنے کے لیے اپنا سارا مال وقف کرنا چاہتی ہے

اگر مقصد یہ ہے کہ تم اپنی زندگی میں وقفِ ناجز (نقد اور حاضر مال سے

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3565]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [2587] صحيح مسلم [1622/18]

کرنا چاہتی ہو اور وہ نیکی کے کاموں میں ہو اور ورثا کو محروم کرنے کی نیت سے نہ ہو تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن اگر موت کے بعد وقف کرنا مقصود ہو تو یہ تیسرے حصے یا اس سے کم کی حدود میں رہتے ہوئے غیر وارث کے لیے جائز ہے۔

(اللجنۃ الدائمۃ: 19553)

326- میں اپنے فوت شدہ بھائی کے نام پر قرآن کریم کے چند نسخے کسی مسجد میں رکھنا چاہتا ہوں

اگر یہ تیرے مال سے ہے تو جائز ہے اور تجھے بھی تمھارے اس عمل میں اخلاص کی وجہ سے اجر ملے گا اور اگر یہ فوت شدہ کے ترکے سے ہو تو پھر ورثا کی رضا مندی سے جائز ہے اور تمھیں اور فوت شدہ کو تمھارے عمل اور اخلاص کے مطابق ثواب ملے گا۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 9305)

327- قرآن کریم پڑھنے کے لیے مسجد سے گھر لے جانا

جو قرآن کریم کے نسخے اور کتابیں کسی خاص جگہ پڑھنے اور فائدہ اٹھانے کے لیے وقف ہوں انھیں وہاں سے اٹھا کر لے کر جانا جائز نہیں، خواہ وہ حرم پاک ہو یا کوئی اور جگہ، لیکن اگر وہ جگہ بے کار اور بے آباد ہو جائے تو پھر انھیں اس جیسی جگہ یا فائدہ اٹھانے کے لحاظ سے اس سے بہتر کسی جگہ منتقل کرنا جائز ہے لیکن جو چیز مطلقاً فائدہ اٹھانے کے لیے وقف ہو اس سے کسی دوسری جگہ بھی، جیسے گھر وغیرہ میں، نگران کی اجازت سے فائدہ اٹھانا درست ہے، پھر قرآن کریم کے نسخے بے شمار ہیں اور ان کی قیمت بھی انتہائی کم ہے، لہٰذا انھیں ان کی جگہ سے اٹھا کر لے کر جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (اللجنۃ الدائمۃ: 3863)

328- ضرورت کے لیے ایک مسجد سے دوسری مسجد میں قرآن کریم کے نسخے منتقل کرنے کا حکم

اگر کسی چھوٹی مسجد میں موجود قرآن کریم کے نسخوں کی ضرورت نہ ہو، تو پھر اس مسجد سے، جس میں ضرورت نہیں، ضرورت مند مسجد میں انھیں منتقل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ مقصود بہر حال نمازیوں کا ان سے فائدہ اٹھانا ہے، لیکن امام مسجد کی اجازت ضروری ہے کیونکہ مسجد کی ضرورت کے متعلق وہی بخوبی جانتا ہے۔ واللہ الموفق (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 15/20)

329- وقف کردہ کتابوں سے اگر فائدہ اٹھایا جانا ممکن نہ رہے تو انھیں فروخت کرنے کا حکم

اگر وقف کردہ کتاب کے اوراق پھٹ جانے یا بوسیدہ ہوجانے کی وجہ سے اس سے فائدہ اٹھانا اور اسے پڑھنا ناممکن ہوجائے تو اسے بیچ کر اس کے بدلے نئی کتاب خرید لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر کتاب باقی ہو اس سے فائدہ اٹھانا بھی ممکن ہو اور کوئی آدمی پہلے آدمی ہی کے لیے اجر کی نیت رکھتے ہوئے اسے بدل کر اس سے بہتر کتاب خرید کردے تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس نے وقف کو اس سے بہتر میں تبدیل کر دیا ہے، لیکن اگر وہ پہلے وقف کو کالعدم قرار دے کر اپنے لیے اجر مخصوص کرنا چاہتا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس میں دوسرے پر زیادتی ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 22/129)

330- پرانی مسجد مسمار کر کے اس کی جگہ پبلک لائبریری قائم کرنا

کسی موجود مسجد کو، خواہ وہ قدیم ہی ہو، محض اس غرض سے منہدم کرنا جائز نہیں کہ اس کی جگہ کوئی پبلک لائبریری قائم کر دی جائے، بلکہ اگر وہ مسجد گری ہوئی ہو تب بھی اس کی جگہ عوامی کتب خانہ قائم کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ مسجد پرانی ہو تو اس کی مرمت کرنا اور اگر منہدم ہوگئی ہو تو پھر اس کی جگہ نئی مسجد بنانا ضروری ہے، اور اس کی ترمیم و اصلاح کے لیے اگر اس کا کوئی حصہ بیچنا بھی پڑے تو کوئی حرج نہیں۔

وقف شدہ چیز فروخت کی جا سکتی ہے، نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ ورثے میں تقسیم ہی ہوسکتی ہے کیونکہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیبر میں ملنے والا مال صدقہ کرنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: ''اس کی اصل اس طرح صدقہ کر دو کہ اسے فروخت کیا جائے، نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثت ہی میں دیا جائے لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے۔''[1]

یہ ہر وقف کے متعلق عمومی بیان ہے، علما نے صرف اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جب اس کے فوائد کارآمد نہ رہیں، یا اسے ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں اس کی زیادہ ضرورت ہو، اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے اور وہ جگہ اس کے لیے زیادہ مناسب ہو، تب اسے، اس کے فائدہ کو باقی رکھنے اور اس میں اضافہ کرنے کی خاطر بیچنا اور دوسری جگہ میں تبدیل کر دینا جائز ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کو جب یہ خبر ملی کہ کوفہ میں بیت المال پر نقب زنی ہوئی ہے تو انھوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو لکھ کر بھیجا کہ کھجور فروشوں کے بازار میں جو مسجد ہے اسے منتقل کر دیں اور مسجد کے قبلے کی

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2746]

جگہ بیت المال بنا دیں کیونکہ مسجد میں تو کوئی نہ کوئی نمازی ہمیشہ رہتا ہے۔

یہ کام صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور اس میں کوئی اختلاف ظاہر نہیں ہوا، لہٰذا یہ اجماع ہے۔ مزید برآں اس کام کی وجہ سے، جب وقف کا مادی وجود اور اس کی شکل و صورت باقی رکھنی ناممکن ہو جائے تو معنوی طور پر تو وہ محفوظ ہو جاتا ہے، لیکن احتیاط کا تقاضا ہے کہ یہ بیع یا تبدیلی گزشتہ جواز کی صورت میں شرعی حاکم یا اس کے نائب کے ہاتھوں ہونی چاہیے تاکہ یہ وقف لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بننے سے محفوظ رہے۔ (اللجنة الدائمة: 10483)

331- مسجد کی تعمیر کے لیے وقف مال سے کچھ لے کر مساکین پر خرچ کر دینا

وقف جب کسی متعین اور مقرر چیز کا ہو، جیسے: مسجد وغیرہ، تو اسے اس دوسری جگہ صرف کرنا جائز نہیں سوائے اس کے کہ اس وقف شدہ مسجد کے فوائد ختم ہو جائیں، اس کے اردگرد آبادی نہ ہونے کے سبب اس میں نماز نہ پڑھی جائے تو پھر اسے متعلقہ سرکاری محکمے کے ذریعے سے دوسری مسجد میں منتقل کر دیا جائے۔

(اللجنة الدائمة: 15920)

332- مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنے کے لیے مخصوص رقم کسی بنک میں حفاظت کی غرض سے رکھوانا

اس مصلحت کے پیش نظر جس کا ذکر ہوا، ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 15040)

333- مسجد کے لیے وقف جگہ میں گھر یا دکانیں بنانا

سوال اگر کوئی مرد یا عورت مسجد کے نام پر کوئی جگہ وقف کرے، کیا اس میں رہائش کے لیے گھر یا کرائے پر دینے کے لیے دکانیں وغیرہ بنانا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب جب کوئی انسان کوئی جگہ مسجد کے نام پر وقف کرتا ہے تو اس کے لیے وہاں امام، مؤذن یا خادم کی رہائش کے لیے مسجد کے تابع گھر تعمیر کرنا جائز ہے یا انھیں کرائے پر دے دیا جائے تاکہ ان کا کرایہ مسجد کی اصلاح و مرمت وغیرہ کے کام آ سکے، اسی طرح کرائے پر دینے کے لیے دکانیں بنانا بھی جائز ہے تاکہ ان کی آمدن سے مسجد کے اخراجات پورے کیے جا سکیں لیکن یہ احتیاط ضروری ہے کہ مسجد کی تعمیر میں جو مصلحت مقصود ہے اسے کوئی نقصان نہ پہنچے مثلاً نمازیوں کے لیے جگہ وغیرہ تنگ نہ ہو جائے۔ (اللجنة الدائمة: 3505)

334- امام مسجد کے لیے مخصوص گھر کرائے پر دینا

امام مسجد کے لیے، امام کے لیے وقف گھر، کرائے پر دینا جائز ہے اور وہ اس کا کرایہ خود رکھ سکتا ہے، جب تک وہ منصبِ امامت پر فائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 2288)

335- مسجد کے لیے وقف کردہ زمین پر سکول بنانا

مسجد کے لیے وقف کردہ زمین مسجد کے تابع ہوتی ہے لہٰذا اسے سکول میں تبدیل کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کام کی وجہ سے وقف، وقف کرنے والے کے مقصد سے تبدیل ہو جاتا ہے لیکن اس جگہ کی وقفیت مسجد کے لیے باقی رکھتے ہوئے وہاں یا مسجد میں بچوں کو پڑھانا ممکن ہے۔ (اللجنة الدائمة: 18050)

336- مسجد کے لیے وقف شدہ زمین پر جب مسجد بنانا ناممکن ہو تو اسے بیچ کر مسجد بنانے کے لیے کوئی دوسری جگہ خریدنے کا جواز

جب میونسپل کمیٹی کسی زمین پر کوئی اسلامی مرکز قائم کرنے سے روک دے اور اس کی جگہ اس سے زیادہ کوئی متبادل زمین جمعیت کو دے دے تو دوسری جگہ خریدنے کے لیے اور وہاں مسجد اور تعلیم اور دینی سرگرمیوں کے لیے اسلامی مرکز کی تعمیر کے لیے پہلی زمین اور اس میں جو کچھ ہے، سب بیچنا جائز ہے۔

(اللجنة الدائمة: 12985)

337- بیٹے کا اس مسجد کو منہدم کر دینا جسے اس کے والد نے بنایا تھا اور اسے اپنی رہائش کے لیے گھر میں تبدیل کر لینا

بیٹے کے لیے اس مسجد کو گرانا جائز نہیں جسے اس کے والد نے بنایا تھا، خصوصاً جب اس مسجد کو لوگوں کے نماز پڑھنے کے لیے چھوڑ دیا اور وہ وہاں نماز پڑھتے ہوں کیونکہ اسے وقف سمجھا جائے گا اور وقف وراثت میں تقسیم نہیں ہوتا۔

(اللجنة الدائمة: 8366)

338- ایک مسجد کا مال دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا حکم

جب وہ پہلی مسجد جس کے لیے اس نے مال اکٹھا کیا تھا، مکمل ہو چکی ہے اور اسے مال کی ضرورت نہیں رہی تو جو باقی مال بچ جائے اسے دوسری مساجد کی تعمیر میں صرف کیا جائے، نیز مسجد کے ساتھ جو اضافی چیزیں ہوتی ہیں جیسے لائبریری، طہارت خانے وغیرہ انھیں بھی بنایا جائے، جس طرح اہل علم نے

کتاب الوقف میں اس کے متعلق صریح عبارت میں لکھا ہے۔

پھر یہ مسجد بھی اس مسجد کی جنس سے ہے جس کے لیے اس نے مال خیرات کیا ہے اور یہ بھی ایک معلوم حقیقت ہے کہ مخیّر حضرات اپنا زائد مال اللہ تعالیٰ کے کسی گھر کی تعمیر میں خرچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر کوئی ضرورت مند مسجد نہ ہو تو یہ مال مسلمانوں کے لیے اور رفاہ عامہ میں بھی صَرف ہوسکتا ہے، جیسے مدارس تعمیر کروانا، راستے بنوانا اور فقراء پر خرچ کرنا۔ واللہ ولي التوفيق

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 14/20)

339- والد کے صدقہ جاریہ کے لیے مسجد بنانا

سوال جو کوئی اپنے فوت شدہ والد کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے پروردگار! یہ مسجد میرے فوت شدہ والد کے لیے صدقہ جاریہ ہو۔

جواب ہاں، یہ اس کے لیے صدقہ جاریہ ہوگا، لیکن اس نے اسے نہیں بنایا بلکہ تم نے اسے بنایا ہے، جب تک اس مسجد میں لوگ نماز پڑھتے رہیں گے اور اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے تو تیرے باپ کو اس کا اجر ملتا رہے گا۔

لیکن میں تجھے اس سے بہتر عمل بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم اپنے والد کے لیے دعا کرو اور نیک اعمال اپنے لیے کرو، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

''جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے تین اعمال کے سوا باقی اعمال منقطع ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہیں: صدقہ جاریہ، علم، جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔''[1]

یہاں صدقہ جاریہ سے مراد وہ صدقہ ہے جسے مرنے والا اپنی موت سے

[1] صحیح مسلم [1631/14]

پہلے قائم کر جائے۔ اولاد کے متعلق آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا:

''یا اس کی نیک اولاد ہو جو اس کے لیے صدقہ کرے۔''

آپ ﷺ نے عمل کی نہیں دعا کی راہ سجھائی ہے۔ میں اس سوال کرنے والے بھائی کو یا جس نے سوال کیا ہے یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ وہ میت کے لیے بہ کثرت دعا کرتا رہے اور نیک اعمال اپنے لیے کرے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2/250)

340- مسجد میں کم استعمال ہونے والی چٹائیوں وغیرہ کو نکالنے کا حکم

جب مسجد میں ان سے بہتر چٹائیاں آ جائیں تو انھیں نکالنا جائز ہے، لیکن انھیں قطعی طور پر نکال دینا اور مسجد کو ننگے فرش ہی رکھنا درست نہیں کیونکہ پرانی چٹائیوں کا ہونا، نہ ہونے سے تو بہتر ہے، لیکن اگر اس لیے نکالا جائے کہ ان کے بدلے کوئی بہتر چیز بچھا دی جائے تو کوئی حرج نہیں، اس ضرورت کے پیشِ نظر جب انھیں نکالیں تو ضائع کرنے کے لیے نہیں بلکہ جو ضرورتمند ہو یا جو چھوٹی مسجد ہو وہاں دے دیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 22/250)

341- میں نے قبرستان کے لیے زمین وقف کی، پھر مجھے اس کی ضرورت پیش آ گئی

جو زمین تم نے وقف کی ہے اس کا ایک حصہ بھی واپس لینا جائز نہیں کیونکہ وہ تمھارے ہاتھ سے نکل کر اس منفعت کیشی کی طرف منتقل ہو چکی ہے جس کے لیے تو نے اسے وقف کیا تھا۔ اگر وہاں دفن کرنے کے لیے اسے

استعمال کیا جائے تو بہتر ہے، وگرنہ اسے بیچ کر اس کی قیمت سے اس کی جگہ کوئی دوسری زمین خرید کر اسے قبرستان بنا دیا جائے۔

یہ تصرف اس جگہ کے جج کی معرفت ہو جہاں زمین وقف کی گئی تھی، اللہ سے اجر کی امید رکھ، وہ تجھے اس کا بہتر عوض دے گا، جو تو نے خرچ کیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 1307)

342- قبرستان کے لیے مخصوص جگہ پر مدارس کی تعمیر

قبرستان کو کلاس روم وغیرہ بنانے کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں، بلکہ قبرستان کی چار دیواری کی جائے اور کسی بھی قسم کے استعمال سے قبروں کی بے حرمتی نہ کی جائے کیونکہ جس طرح زندہ مسلمان کی حرمت ہے، اسی طرح فوت شدہ مسلمان کا بھی تقدس ہے، پھر رسول کریم ﷺ نے قبروں پر بیٹھنے اور کسی بھی طرح ان کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1] لہٰذا مدرسہ ایسی جگہ منتقل کیا جائے جہاں قبریں نہ ہوں۔ (اللجنة الدائمة: 16624)

343- گروی رکھا ہوا گھر وقف کرنا

وقف کی شرط ہے کہ وہ مالک کی خالص ملکیت ہو، اور کسی دوسرے کا اس میں یا اس پر کوئی حق نہ ہو، لہٰذا یہ گھر جب تک کسی شخص یا ادارے کے پاس گروی رکھا ہوا ہے اور رہن کی ادائیگی نہیں ہوتی تب تک اسے وقف کرنا جائز نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 17196)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3225]

344- اپنے حصے کی رہن میں رکھی ہوئی زمین کو وقف کرنے کا وعدہ کرنا اور رہن واپس لینے کا ارادہ رکھنا

اگر حقیقت حال ایسے ہی ہے جیسے ذکر ہوا ہے تو پھر یہ وقف صحیح نہیں کیونکہ یہ گروی رکھا ہوا ہے، اور تم نے وقف کو عملاً نافذ نہیں کیا بلکہ ان الفاظ میں وعدہ کیا ہے کہ "میں اپنا حصہ وقف کر دوں گا" اس طرح اگر تم رہن چھڑوانے کے بعد اسے وقف کر دیتے ہو یا کوئی بھی اس میں شریعت کے مطابق تصرف کرتے ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 2880)

345- رئیل اسٹیٹ ڈویلپمنٹ فنڈ سے قرض لے کر تعمیر کی گئی عمارتوں کو وقف کرنا جو ابھی تک اس ادارے میں گروی ہیں

اس مسئلے میں علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے جو ایک دوسرے مسئلے پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا رہن قبضے میں لیے بغیر ہی لازم ہو جاتا ہے کہ نہیں؟ جس کا کہنا ہے کہ یہ قبضے میں لیے بغیر لازم نہیں ہوتا، اس کے قول کے مطابق وقف وغیرہ کی طرح تصرفات، جو ملکیت منتقل کر دیتے ہیں، درست ہیں کیونکہ رہن قبضے میں نہیں لیا گیا، اور جس کا یہ قول ہے کہ خواہ رہن میں رکھی گئی چیز قبضے میں نہ بھی لی گئی ہو تب بھی رہن لازم ہو جاتا ہے۔ اس کے مطابق وقف اور اس طرح کے دوسرے ملکیت منتقل کرنے والے تصرفات درست نہیں ہوتے، اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ جب تک بنک کے واجبات ادا نہ کر دیے جائیں تب تک انھیں وقف نہ کیا جائے تاکہ علما کے اختلاف سے

بھی نکلنے کی راہ پیدا ہو جائے اور اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے کہ ''مسلمان اپنی شرطوں کی پاسداری کرتے ہیں۔''[1] (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 25/20)

346- ورثا کی اجازت کے بغیر ان کا مال وقف کر دینے کا حکم

یہ باطل کام ہے، کیونکہ میت کا مال اللہ تعالیٰ کی تقسیم کے مطابق ورثا کا حق ہے، جسے ان کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر ان سے سلب کرنا جائز نہیں۔ فرمانِ نبوی ہے: ''کسی مسلمان آدمی کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔''[2] اور یہ وقف باطل اور ناجائز ہے کیونکہ یہ ظلم ہے اور ناجائز طریقے سے لوگوں کا مال کھانے کے زمرے میں داخل ہے۔ (اللجنة الدائمة: 20305)

347- سائل پر مشتبہ ہو گیا ہے کہ اس کی زمین کے ساتھ وقف زمین کا کچھ حصہ بھی شامل ہو گیا ہے

تمھارے پڑوس میں جو وقف کی زمین ہے اس کے متعلق احتیاط سے کام لو، اور اگر اس زمین کے متعلق تمھیں کچھ شبہ ہے تو اسے وقف کے تابع چھوڑ دو اور اس میں اپنی کوئی چیز کاشت نہ کرو، حدیث شریف میں ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس میں تجھے شک ہے اسے چھوڑ کر وہ اپنا لو جس میں شک نہیں۔''[3]

(اللجنة الدائمة: 11185)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [5349]

[2] مسند أحمد [113/5] صحيح الجامع، رقم الحديث [7662]

[3] سنن الترمذي، رقم الحديث [2518] سنن النسائي، رقم الحديث [5711]

348- وقف زمین بیچنا اور خریدنا

وقف اراضی کے مصارف اور فوائد اگر ختم ہو جائیں اور کوئی ان سے فائدہ نہ اٹھاتا ہو تو پھر انھیں بیچ کر ان کی قیمت ایسی چیز میں صَرف کی جائے جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔

لیکن اگر ان کے مصالح اور فوائد باقی ہوں تو پھر انھیں بیچنا جائز نہیں اور وہ وقف ہی رہیں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ پہلی صورت میں، جس میں انھیں بیچنا جائز ہے، اس مسئلے کے متعلقہ شرعی محکمے کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ اوقاف لوگوں کے ہاتھوں کھلونا نہ بنیں، اور پھر ہر کوئی اس کا نگران، یہ دعویٰ کر کے کہ اس کے فوائد ختم ہو چکے ہیں، اسے اپنی خواہش کے مطابق بیچنا شروع کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ وقف اراضی کے فوائد جب ختم ہو جائیں تو انھیں بیچنا جائز بلکہ واجب ہے تاکہ وقف سے فائدہ اٹھانا ممکن رہے، لیکن اگر اس کے فوائد ختم نہ ہوں تو پھر یہ اسی حالت پر باقی رہیں گی جس پر وہ ہیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 23/250)

349- وقف کنویں سے پانی نکالنے کی اجرت لینے کا حکم

اگر تو اس شخص کو حکومت نے مقرر کیا ہے، یا وہ کسی ایسے شہر میں ہے جس کے رہنے والے اس کام میں اس پر راضی ہیں، یا پھر وہ کنواں بے کار پڑا تھا تو یہ آدمی آیا اور اس نے اسے درست کیا اور اس پر پانی نکالنے کے لیے پمپ وغیرہ لگایا اور ضرورت مندوں کو پانی نکال کر دینے لگا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا آدمی نیک اور اصلاح کرنے والا سمجھا جائے گا اور اگر وہ اس پر اپنے کام کے مطابق اجرت بھی لے لے تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر وہ ظالم ہو مثلاً

کوئی آدمی مفت پانی مہیا کرنا چاہتا ہو اور یہ اس سے روکے اور اپنی اجارہ داری قائم کر کے لوگوں سے مال بٹورنا شروع کر دے تو یہ ناجائز ہے اور حکومت اور اہل علاقہ کا فرض بنتا ہے کہ اسے روکیں۔ واللہ الموفق

(ابن باز: مجموع الفتاوىٰ والمقالات: 19/20)

350- وقف کی آمدنی پر زکاۃ

وقف کے مال میں کوئی زکاۃ نہیں۔ (ابن باز: مجموع الفتاوىٰ والمقالات: 23/20)

351- فتویٰ نمبر 351 فتویٰ نمبر 317 کا تکرار ہے

352- وقف کرنے والے کی شرائط کے خلاف وقف کے مصارف تبدیل کر دینا

وقف کرنے والے کی شرائط کے ساتھ چلنا اور وقف کو اس کے مخصوص کام کے لیے صرف کرنا ضروری ہے اور اسے اس کے علاوہ کسی دوسرے کام میں صرف کرنا جائز نہیں، البتہ یہ کہ اس کے فوائد ختم ہو جائیں، ایسی صورت میں عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔ (اللجنة الدائمة: 16631)

353- زمین وقف کرنے کی سوچ سے رجوع کرنے کا حکم

جب تک اس نے زمین عملاً وقف نہیں کی اور یہ محض اس کی سوچ تک محدود تھا اور وہ اسے وقف کرنے میں متردد تھا، پھر اس نے وقف کا خیال چھوڑ کر کوئی دوسرا خیال اپنا لیا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں، لہٰذا حسب مصلحت وقف کا

خیال ترک کر کے کوئی دوسرا خیال اپنا لینا درست ہے اور اپنے محتاج ورثا کے لیے مال چھوڑ جانا وقف کرنے سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 97)

354- وقف واپس لے لینا

سوال کیا یہ درست ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنے گھر کے نیچے مسجد بنا لے جس میں باجماعت نماز ادا ہوتی ہو لیکن جمعہ نہ ہو، اسے مسجد کے علاوہ کسی دوسری چیز مثلاً تجارتی سنٹر میں تبدیل کر لے، اس کا ایسا کرنے کا ارادہ ہو یا اس کو ضرورت ہو؟

جواب جب کوئی مسلمان اپنے گھر کے نیچے نماز پڑھنے کے لیے مسجد بنا لے اور اسے لوگوں کے لیے نماز پڑھنے کے لیے چھوڑ دے تو پھر اسے واپس لینا جائز نہیں نہ گھر بنانے کے لیے نہ دکان کے لیے نہ بیچنے کے لیے نہ کرائے پر دینے کے لیے، نہ اس جیسے کسی بھی تصرف کے لیے، خواہ اس میں جمعہ نہ بھی ہوتا ہو، کیونکہ یہ مسجد بنانے اور لوگوں کے لیے چھوڑ دینے کی وجہ سے وقف ہو چکی ہے اور اس کی ملکیت سے خارج، لہٰذا اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ وراثت ہی میں تقسیم کیا جائے۔ (اللجنة الدائمة: 4603)

نفقات (اخراجات)

355- بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے

بیوی کا نان، نفقہ، پہناوا اور رہائش خاوند پر واجب ہے، اسی طرح میاں بیوی کا خوش اسلوبی سے رہنا اور ایک دوسرے کے ساتھ بہترین انداز میں پیش آنا شریعت کا مطلوب ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ [النساء: 34]

''مرد عورتوں پر نگران ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اپنے مالوں سے خرچ کیا۔''

نیز فرمایا:

﴿ اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ﴾ [الطلاق: 6]

''انھیں وہاں سے رہائش دو جہاں تم رہتے ہو۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

نیز آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"تمھارے ذمے معروف کے مطابق ان کا رزق اور پہناوا ہے۔"[1]

(اللجنة الدائمة: 9258)

356- انسان کو اپنی ذات اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے کا اجر ملتا ہے

انسان جو کچھ رضاءِ الٰہی کے حصول کی خاطر اپنی ذات پر اور اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے اس کا اس کو اجر ملتا ہے، جس طرح آپ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے کہا تھا: "جان لو! تم جو خرچ بھی اللہ کی رضا کے حصول کی خاطر کرو گے، تم کو اس کا اجر ملے گا حتی کہ اس لقمے پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو"، یعنی اس لقمے پر بھی تجھے اجر ملے گا جو تمھاری بیوی تمھارے اُس پر خرچ کرنے کی وجہ سے کھاتی ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 13)

357- بیوی کا ماہانہ خرچہ

خاوند اگر بیوی کو شرعی طور پر مطلوبہ اشیا جیسے: اشیائے خورونوش اور لباس وغیرہ مہیا کرتا ہے تو پھر ضروری نہیں کہ وہ بیوی کو ماہانہ جیب خرچ بھی دے۔

(اللجنة الدائمة: 21239)

358- خاوند کے مال سے بیوی کا علاج

کتاب و سنت میں لوگوں کے ساتھ عموماً اور اقربا کے ساتھ خصوصاً حسن سلوک اور احسان کرنے کے متعلق دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم [1218/147]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ﴾
[النحل: 90]

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴾
[النساء: 36]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت والے ہمسائے اور اجنبی ہمسائے اور پہلو کے ساتھی اور مسافر (کے ساتھ) اور (ان کے ساتھ بھی) جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ بنے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، شیخی مارنے والا ہو۔''

رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے اہل کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔''[1]

لہٰذا مسلمان پر اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کرنا واجب ہے، لیکن علاج کے اخراجات خاوند پر نان و نفقے اور رہائش کی طرح واجب نہیں، لیکن

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [3895] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [1977]

اپنی استطاعت کے مطابق ضرور خرچ کرنا چاہیے کیونکہ گزشتہ حدیث اور اس آیت:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [النساء: 19]

''اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔''

کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5851)

359- آدمی کا اپنی بیوی کو حج کروانا

خاوند، خواہ مالدار ہی ہو، اس پر اپنی بیوی کے حج کا خرچہ واجب نہیں، لیکن اگر نکاح کرتے وقت یہ شرط لگائی جائے، تب اسے پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ عورت کا حج ہمارے نزدیک اس پر خرچ کرنے میں نہیں آتا، کہ ہم کہیں کہ جس طرح اس کا نان و نفقہ واجب ہے، اسی طرح حج کے لیے بھی اس پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر عورت کے پاس حج کے لیے مالی استطاعت نہیں تو اس پر حج فرض بھی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾

[آل عمران: 97]

''اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج (فرض) ہے، جو اس کی طرف راستے کی طاقت رکھے۔''

نیز حدیث شریف میں بھی استطاعت کا ضروری ہونا ذکر ہوا ہے اور جس کے پاس مال نہ ہو وہ استطاعت نہیں رکھتا، لہٰذا ان لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جانی چاہیے جن کے پاس مال نہیں کہ ان پر حج فرض نہیں، جس طرح فقیر پر زکاۃ فرض نہیں ہوتی اور فقیر اپنے اوپر زکاۃ واجب نہ ہونے کی وجہ سے نادم نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنی حالتِ فقر جانتا ہے، اسی طرح جو حج کی استطاعت نہیں رکھتا اسے

نادم ہونا چاہیے نہ کسی طرح کا اثر ہی لینا چاہیے کیونکہ اس پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔
میں نے بکثرت ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو حج کی قدرت نہیں رکھتے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر عائد ایک فرض سے غفلت کر رہے ہیں۔ میں انھیں کہتا ہوں، خاطر جمع رکھیں اور مطمئن رہیں، تم پر حج فرض نہیں۔ تم اور جس نے حج کیا ہے وہ اللہ کے ہاں برابر ہیں کیونکہ تمھارے پاس عذر ہے اور اس پر فرض تھا، لہٰذا اس نے حج کیا، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ جو کوئی عبادت کرتا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو نہیں کرتا، چاہے صاحبِ عذر ہی ہو۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 12)

360- تین طلاقیں پانے والی حاملہ کا خرچہ

وہ خاتون جس کو تین طلاقیں ہو چکی ہیں، اس کے خاوند پر اس کا خرچہ لازم نہیں، لیکن حمل کی وجہ سے اس پر خرچ کرے، اس بنا پر عورت کو حمل کی وجہ سے جو خرچ کرنا پڑے خاوند کو وہ دینا ضروری ہوتا ہے، وضع حمل کے بعد بچے پر خرچ کرنا ہوگا، یعنی دودھ پلانے کی اجرت اور بچے کے کپڑے اور دیگر ضروری اشیاء کی فراہمی باپ کی ذمے داری ہے لیکن پیدائش کے بعد ماں کا کھانا اس کے ذمے نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: 6]

”اور اگر وہ حمل والی ہوں تو ان پر خرچ کرو، یہاں تک کہ وہ اپنا حمل وضع کر لیں۔“ (ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 19/147)

361- بیوی کا خاوند کے مال سے کچھ لینا

اگر حقیقت حال یہ ہے کہ تم اپنی اور اپنی اولاد کی ضرورت کے لیے لیتی

ہو تو تمھارے لیے معروف کے مطابق اتنا لینا جائز ہے جو تمھارے لیے اور تمھاری اولاد کے لیے کافی ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو سفیان کی بیوی نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ابو سفیان ایک بخیل آدمی ہے، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے اور میرے لڑکے کے لیے کافی ہے، سوائے اس کے کہ میں اس کی بے خبری میں اس سے جو لے لوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اتنا لے لو جو معروف کے مطابق تمھارے اور تمھارے لڑکے کے لیے کافی ہو۔'' [1] (اللجنة الدائمة: 5101)

362- بیوی کا خاوند کے مال سے صدقہ کرنا

تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ صدقہ کرنے کے لیے خاوند کی رضا کے بغیر اس کے مال سے کچھ لو، لیکن عموماً جس کی وہ اجازت دے دیتا ہو تو اس میں صدقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 5101)

363- خاوند کو بتائے بغیر عورت کا اپنے گھر والوں کے لیے کچھ خریدنا

تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اپنے خاوند کے مال سے اس کے علم میں لائے بغیر اس سے زیادہ لو جو تمھارے اور تمھاری اولاد کے لیے معروف کے مطابق کافی ہو، نہ یہ جائز ہے کہ تم اپنے گھر والوں یا کسی دوسرے کے لیے اس کے مال سے اس کی اجازت بغیر کچھ خریدو۔ (اللجنة الدائمة: 5101)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5364]

364- اجازت کے بغیر خاوند کا مال لینا

سوال ایک عورت خرچ میں تنگی اور تقصیر کرنے والے اپنے خاوند کے مال سے اس کو بتائے بغیر کچھ لے لیتی ہے اور قسم اٹھا کر کہتی ہے کہ اس نے کچھ نہیں لیا؟

جواب عورت کے لیے اپنے خاوند کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ایک دوسرے کا مال لینا حرام کیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں اس کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''تمھارے خون، مال اور عزتیں تم پر اس مہینے میں اور اس شہر میں اس دن کی حرمت کی طرح حرام ہیں۔ کیا میں نے اپنی بات پہنچا دی؟''[1]

لیکن جب اس کا خاوند بخیل ہو اور اس کو اس قدر خرچہ نہ دیتا ہو جو اس کے لیے اور اس کی اولاد کے لیے معروف[2] کے مطابق کافی ہو تو وہ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے مال سے بقدر معروف خرچہ لے سکتی ہے۔

اس سے زیادہ نہیں، اور نہ اپنے اوپر اور اپنی اولاد پر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کے لیے لے سکتی ہے۔ اس کی دلیل حضرت ہند بنت عتبہ کی حدیث ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنے خاوند کا شکوہ کرتے ہوئے کہا: وہ ایک بخیل آدمی ہے اور وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میری اولاد کے لیے کافی ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس کے مال سے اتنا لے لو جو تمھارے اور تمھاری اولاد کے لیے

---

1. صحيح البخاري، رقم الحديث [67] صحيح مسلم [1679/29]
2. معروف سے مراد ہر علاقے اور دور کا وہ معیار ہے جس سے لوگ مانوس ہوں، لیکن وہ اخلاق و قانون کے مطابق ہو اور شریعت سے متعارض نہ ہو۔

بقدر معروف کافی ہو۔"❶

لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسے اجازت دے دی کہ وہ اس کے مال سے بقدر ضرورت لے لے، خواہ اس کو علم ہو یا نہ ہو۔

اس عورت کے سوال میں، جو اپنے خاوند سے قسم اٹھا کر کہتی ہے کہ اس نے کوئی چیز نہیں لی، اس کی یہ قسم حرام ہے، مگر یہ کہ وہ اپنی قسم میں یہ نیت رکھے: اللہ کی قسم! میں نے کچھ نہیں لیا۔ یعنی میں نے ایسا کچھ نہیں لیا جس کا لینا حرام ہو، یا یہ نیت رکھے کہ اللہ کی قسم میں نے تجھ پر واجب خرچے سے زیادہ کچھ نہیں لیا، یا اس جیسی کوئی بھی تاویل کر لے جو اس کے شرعی استحقاق کے مطابق ہو، کیونکہ اگر انسان مظلوم ہو تو ایسی حالت میں تاویل کرنا جائز ہوتا ہے، لیکن اگر انسان ظالم ہو، تب تاویل کرنا جائز نہیں ہوتا اور وہ عورت جس کا خاوند بخیلی کرتے ہوئے اس کا اور اس کی اولاد کا واجب خرچہ ادا نہیں کرتا، وہ بلاشبہ مظلوم ہے، لہٰذا اس کے لیے تاویل کرنا جائز ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7)

363- پرورش کرنے کا زیادہ حق دار

سوال جو اپنے پرورش کرنے والے کو کھو بیٹھے تو کیا اس پرورش کرنے کا ولی وہ بن سکتا ہے جو مطلقاً ولی بنتا ہو؟

جب پرورش کا مستحق کھو دیا جائے یا اس کے لیے پرورش کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو پھر پرورش کرنے کے ذمے داران میں سے جو مرتبے میں اس کے بعد آتا ہو وہ یہ ذمے داری سنبھالے اور جو کام وہ کرتا رہا یہ بھی وہ کام کرے، فقہا نے اس کی تصریح کی ہے۔

❶ صحیح البخاري، رقم الحدیث [5364]

''شرح کبیر'' میں ہے:

''اگر باپ یا کوئی دوسرا پرورش کرنے والا معدوم ہو جائے اور کوئی عصبہ موجود ہو، جیسے: بھائی، چچا، چچازاد تو وہ باپ کے قائم مقام ہوگا، پھر حاکم وقت اس کو، اس عصبہ اور ماں کے درمیان کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دے گا، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمارہ خرمی کو اختیار دیا تھا کہ چچا اور ماں میں سے کسی ایک کو منتخب کرلے، کیونکہ اس کا چچا اس کا عصبہ تھا، لہٰذا وہ باپ کے مشابہ ہوا۔ اسی طرح اگر ماں یا کوئی دوسرا اہل حضانت (پرورش کرنے والے) میں سے غیر موجود ہو اور دادی نے اس کی پرورش کی ہو تو لڑکے کو اختیار دیا جائے گا کہ اس کو اختیار کرے یا باپ کو یا عصبات میں جو اس کے قائم مقام ہو۔ اگر ماں باپ دونوں ہی نہ ہوں یا اہل حضانت میں کوئی بھی نہ ہو تو پھر اس کو اس کی بہن، پھوپھی یا خالہ کے سپرد کر دیا جائے، تو وہ کسی ایک کو منتخب کرنے میں اس کی ماں کے قائم مقام ہوگی جس طرح ذکر ہوا ہے کہ اگر باپ یا اہل حضانت میں سے کوئی نہ ہو اور کوئی عصبہ موجود ہو تو حاکم عصبہ اور ماں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حکم دے گا۔''

شرح ''الاِقناع'' اور ''منتہیٰ'' میں بھی وہی مذکور ہے، جو ''شرح کبیر'' میں ہے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 319/22)

366- طلاق کی حالت میں بچے کے ماں باپ میں سے کسی کو بھی بچے کی ملاقات سے نہ روکا جائے

جب بیوی خانۂ زوجیت سے نکل جاتی ہے یا طلاق وغیرہ کی وجہ سے

میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جاتی ہے اور ان کا ایک یا کئی بچے ہیں تو شریعت اسلامیہ میں انھیں اپنے بچے کو دیکھنے اور ملنے سے روکنے کا کوئی جواز نہیں ملتا۔ اگر بچہ ماں کے زیر سایہ ہو تو اس کے لیے اس کے والد کو اس کو ملنے اور دیکھنے سے روکنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی واجب قرار دی ہے:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی﴾ [النساء: 36]

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت والے کے ساتھ۔''

اور حدیث شریف میں ہے:

''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان دوری کر دے گا۔''[1] (اللجنة الدائمة: 21102)

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [1566]

شفعہ [1]

367- پڑوس کی وجہ سے حق شفعہ

پڑوس کی وجہ سے حقِ شفعہ کے جواز کے متعلق علما کے تین اقوال ہیں:

① پہلا قول: شفعہ مطلقاً جائز نہیں۔ یہ اہل مدینہ کا قول ہے۔ ان کی دلیل، اس کے متعلق وارد ہونے والی احادیث ہیں، جیسے: ''حقِ شفعہ غیر تقسیم شدہ (جائیداد) میں ہے، جب حدود متعین ہو جائیں اور راستے بنا دیے جائیں تو پھر شفعہ نہیں۔'' [2] اس کے علاوہ اس مسئلے کے متعلق دیگر احادیث ہیں۔

② دوسرا قول: ہمسائے کے لیے حق شفعہ کا مطلقاً اثبات؛ خواہ حقوق اور راستے متعین ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا موقف ہے۔ کچھ شوافع اور بعض حنابلہ کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابو رافع کی حدیث ہے کہ ''پڑوسی شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے۔'' [3]

③ تیسرا قول: اس قول میں تفصیل اور دونوں اقوال کے دلائل کے درمیان مطابقت پیدا کی گئی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ اگر حقوق املاک میں کوئی مشترک حق ہو، جیسے: راستہ، پانی یا پانی کی گزرگاہ وغیرہ میں اشتراک تو

---

❶ فقہا کی مقرر کردہ شرائط پر پڑوسی کی جائیداد کو جبراً ملکیت میں لینے کا حق۔

❷ صحیح البخاري، رقم الحدیث [2213]

❸ سنن الطبراني، رقم الحدیث [6941] صحیح الجامع، رقم الحدیث [3088]

اس میں پڑوسی کے لیے حق شفعہ ہے۔ یہاں ان کو ایک دوسرے کی زمین کے ساتھ ملی ہوئی زمینوں میں مذکور اشتراک کی بنا پر کوئی فرق نہیں۔ یہ اہل بصرہ اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے والوں کا قول ہے اور یہی صحیح قول ہے جس کے ذریعے سے دلائل کے درمیان مطابقت ہوسکتی ہے۔ یہ ابو طالب کی روایت سے امام احمد سے صریح عبارت کے ساتھ منقول ہے۔ امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔

نیز یہ قیاس کے مطابق بھی ہے کیونکہ شفعہ کا قانون ضرر دور کرنے کے لیے بنایا گیا ہے اور ضرر عموماً یا تو مملوکہ چیز کے ساتھ ملنے کی وجہ سے، یا ایسی چیز کی وجہ سے، جس کا تعلق اس کے مصالح، فوائد یا راستے وغیرہ کے ساتھ ہو، پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم (عبداللہ بن عقیل: فتاویٰ: 283)

حجر[1] اور نا اہل شخص کے مال میں تصرف کرنا

368- معذور افراد کی اعانت کے لیے مخصوص مال میں سرپرست کا تصرف

وہ مال جو حکومت معذوروں کے لیے مخصوص کرتی ہے، ذمے داروں کا فرض بنتا ہے کہ اسے ان کے مخصوص مقاصد اور مصالح ہی میں صرف کریں۔ ان کے لیے اس مال پر قبضہ جما لینا اور جن مقاصد کے لیے صَرف کرنا تھا، انھیں ترک کر دینا جائز نہیں، لیکن باپ کے لیے، اگر وہ ضرورت مند ہو، تو بقدر معروف اور اس طریقے سے کچھ لینا جائز ہے کہ معذور کو نقصان نہ ہو۔

(اللجنة الدائمة: 16355)

369- کم عمر کے مال سے زکاۃ اور صدقہ دینا

کم عمر کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ اگر اس کا مال نصاب کو پہنچے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس کی زکاۃ نکالیں، لیکن صدقے کی اجازت نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 16355)

---

[1] شرعاً کسی کو جنون، کم عقلی یا کم عمری کی بنا پر اپنے مال اور ملکیت میں تصرف کرنے سے روکنے کا نام ہے۔

370- سوشل ویلفیئر ہاؤس (دارالامان) میں مقیم افراد کے مال میں تصرف کرنا

دارالامان میں مقیم افراد کو جو وظیفہ وغیرہ دیا جاتا ہے، وہ ان کی ملکیت خیال کیا جاتا ہے، لہٰذا ان کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، اور جو ان میں بے عقل ہو تو دارالامان ان پر خرچ کرنے کی ذمے داری لے گا، جو بچ جائے وہ اس کے لیے محفوظ کر لیا جائے گا۔ اگر یہ فوت ہو جائیں اور کوئی مال چھوڑ جائیں تو وہ ان کا ترکہ ہوگا جو ان کے قانونی وارثوں کے درمیان شرعی قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم ہوگا۔ اگر ان کے کسی بھی وارث کا علم نہ ہو سکے تو وہ مال بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ (اللجنة الدائمة: 18397)

371- راشدہ (نفع اور نقصان کی سمجھ بوجھ رکھنے والی) عورت کا اپنے مال میں تصرف کرنا

سمجھدار عورت کو اپنے مال میں مطلقاً تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اس سے صدقہ کرے، یا کسی جائز کام میں استعمال کرے۔ بہت سارے دلائل کی بنا پر اس کا یہ تصرف خاوند یا ولی کی اجازت کے ساتھ مقید اور مشروط نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 7579)

372- بے عقل انسان کا اپنی زندگی اور عبادت میں تصرف

پاگل انسان سے قلمِ تکلیف (شرعی پابندیاں) اٹھا لیا گیا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے ....“ [1]

ان میں سے آپ نے پاگل کا بھی ذکر کیا ہے تا آنکہ اس کا پاگل پن ختم ہو اور اس کی عقل درست ہو جائے، لیکن جو وہ لوگوں کا مالی نقصان کرتا ہے اس کا تاوان ضرور بھرے گا۔ (اللجنة الدائمة: 8420)

373- چھوٹا بچہ کب مکلّف (شرعی احکام کا پابند) ہوتا ہے؟

لڑکا اس وقت مکلّف ہوتا ہے جب وہ بالغ اور عقلمند ہو جائے، اور بچہ بالغ تب ہوتا ہے جب وہ پندرہ برس کا ہو جائے، یا زیرِ ناف سخت بال اُگ آئیں، یا احتلام یا شہوت کی حالت میں انزالِ منی ہو جائے، اور بچی میں ان تمام علامات کے ساتھ ساتھ جب ماہواری شروع ہو جائے تو وہ بالغ ہو جائے گی، لیکن جب شرمگاہ کے اردگرد سخت بال اُگ آئیں، یا شہوت کے ساتھ انزال ہونا شروع ہو جائے، خواہ اس کی عمر پندرہ سال سے کم ہی ہو تو وہ مکلّف ہو جائے گا۔

جب وہ بالغ ہو جائے تو اس پر نماز اور روزہ فرض ہو جائیں گے۔ مالی استطاعت رکھتا ہو تو حج بھی فرض ہو جائے گا، تاہم اس سے پہلے بھی سات سال یا اس سے زیادہ عمر میں نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا، اگر رکھ سکتا ہو تو، جائز ہے، لیکن اس کا مال اگر نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر مطلقاً زکاۃ واجب ہوگی (زکاۃ نکالنے کے لیے بلوغ کی شرط نہیں)۔ (اللجنة الدائمة: 3575)

374- یتیم کی کفالت کی مدت

یتیم کی کفالت اس کے بالغ ہونے تک جاری رہتی ہے۔ جب وہ بالغ

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [4403]

ہو جائے اور فقیر یا مسکین ہی رہے تو وہ اس پر صدقہ کرے، پھر اس کا یہ عمل فقیر یا مسکین پر صدقہ ہوگا، یتیم کی کفالت نہیں ہوگی۔ جس شخص کو کوئی یتیم ملے اور وہ مثلاً ایک سال تک اس کی کفالت کرے، پھر وہ بالغ ہو جائے تو ایسا شخص یتیم کی کفالت کرنے والا سمجھا جائے گا اور ان شاء اللہ، اس فضیلت کے وعدے کا مستحق ہوگا جس کا ذکر حدیث شریف میں ہوا ہے۔ لیکن اس کا اجر اس سے کم ہوگا جس نے اس سے زیادہ عرصہ کسی یتیم کی کفالت کی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 17790)

375- یتیم کے ساتھ برتاؤ کرنے کا مثالی طریقہ

اولاً: اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا، معروف کے مطابق پیش آنا، اس کے مال کی اپنے مال کی طرح حفاظت اور نمو کرنا اور بقدر معروف اس پر خرچ کرنا۔

ثانیاً: اس کو دینی امور اور زندگی میں پیش آمدہ معاملات کی تعلیم دینے کے لیے اس کے مال سے، گنجائش کے مطابق، اس پر خرچ کرنا اور اس کی ضرورت اور اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے مال سے بقدر معروف لے کر اس کے مناسب کسی لڑکی سے اس کی شادی کرنا بھی ضروری ہے۔

ثالثاً: جب وہ سنِ رُشد (سمجھداری کی عمر) کو پہنچ جائے تو اس کا مال باقاعدہ کسی کو گواہ بنا کر اس کو دے دے، خواہ وہ اس کا، باپ کے ترکے سے حقِ وراثت ہو یا کسی اور صورت وہ اس کا مالک ہوا ہو۔ (اللجنة الدائمة: 9384)

376- شرعاً یتیم کی عمر

بچہ اس وقت تک یتیم خیال کیا جائے گا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔

بلوغت کی علامتیں، جن سے اس کی پہچان ہو جاتی ہے، حسبِ ذیل ہیں:

① نیند یا بیداری کی حالت میں شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا۔

② لڑکا ہو کہ لڑکی، زیرِ ناف سخت بال اُگ آنا۔

③ لڑکی ہو تو ان علامات کے ساتھ ماہواری کا آنا۔

اگر ان علاماتِ بلوغت میں سے کسی بھی علامت کا ظہور نہ ہو تو علما کے صحیح قول کے مطابق پندرہ سال مکمل ہو جانے پر بچہ بالغ ہو جائے گا، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ان کو غزوۂ احد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت ان کی عمر 14 سال تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت نہ دی، پھر خندق کے دن ان کو آپ کے سامنے لایا گیا، تب ان کی عمر 15 برس تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت مرحمت فرما دی۔

مطلب یہ ہے کہ ان کو اور دیگر چھوٹے بچوں کو سامنے لایا گیا کہ دیکھا جائے کہ ان میں سے کس کی بلوغت ظاہر ہو چکی ہے تاکہ اس کو جنگ کے لیے اجازت دی جائے اور جو بالغ نہیں ہوا اس کو اجازت نہ دی جائے۔ جب ابن عمر کو 14 سال کی عمر میں واپس کر دیا گیا اور پندرہ سال کی عمر میں اجازت دے دی گئی تو یہ اس کی دلیل ہے کہ بلوغت کی عمر 15 برس ہے۔

(اللجنة الدائمة: 4992)

377- یتیم کی کفالت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا اس طرح ہوں گے... آپ نے تشہد کی انگلی اور درمیان والی انگلی میں کچھ فاصلہ کر کے ان سے اشارہ کیا۔''[1]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5304]

یتیم سے مراد وہ چھوٹا بچہ ہے جس کا باپ فوت ہو جائے، اور یتیم کی کفالت کرنے والے سے مراد وہ شخص ہے جو اس کے معاملات کی نگرانی اور ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ یتیم کی یتیمی تب تک رہتی ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، کفالت کرنے والے کے وجود سے یہ یتیمی ختم نہیں ہوتی لیکن جب وہ اپنے دادا یا کسی کے زیرِ کفالت تو دوسرے آدمی سے اس کی کفالت شرعاً اور قانوناً ساقط ہو جاتی ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17790)

378- یتیم کے مال میں تصرف کرنا

یتیم کے مال میں، اگر اس کی ذاتی مصلحت اور مفاد نہ ہو تو تصرف اور خورد برد کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [الأنعام: 152]

”اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو۔“

نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ یتیم کا مال کھانا سات ہلاک کر دینے والے کاموں میں سے ایک ہے، لہٰذا اپنی مصلحت اور ذاتی مفاد کے لیے تمھارے لیے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں، بلکہ سرپرست اور نگران کو چاہیے کہ وہ یتیم کے مال کی نمو کرے اور اسے اس کی مصلحت کے لیے تجارت میں لگائے۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انھوں نے کہا: ”یتیموں کے لیے ان کے مالوں سے رزق تلاش کرو، انھیں زکاۃ نہ کھا جائے۔“ (اللجنة الدائمة: 5504)

379- ولی (نگران) کا یتیم کا مال بڑھانا

ولی اگر تجارتی امور میں ماہر ہو اور وہ بغرضِ اصلاح یتیم کا مال بڑھائے اور اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہ کرے تو خسارے کی صورت میں اس پر کوئی تاوان نہیں، بلکہ ولی کو چاہیے کہ وہ یتیم کا مال بلا نشو ونما، سرمایہ کاری اور پیداواری سرگرمی کے نہ چھوڑے کہ کہیں اسے صدقہ ہی کھا جائے۔

جہاں تک زکات کا تعلق ہے تو اگر اس کا مال نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو وہ واجب ہو جائے گی اور اس کا نگران اسے نکالے گا۔ اگر تجارت کا منافع ہو اور اصل رقم نصاب کو پہنچ جائے تو نفع کا سال اصل رقم کا سال شمار ہوگا۔ (اللجنة الدائمة: 7890)

380- یتیم کے مال سے قرض دینا

یتیموں کے مال سے ضرورت مند کو قرض دینا جائز نہیں، کیونکہ اس سے مال میں پیداوار نہیں ہوتی بلکہ اس کی وجہ سے مال خطرے میں پڑ جاتا ہے، لیکن اس انداز میں ادھار پیسے دینا جس میں سود ہو نہ کوئی خطرہ بلکہ اس میں مال کی پیداوار ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، جیسے بیع سلم، زیادہ منافع کے ساتھ ادھار کاروبار کی صورتیں، کیونکہ پیداواری سرگرمی میں ان کا مال لگانا شرعاً مطلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ [الأنعام: 152]

''اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔''

381- مختلف اداروں اور فلاحی امدادی تنظیموں کے ذریعے سے مال دے کر یتیموں کی کفالت کرنا

جو کسی ایسے قابل اعتماد امدادی ادارے اور فلاحی تنظیم کے ذریعے سے کسی یتیم کی کفالت کرتا ہے جو یتیموں کی رہائش، خوراک اور لباس جیسی بنیادی ضروریات مہیا کرتی ہے، ان کی تربیت و پرورش کا اہتمام کرتی ہے تو وہ شخص ان شاء اللہ یتیم کی کفالت کرنے والوں کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور جنت میں داخل کرنے والے اجر عظیم اور ثوابِ کثیر کا مستحق ہوگا۔

سہل بن سعد رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔''

آپ ﷺ نے اپنی انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی میں کچھ فاصلہ کر کے اشارہ کیا۔''[1]

یہ اجر عظیم صرف اسی تک محدود نہیں جو یتیم کی اپنے گھر میں پرورش کرتا ہے، لیکن یتیم جب زیادہ حاجت مند ہو اور کوئی شخص اس کو اپنے گھر لے جاتا ہے اور بڑے اہتمام سے اس کی پرورش کرتا ہے تو لازماً یہ شخص اس سے زیادہ اجر کا مستحق ہے جو صرف اپنے مال سے اس کی کفالت کرتا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 20062)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5304]

382- یتیم جب بالغ ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کرنے کی کیفیت

یتیم کو اس کا مال دو شرطوں کے ساتھ دیا جائے:

پہلی شرط: بالغ ہونا اور دوسری شرط: سمجھدار ہونا۔ یعنی ایسا کم سمجھ اور بیوقوف نہ ہو جو اپنا مال فضولیات اور غیر منافع بخش سرگرمیوں میں فنا کر دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ﴾ [النساء: 6]

"اور یتیموں کو آزماتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان سے کچھ سمجھداری معلوم کرو تو ان کے مال ان کے سپرد کر دو۔"

پھر یہ مال عادل گواہوں کی موجودگی میں یا شرعی عدالت کی توثیق کے ساتھ ان کے سپرد کیا جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴾ [النساء: 6]

"پھر جب ان کے مال ان کے سپرد کرو تو ان پر گواہ بنا لو اور اللہ پورا حساب لینے والا کافی ہے۔" (اللجنة الدائمة: 15531)

غصب کرنا (جبراً کوئی چیز لے لینا)

383- چھینی ہوئی بکری اگر ذبح کر دی جائے؟

غصب کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ﴾ [البقرة: 188]

''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ۔''

اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

''تمھارے خون، اموال اور عزتیں تم پر حرام ہیں۔''[1]

اگر یہ شرعی طریقے کے مطابق ذبح کی جائے تو اسے کھا لیا جائے اور غصب کرنے والا اس کی قیمت کے برابر اس کے مالک کو تاوان دے، پھر توبہ و استغفار کرے اور اس کی کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھائے بلکہ اسے فقرا اور ضرورت مندوں پر صدقہ کر دے۔ (اللجنة الدائمة: 6522)

384- چوری کردہ گائے کا تاوان

چوری کردہ گائے کا تاوان اس کی اس وقت کی قیمت کے برابر ہوگا جب وہ چوری ہوئی تھی۔ اگر اس کو ان لوگوں کا علم نہ ہو جن کی گائے اس نے چرائی تھی تو اس کے مالکوں کی طرف سے نیت کر کے اس کی قیمت فقرا پر صدقہ کر دے اور

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [67] صحيح مسلم [1679/29]

مالکوں کو اس کا ثواب مل جائے گا، لیکن اگر وہ اس کے مالکان یا ان کے ورثا کو جانتا ہو تو پھر ان کو اس کی قیمت دینا ضروری ہے۔ (اللجنة الدائمة: 20015)

385- ملازم کا کمپنی کا ساز و سامان اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا

ملازم یا مزدور کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ کمپنی، ادارے کا ساز و سامان یا املاک اپنے ذاتی اغراض کے لیے استعمال کرے کیونکہ یہ دوسروں کے حقوق پر ان کی اجازت کے بغیر دراندازی اور زیادتی ہے۔ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

''کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر لینا حلال نہیں۔''[1]

لیکن اگر کوئی ایسا سامان ہو جسے کوڑا کرکٹ کی نذر کر دیا جائے تو اسے اٹھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کے مالکوں نے اسے پھینک دیا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 16360)

386- بچپن میں کسی کا ناحق مال لے لیا

اگر تجھے اس کے مالک کا علم ہے تو تم پر وہ مال اس کو واپس کرنا لازم ہے اور جو تم نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی ہے اس کی عذر خواہی بھی ضروری ہے۔ اس کی وجہ سے اس کا ردعمل جائز سمجھو۔ اگر وہ مر چکا ہو تو پھر اسے اس کے وارثوں تک پہنچانا لازمی ہے۔ اگر تجھے اس کے مالک کا علم نہ ہو تو پھر اس کی طرف سے نیت کر کے وہ مال صدقہ کر دے اور اس جیسے کام سے توبہ کر، کیونکہ لوگوں کے مال میں دراندازی کرنا اور ان کی مرضی کے بغیر لینا جائز نہیں۔ یہ ظلم

[1] مسند أحمد [113/5] صحيح الجامع، رقم الحديث [7662]

اور زیادتی ہے۔ تمھیں اس کام سے توبہ کرنی چاہیے اور یہ مال اس کے مالک یا وارثوں کو واپس کر دینا چاہیے۔ اگر تو اس کی سکت نہیں رکھتا، تو پھر اسے صدقہ کر کے اس سے بَری الذمہ ہو جاؤ۔ واللہ اعلم (الفوزان: المنتقیٰ: 319)

387- چوری کے مال سے حج کرنا

مسلمان کے لیے مال چوری کرنا پھر اسے حج کرنے، گھر بنانے یا اس جیسے کام میں صَرف کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرۃ: 188]

''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ۔''

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''یقیناً اللہ تعالیٰ طیب ہے، طیب اور پاک کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔''[1]

جو تم نے اس سے لیا ہے اسے اس کے مالک کو واپس کرنا اور اس سے بَری اور الگ ہو جانا بھی ضروری ہے۔ اگر تجھے اس کے مالک کا علم ہے تو اسے اس کو لوٹانا فرض ہے۔ اگر تم نے وہ مال گھر بنانے یا حج کرنے میں استعمال کر لیا ہے تو پھر اس رقم کا عوض دینا لازمی ہے جو تم نے اس سے لی تھی، لیکن اگر وہ تجھے معاف کر دے اور اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر تجھے اس کے مالک کا علم نہیں تو پھر اس کی طرف سے نیت کر کے وہ مال محتاجوں پر صدقہ کر دے۔ اگر اس کے بعد وہ آئے اور اس رقم کا مطالبہ کرے تو وہ رقم اسے واپس کرنا ضروری ہوگا اور تمھارا حج درست ہوگا لیکن گناہ کے ساتھ، کیونکہ اس پر جو رقم خرچ کی گئی تھی وہ حرام تھی، لیکن اگر تم سچی

[1] صحیح مسلم [1015/65]

توبہ کے ساتھ اس طرح کرو جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے تو امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کر دے۔ (الفوزان: المنتقیٰ: 320)

388- حرام کھانا جہنم میں داخل ہونے کا سبب

حرام کھانا جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ وہ مال حرام ہوتا ہے جو لوگوں کے مال میں دراندازی کر کے ان سے ناحق لیا جائے۔ رشوت کا مال تجارت میں دھوکے سے کمایا جانے والا مال، حرام اشیا کی تجارت سے حاصل ہونے والا مال جیسے شراب، خنزیر، سگریٹ فروشی اور رشوت خوری کی آمدنی، چوری، ڈاکہ زنی اور دیگر حرام ذرائع سے کمایا جانے والا مال حرام مال کے زمرے میں آتا ہے۔

قرآن و حدیث کی بہت ساری نصوص اس سے خبردار کرتی ہیں۔

① ﴿ وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ: 188]

"اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ اور نہ انھیں حاکموں کی طرف لے جاؤ، تاکہ لوگوں کے مالوں میں سے ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔"

② ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ [النساء: 10]

"بے شک جو لوگ یتیموں کے اموال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے

پیٹوں میں آگ کے سوا کچھ نہیں کھاتے اور عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے۔"

③ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

"وہ گوشت جو حرام سے پرورش پائے اور بڑھے وہ آگ کا زیادہ مستحق ہے۔"[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے، ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

لہٰذا جو کسی حرام کام میں داخل ہو جائے اس کو توبہ کرنی چاہیے اور اگر مال چوری کیا تھا یا لوٹا تھا یا سود لیا تھا تو اس کے مالک کو واپس کرے۔ اگر مال یا اس کے ورثا کو نہیں جانتا تو ان کی طرف سے نیت کر کے صدقہ کر دے۔

(اللجنة الدائمة: 20444)

389- چور کی توبہ

چور پر لازم ہے کہ مالِ مسروق اگر اس کے پاس ہو تو اسے واپس کرے۔ اگر نہ ہو تو اس جیسی چیز واپس کرے۔ اگر اس کی کوئی مثل نہ ہو تو اس کی قیمت ادا کرے۔ اگر وہ تنگدست ہو تو صحیح قول کے مطابق وہ اس وقت تک اس کے ذمے واجب الادا ہوگا جب تک وہ کشادہ دست نہ ہو جائے۔ اگر اس کا مالک معاف کر دے تو بجا، لیکن توبہ ضروری ہے۔ (اللجنة الدائمة: 6135)

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث [614]

گھوڑ دوڑ اور دیگر مقابلے

390- دوڑ کی بعض صورتوں کے احکام

① گھوڑوں اور اونٹوں کی دوڑ لگوانا اور گھڑ سواری میں مہارت حاصل کرنے اور جہادی تربیت پانے کے لیے جہازوں، ٹینکوں اور اسلحہ وغیرہ کی طرح کے سامانِ جہاد اور آلاتِ حرب میں مقابلے کروانا مسلمانوں کی جہاد، دفاعِ بلاد، نصرتِ دین اور اشاعتِ اسلام کی ضرورت کے تحت بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے اور کبھی مستحب۔ جو شخص ان کا اہتمام کرتا ہے یا اپنی کسی مہارت، سوچ یا مال کے ذریعے سے کسی بھی طرح ان کے لیے معاونت فراہم کرتا ہے وہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

② دوڑ میں شریک افراد میں سے کامیاب ہونے والوں کا انعامات حاصل کرنا جائز ہے۔ اگر یہ انعام صدر مملکت یا اس کے کسی نائب کی جانب سے ہو یا دوڑ میں شریک نہ ہونے والے افراد کی طرف سے رضا کارانہ طور پر اس کا اہتمام کیا جائے۔ ان لوگوں میں سے جو یہ کام کرتا ہے، اگر اس کی نیت رضاءِ الٰہی کا حصول ہے تو اس کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا

تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [الأنفال: 60]

''اور ان کے (مقابلے کے) لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، جتنی کر سکو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈراؤ گے، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمھاری طرف پوری لوٹائی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''صرف اونٹ، گھوڑے اور تیر اندازی کے مقابلے بازی میں عوض لینا ہے۔''[1]

اگر انعام کسی شریکِ دوڑ کی طرف سے خوشدلی اور رضامندی کی بنا پر ہو کہ جو جیت جائے وہ انعام لے لے، تو یہ جائز ہے کیونکہ اس میں جوا نہیں، لیکن اگر انعام ٹکٹ خرید کر دوڑ دیکھنے والے تماشائیوں میں سے صرف چند افراد کے لیے ہو تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں تماشائیوں کے درمیان جوا بازی ہے۔ لیکن اگر حاکم سلطنت یا کوئی مخیّر شخص انعامات کی رقم دے دے اور دوڑ دیکھنے کے لیے آنے والوں کو مفت بلا عوض ٹکٹیں دے دی جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں، لیکن دوڑ لگوانے اور دیکھنے کا مقصد شرعی ہو اور وہ پورا ہونا چاہیے۔

(اللجنة الدائمة: 3219)

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [3585]

391- کھیلوں کے مقابلوں کا حکم

کھیلوں کے مقابلوں میں مال لینا جائز نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''عوض کے ساتھ مقابلے بازی صرف گھوڑے، اونٹ اور تیر اندازی میں ہے۔''

کیونکہ کھیلوں کے مقابلوں کے عکس ان تین اشیا میں مقابلے بازی جہاد کی ٹریننگ ہے، جو ان میں نہیں، لہٰذا ان (کے انعقاد پر) معاوضہ لینا جائز نہیں۔ حدیث میں مذکور ان تین چیزوں سے مراد: گھوڑا، اونٹ اور ہتھیار ہیں۔

(اللجنة الدائمة: 16342)

392- ثقافتی مقابلوں میں شرکت کا حکم

مقابلے اگر شریعت کی متعین کردہ حدود (تیر اندازی، گھڑ سواری اور اونٹ سواری) کے مطابق نہ ہوں تو ان میں انعام لینا جائز نہیں کیونکہ یہ (مذکورہ اشیاء) وسائل جہاد سے ہیں۔ اسی طرح شرعی احکام سے متعلقہ علمی مسائل میں مقابلے بھی اس کے ساتھ ملحق ہیں، کیونکہ طلب علم جہاد فی سبیل اللہ کی ایک صورت ہے اور انعام میں یہ شرط ہے کہ وہ جائز کام میں ہو۔ (اللجنة الدائمة: 16505)

393- ان انعامات کا حکم جو حفظِ قرآن کی حوصلہ افزائی کے لیے دیے جاتے ہیں

اس میں ہم کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے کیونکہ یہ ایک عمدہ شرعی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے، اور وسائل کا وہی حکم ہوتا ہے جو ان کے مقاصد کا ہوتا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6287)

394- قرآن کریم کے مقابلوں میں بطور انعام حاصل کردہ مال سے حج کرنے کا حکم

مذکورہ انعامات سے حاصل ہونے والی رقم سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9349)

395- فٹ بال کھیلنے اور موجودہ باکسنگ اور ریسلنگ کے مقابلوں کا حکم

مقابلہ ان اشیاء میں جائز ہے جن سے کافروں کے خلاف جنگ میں مدد لی جائے، جیسے: گھوڑے، اونٹ، تیر اور ان کے ہم معنی آلاتِ حرب: جہاز، ٹینک، آبدوزیں، خواہ یہ انعامی مقابلے ہوں یا غیر انعامی، لیکن وہ اشیا جن سے جنگ میں مدد نہیں لی جاتی، جیسے: فٹ بال کا کھیل، باکسنگ (مکے بازی) ریسلنگ (پہلوانی) اگر ان کے مقابلوں میں کامیاب ہونے والے کے لیے انعام ہو تو پھر یہ جائز نہیں، لیکن اگر یہ غیر انعامی مقابلے ہوں اور کسی واجب سے غافل کرنے والے اور حرام میں مبتلا کرنے والے نہ ہوں اور ان سے کوئی ضرر اور نقصان بھی پیدا نہ ہو تو یہ جائز ہیں وگرنہ حرام۔ (اللجنة الدائمة: 3323)

396- مکے بازی (کے کھیل) کا حکم

یہ ایک ایسا کھیل ہے جس میں ہر مکے باز دوسرے کے چہرے پر مکہ مارتا ہے اور اکثر اوقات چہرے پر ضرب کے نتیجے میں بے ہوشی طاری ہوجاتی ہے، اسی طرح جو یہ کھیل کھیلتے ہیں ان کی رانیں ظاہر ہوتی ہیں جس سے ستر بھی کھل جاتا ہے۔

جہاں تک اس مکے بازی کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں دونوں کھلاڑیوں یا ایک کا بہت زیادہ نقصان ہو جاتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ [البقرۃ: 195]

''اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف مت ڈالو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ [النساء: 29]

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''نہ نقصان پہنچانا ہے نہ نقصان اٹھانا۔''[1]

اور رانیں نکالنا اور باقی ستر کھولنا بھی جائز نہیں۔ (اللجنة الدائمة: 3685)

397- بعض دوسرے کھیلوں کا حکم

سوال دومینو (یہ ایک طرح کی گیم ہے جس میں لکڑی یا پلاسٹک کے چوکور ٹکڑے استعمال ہوتے ہیں جن کی ایک سائیڈ خالی ہوتی ہے اور دوسری سائیڈ پر مختلف سیاہ نقطے ہوتے ہیں) شطرنج، گولیاں (بنٹے) نرونج، ڈھول (لڈو) موتی جوڑنا، جوکر کارڈ کا کیا حکم ہے؟

جواب جن کھیلوں کا ذکر ہوا ہے انھیں کھیلنا حرام ہے۔ اگر یہ شرط لگا کر اور کوئی معاوضہ طے کر کے کھیلی جائیں تو کبیرہ گناہوں اور قمار بازی میں شمار ہوں گی۔ امام ابو عمر بن عبدالبر کا قول ہے:

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2340]

''علما کا اجماع اور اتفاق ہے کہ کسی معاوضے کی بنیاد پر شطرنج کھیلنا جوا ہے جو جائز نہیں۔''

اسی طرح اگر مذکورہ کھیلوں کے کھیلنے کے نتیجے میں کسی واجب کا ترک ہو جائے تو یہ حرام ہوں گی، جیسے نماز میں وقت سے تاخیر، والدین، بیوی اور دیگر افرادِ خانہ کے حقوق کا ضیاع یا یہ کھیل بغض و عداوت، لڑائی، جھگڑے اور گالی گلوچ جیسے حرام کام میں مبتلا کرنے کا سبب بن جائیں، خواہ شرط کے بغیر ہی ہوں تب بھی حرام ہوں گے، لیکن اگر کھیل کو ان تمام کاموں سے دور رکھا جائے پھر بھی صحیح قول کے مطابق یہ حرام ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو شطرنج کھیل رہے تھے تو انھوں نے کہا: یہ کیا بت ہیں جن پر تم جمے ہوئے ہو؟ اس طرح انھوں نے ان کو بتوں پر مجاور بننے والوں کے ساتھ تشبیہ دی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسے کھیلنے سے منع کرنا منقول ہے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد اور ان تمام کے اصحاب بھی اس کی حرمت کے قائل ہیں کیونکہ شطرنج اور اس جیسے کھیل بعد میں ایسے کھیلوں کا ذریعہ بن سکتے ہیں، جنھیں معاوضے اور (شرط) کے ساتھ کھیلا جاتا ہے، خواہ فی الحال یہ معاوضے سے خالی ہی ہوں۔ علاوہ ازیں غالباً یہ کھیل فرائض سے غافل کر دیتے ہیں، لڑائی جھگڑے، گالی گلوچ کا سبب بنتے ہیں، بغض و عداوت جنم دیتے ہیں اور نماز اور ذکر الٰہی سے روک دیتے ہیں۔ اگر انسان کسی قائدانہ منصب کا حامل ہو، جیسے: کوئی داعیِ دین، جماعت حسبہ کا رکن، امام یا خطیب مسجد یا ان سے کسی اعلیٰ یا ادنیٰ منصب پر فائز شخص تو اس کے لیے برائی سے اجتناب کرنا اور واجبات کا اہتمام کرنا زیادہ لازمی ہے، کیونکہ ایسا آدمی دوسروں کے لیے نمونہ ہوتا ہے اور قابل اتباع۔ (اللجنة الدائمة: 4010)

398- تاش کھیلنے کا حکم

یہ کھیل دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگا: یا تو اسے کسی عوض کے بدلے کھیلا جائے گا یا بلا عوض۔ اگر کسی عوض کے بدلے اسے کھیلا جائے تو پھر اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس میں معاوضہ لینا لوگوں کا مال باطل اور ناجائز طریقے سے کھانا ہے جو جُوئے کی ایک قسم ہے، اور جُوئے میں جو گناہ اور زیادتی ہے وہ مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت شراب، بتوں اور قسمت کے تیروں کے ساتھ ملا کر ذکر کی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ [المائدة: 91,90]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟''

لیکن اگر اسے بلا عوض کھیلا جائے تو اسے کھیلنے والے غالباً ایسی حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ ان کے لیے گالی گلوچ کرنا، زبان لعن دراز کرنا، جھوٹ بولنا اور

جھوٹی قسمیں کھانا بے قیمت ہو جاتا ہے، بلکہ یہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف جرائم کے مرتکب بھی ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ کھیل ایک دوسرے پر غلبے کی خواہش بھی جنم دیتا ہے جس کے نتیجے میں بغض و عداوت پیدا ہو جاتے ہیں اور اشارے بازی اور ایک دوسرے کو جاہل قرار دے کر ہر ایک کی تنقیص کی جاتی ہے۔ یہ نتائج اس کی حرمت قرار دینے اور اس سے خبردار کرنے کے لیے کافی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوئے، بتوں اور قسمت کے تیروں کی حرمت کی جو وجہ ذکر کی ہے وہ ان کا شیطانی عمل ہونا ہے اور شیطان کا کام لوگوں میں عداوت، بغض پیدا کرنا، نماز اور ذکر الٰہی سے روکنا ہے، اور یہ تمام امور غالباً اس کھیل کی مجالس میں شامل ہوتے ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 432)

399- فٹ بال میچ دیکھنے کا حکم

فٹ بال کے مقابلے، جو مال اور اس طرح کے انعامات کی بنیاد پر ہوں، حرام ہیں کیونکہ ان میں قمار بازی ہوتی ہے۔ مقابلے کا معاوضہ لینا صرف اس کام میں جائز ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے اور وہ گھوڑوں، اونٹوں اور تیر اندازی کے مقابلے ہیں۔ اس بنیاد پر ان مقابلوں کے لیے جانا اور انھیں دیکھنا اس شخص کے لیے حرام ہے، جس کو علم ہے کہ یہ کسی معاوضے کی بنا پر کھیلے جا رہے ہیں کیونکہ وہاں حاضر ہونا ان (اشیا) کا اقرار کرنا ہے، لیکن اگر میچ بغیر کسی عوض کے ہو اور نماز اور دیگر واجبات سے غافل نہ کرے، اور کسی ممنوع کام پر بھی مشتمل نہ ہو، جیسے: بے پردہ اور مستور اجزائے جسم کا ظاہر ہونا، اختلاطِ مرد وزن یا آلاتِ لہو، تو پھر اس کے انعقاد اور دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 18951)

400- کسی عوض کے بدلے مقابلہ کرنے کا حکم

کسی عوض کے بدلے مقابلہ کرنا، ان صورتوں کے سوا جنھیں شریعت نے مستثنیٰ کیا ہے، حرام ہے اور یہ بات اس حدیث میں بیان کی گئی ہے:

''تیر اندازی، گھوڑے اور اونٹ کے سوا مقابلے بازی نہیں۔''[1]

یعنی ان تین اشیا کے مقابلوں کے سوا کسی مقابلے بازی میں عوض لینا جائز نہیں۔ یہ تین اشیا بھی اس لیے مستثنیٰ اور علاحدہ کی گئی ہیں کہ ان کی مشق اور مقابلے بازی جہاد فی سبیل اللہ کے لیے معاونت فراہم کرتی ہے۔ اس بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ اونٹ، گھوڑے اور تیر اندازی پر قیاس کرتے ہوئے ایسی اشیا کے درمیان انعامی مقابلے منعقد کرنا جو جنگ کے ساتھ خاص ہوں، جیسے سواری وغیرہ، جائز ہیں۔ بعض علماءِ کرام شرعی علوم کے مقابلوں کو بھی اسی کے ساتھ ملحق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ طلب علم بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے، لہٰذا شرعی امور میں انعام اور عوض کے بدلے میں مقابلے کروانا جائز ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ بنا بریں کسی عوض کے بدلے دوڑ، کشتی، حسنِ خط اور املا کے مقابلے جائز نہیں کیونکہ یہ لفظ کے اعتبار سے نہ معنی ہی کے اعتبار سے اس نص میں داخل ہیں۔ یہاں ایک تیسری مقابلے بازی بھی ہے جو حرام کام میں ہوتی ہے، جیسے نَرد (چوسر) شطرنج وغیرہ کی مقابلے بازی، یہ عوض کے ساتھ ہو یا بلا عوض، حرام ہے۔

اس بنیاد پر مقابلے بازی کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم حرام، دوسری عوض کے ساتھ حرام اور بلا عوض حلال اور تیسری قسم

---

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [3585]

عوض کے ساتھ اور بلا عوض دونوں طرح حلال ہے۔ وہ تین چیزیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی تیر اندازی، گھوڑا اور اونٹ سواری، ان میں عوض کے ساتھ ہو یا بلا عوض، مقابلے بازی جائز ہے اور دوڑ وغیرہ کا مقابلہ جو جائز ہے یہ عوض کے ساتھ حرام ہے اور بلا عوض جائز اور حرام چیز میں مقابلے بازی، ہر حال میں حرام ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/237)

(نوٹ: ان جوابات میں جو لفظ ''عوض'' مکرر ذکر ہوا ہے، اس سے مراد وہ رقم (انٹری فیس) ہے جو مقابلے یا ٹورنا منٹ میں شرکت کرنے کے لیے ہر ٹیم یا ہر شرکت کرنے والا کھلاڑی یا ہر امیدوار دیتا ہے، پھر تمام امیدواروں کی رقم اکٹھی کر کے جیتنے والی ٹیم کو بطور انعام دے دی جاتی ہے، نیز شرط لگانا بھی اس میں شامل ہے)

401- اسلام میں جائز کھیلوں کی اقسام

جہادی کاموں کی تربیت اور تیاری کے لیے اونٹ، گھوڑوں کی ریس، تیر اندازی اور حربہ بازی وغیرہ جیسے آلاتِ حرب کی مقابلے بازی جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [الأنفال: 60]

''اور ان کے (مقابلے کے) لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو، جتنی کر سکو، جس کے ساتھ تم اللہ کے دشمن کو اور اپنے

دشمن کو اور ان کے علاوہ کچھ دوسروں کو ڈراؤ گے، جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ انھیں جانتا ہے اور تم جو چیز بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ تمھاری طرف پوری لوٹائی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

اور حدیث نبوی ہے:

"عوض کے ساتھ مقابلے بازی صرف گھوڑے، اونٹ اور تیر اندازی میں ہے۔" (اللجنة الدائمة: 9868)

402- بازی (شرط) لگانے کا حکم

بازی لگانا قمار بازی کے حکم میں ہے۔ شریعت مطہرہ کے حلال کردہ کاموں کے علاوہ بازی لگانا جائز نہیں اور یہ صرف اونٹ، گھوڑے اور تیر اندازی کے مقابلوں میں جائز ہے، کیونکہ حدیث نبوی ہے:

"عوض کے ساتھ مقابلے بازی صرف گھوڑے، اونٹ اور تیر اندازی میں ہے۔" (اللجنة الدائمة: 1818)

403- ناجائز شرط لگانے کی ایک صورت

سوال دو آدمی چار چار سو کی شرط لگاتے ہیں جس کے ذمے واجب الادا ہوجائیں گے یعنی جو شرط ہار جائے گا وہ چار سو دے گا اور جو جیت کر ان کا حقدار ہوجائے، وہ قسم اٹھا کر کہتا ہے کہ وہ اپنے اس دوست کو معاف نہیں کرے گا؟

جواب دو آدمیوں یا دو ٹیموں کے درمیان شرط کی مذکورہ صورت میں متعین چیز لینا جائز نہیں کیونکہ یہ جُوئے کی ایک صورت ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے

حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴾ [المائدة: 91,90]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر گندے ہیں، شیطان کے کام سے ہیں، سو اس سے بچو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟“

اور فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

”عوض کے ساتھ مقابلے بازی صرف گھوڑے، اونٹ اور تیر اندازی میں ہے۔“

قسم کھانے والے کو چاہیے کہ وہ یہ رقم نہ لے اور اپنی قسم کا کفارہ دے جو اس آیت قرآنی میں صریحاً ذکر ہوا ہے:

﴿ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ وَ احْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [المائدة: 89]

''اللہ تم سے تمھاری قسموں میں لغو پر مؤاخذہ نہیں کرتا اور لیکن تم سے اس پر مؤاخذہ کرتا ہے جو تم نے پختہ ارادے سے قسمیں کھائیں۔ تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، درمیانے درجے کا جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا انھیں کپڑے پہنانا، یا ایک گردن آزاد کرنا، پھر جو نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھنا ہے۔ یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم قسم کھا لو اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو، اسی طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم شکر کرو۔'' (اللجنة الدائمة: 3086)

لُقَطَہ[1] کے احکام

404- لقطہ کے اعلان اور پہچان کا ضابطہ

ہر وہ چیز جس کی لوگوں کے ہاں کوئی قیمت ہو اور اس جیسی چیز کا انتہائی زیادہ خیال رکھا جاتا ہو، اس کا اعلان کروایا جائے، اور جو کوئی بے قیمت چیز ہو، لوگ اس کے پیچھے چلیں نہ اس پر بہت زیادہ توجہ ہی دیں، اس کی منادی کرانا واجب نہیں۔ چیزوں کی قدر و قیمت لوگوں کے حالات اور طبقات کے بدلنے سے بدل جاتی ہے، اس معاملے میں عرف اور رواج ہی فیصلہ کن حیثیت کا مالک ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6371)

405- اس لقطہ کا حکم جسے انسان اٹھا لیتا ہے مگر اس کے مالکوں کی تلاش کے باوجود اس کو کوئی بھی نہیں ملتا

اگر اٹھانے والے نے جو چیز اٹھائی ہے وہ گم شدہ مال ہے اور اس نے اس نیت سے اٹھائی ہے کہ وہ اس کا اعلان کرے گا اور اسے اس کے مالک تک پہنچانے کے لیے تگ و دو کرے گا، پھر اس نے ایک سال تک اس کا اعلان کیا اور اس کا مالک نہ آیا تو وہ چیز اس کے لیے حلال ہو جائے گی اور اس کی ملکیت میں شامل ہو جائے گی۔ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکتا ہے، لیکن اگر

[1] زمین پر پڑی ہوئی اٹھائی جانے والی کوئی چیز۔

اس کا مالک سال کے دوران میں یا اس کے بعد آجائے اور اس چیز کو اس طرح بیان کرے کہ وہ ساری نشانیاں اس پر صادق آتی ہوں تو پھر اس کو وہ چیز لوٹانی ضروری ہوجاتی ہے۔ سال گزرنے سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں بلکہ اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے، لیکن اگر وہ کوئی ایسی چیز ہو جو ایک سال باقی نہ رہ سکتی ہو جیسے بعض اشیاء خوردنی، جو اگر باقی رہیں تو خراب ہوجاتی ہوں یا ان کی حفاظت بہت زیادہ اخراجات چاہتی ہوں تو پھر انسان اسے بیچ دے تاکہ اس کے اخراجات سے بچ سکے، اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ تب ایسا تصرف کرنا واجب ہوجاتا ہے، لیکن اس وقت تک اس میں تصرف نہ کرے جب تک اس کی پہچان نہ کرا دے، پھر اگر اس کا مالک آجائے تو کہے: یہ لقطہ جو مجھے ملا تھا اس کی حفاظت کے لیے یا اس کی بقا کے اخراجات سے بچنے کے لیے میں نے اس میں یہ تصرف کیا ہے۔ جب سال گزر جائے تو پھر وہ اس کی ملکیت میں شامل ہوجاتا ہے، لہٰذا جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے، اگر اس کا مالک آجائے تو پھر اس کی مثل کوئی چیز لوٹانا واجب ہوگی یا وہ کسی اور چیز پر باہمی اتفاق کرلیں۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1/245)

406- مسجد میں لقطہ کا اعلان اور پہچان کروانا

سوال بعض اوقات کچھ مساجد کے قریب بعض اشیا یا نقدی مل جاتی ہے۔ اس کے گرنے کی ممکنہ جگہ طہارت خانے ہوتے ہیں یا کوئی اس جیسی جگہ تو کیا اس کے متعلق اشتہار مسجد کے اردگرد لگوا دیا جائے یا مسجد کے اندر؟

جواب اسے پانے والا اس طرح اس کی پہچان کروائے کہ کسی کے مسجد کے اندر نہیں بلکہ اس کے اردگرد پیسے، سونا وغیرہ گرے ہوں ... یا کسی کاغذ پر لکھ

کر اسے مسجد کے باہر چسپاں کر دے لیکن مسجد کے اندر نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 433/19)

407- حرم کا لقطہ

حرم مکہ کا لقطہ بھی وہی حکم رکھتا ہے جو کسی دوسری جگہ کا، لہٰذا ایک سال تک اس کی پہچان کروائی جائے، اگر اس کا مالک آ جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ اس کا ہو جائے گا جس نے اسے اٹھایا تھا۔

ہمارے علم کے مطابق جمہور علما کا یہی موقف ہے۔ کچھ اہل علم کا کہنا ہے کہ مکہ کا لقطہ اٹھانے سے ملکیت میں شامل نہیں ہو سکتا بلکہ اٹھانے والے کا فرض ہے کہ وہ عمر بھر اس کا اعلان کرتا رہے، کیونکہ فرمانِ نبوی ہے:

''اس کی گری ہوئی چیز اعلان کرنے والے کے سوا (کسی کے لیے اٹھانا) جائز نہیں۔''[1]

یہ حکم مکہ کے ساتھ خاص ہے۔ اگر یہ عام حکم ہوتا جو مکہ اور غیر مکہ میں ایک ہی ہوتا تو پھر اس کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اس قول کے مطابق جب انسان مکہ میں کوئی چیز گری ہوئی پائے تو یا تو ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے، تا آنکہ اس کو اس کا مالک مل جائے یا گم شدہ اشیا کے ذمے داران تک اسے پہنچا دے اور ان تک پہنچا کر وہ خود بری الذمہ ہو جائے گا۔ حرم کے اردگرد پائی جانے والی اشیا وصول کرنے کے لیے باقاعدہ تنخواہ پر لوگ مقرر ہیں جنھیں میرے خیال کے مطابق ''گم شدہ اموال کی حفاظت کی کمیٹی'' کا نام دیا گیا ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 8/245)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [2017]

408- جو اپنے جوتے کی جگہ کوئی دوسرا جوتا پائے؟

وہ اسے چھوڑ دے، اس کے لیے اسے لینا جائز نہیں کیونکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا جوتا، اس جوتے کے مالک کے علاوہ، کسی دوسرے شخص نے اٹھایا ہو اور وہ یہ جوتا لے کر وہ چیز لینے کا مرتکب ہو جائے جو اس کی نہیں، البتہ بعض علما کا کہنا ہے کہ اگر دونوں جوتے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے ہوں، یعنی اس آدمی کا جوتا اور جو جوتا وہاں رہ گیا ہے، تو ایسی حالت میں اسے لینے میں کوئی حرج نہیں؛ کیونکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی غلطی سے، اور جس کا گم ہوا ہے، اسے اپنا سمجھتے ہوئے لے گیا ہے۔ اس قول میں کوئی وجہ شک نہیں لیکن پرہیزگاری کا تقاضا ہے کہ ایسا نہ کرے، بلکہ اسے لقطہ سمجھے، اور چاہے تو اسے لے کر اعلان کروائے یا چاہے تو چھوڑ دے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 12/245)

409- قیمتی اشیا اٹھانا

سوال مجھے ایک بہت بڑے شہر کے وسط میں سونے کی کوئی چیز گری پڑی ملی، میں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقے میں دے دی اور یہ نیت رکھی کہ اگر مجھے اس کا مالک مل گیا اور وہ راضی نہ ہوا تو میں اس کو اس کی قیمت دے دوں گا، کیا ایسا کرنے کی بنا پر مجھ پر گناہ تو نہیں؟

جواب تم پر اور ہر اس شخص پر جو کوئی قابل اہمیت چیز پاتا ہے، یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کے اکٹھا ہونے کے مقامات پر ہر مہینے دو تین مرتبہ اس کا اعلان کرے۔ اگر وہ چیز پہچان لی جائے تو اسے اس کے مالک کو دے دے، اور اگر

وہ پہچانی نہ جائے تو وہ سال کے بعد اٹھانے والے کی ہو جائے گی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کا حکم دیا ہے۔ اگر وہ چیز حرم میں ملی ہو تو پھر وہ اٹھانے والے کی نہیں ہو سکتی، بلکہ ہمیشہ اس کا اعلان کیا جاتا رہے تا آنکہ اس کا مالک مل جائے یا حرمین میں متعلقہ ذمے داران تک اسے پہنچا دیا جائے، جہاں اس کے مالک کے لیے اسے محفوظ کر دیا جاتا ہے، کیونکہ مکہ کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اس کی گری پڑی چیز اعلان کرنے والے کے سوا جائز نہیں۔''[1]

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

''جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا، میں نے اسی طرح مدینہ کو حرم قرار دیا۔''[2]

لیکن اگر وہ لقطہ کوئی بے قیمت چیز ہو، جس پر اس کا مالک توجہ نہ دے، جیسے، کوئی رسّی، جوتے کا تسمہ، انتہائی کم رقم تو اس کا اعلان ضروری نہیں۔ جو اُسے اٹھائے، چاہے تو اس سے فائدہ اٹھا لے اور چاہے تو اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔

لیکن اس سے گم شدہ اونٹ اور اس کی طرح کے ایسے جانور مستثنیٰ ہیں جو چھوٹے درندوں جیسے بھیڑیا وغیرہ سے اپنی حفاظت کر سکتے ہوں، انھیں پکڑنا جائز نہیں، کیونکہ ایک شخص نے اس کے متعلق آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''اسے چھوڑ دے۔ اس کے جوتے (کھر) اور پانی (پیٹ) اس کے ساتھ ہیں۔ وہ پانی تک پہنچ سکتا ہے اور درخت سے پتے کھاتا

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [112] صحیح مسلم [1355/448]

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2129] صحیح مسلم [1360/454]

ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے مالک سے جا ملے۔"[1]

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 429/19)

410- راستے میں سامانِ تجارت لے جانے والے تاجروں کی گاڑیوں سے گرنے والی اشیا اٹھانے کا حکم

اکثر گاڑیوں سے کوئی برتنوں کا کارٹون، یا پھلوں کا کریٹ یا اس طرح کی کوئی چیز گر جاتی ہے، اگر انسان کو ایسی کوئی چیز ملے تو یہ لقطہ شمار ہوگی، کیونکہ یہ مالک کا گم ہونے والا مال ہے اور یہ لقطہ ہوتا ہے۔ اگر انسان سمجھتا ہو کہ وہ اس کا اعلان کرنے پر قدرت رکھتا ہے تو اسے اٹھائے اور اعلان کرے۔ اگر وہ پھل ہوں جو ایک سال تک نہیں رہ سکتے تو ان کے اوصاف کا اعلان کر کے انھیں بیچ دے اور اس کی قیمت اپنے پاس محفوظ رکھے، اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ قیمت اس کی ہوگی اور اگر انسان کو اپنی ذات پر اعتماد نہ ہو اور وہ جانتا ہو کہ وہ ایک سال تک اس کا اعلان کرتے رہنے کی قدرت نہیں رکھتا تو اسے چھوڑ دے۔

(ابن عثیمین: لقاء الباب المفتوح: 14/127)

411- اس کا حکم جو غیر اسلامی ممالک میں کوئی مال پاتا ہے

اگر اس کو حربی کفار کے ملک میں کوئی گری پڑی چیز ملے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اس کا اعلان و پہچان کروانا ضروری نہیں، مگر یہ کہ اس کے نتیجے میں اس کو کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے، لیکن اگر غیر حربی کفار کے ممالک میں کوئی چیز ملے تو اس کا اسی طرح اعلان کرے، جس طرح مسلمانوں کے ممالک میں ملنے والی اشیا کے متعلق کیا جاتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 5512)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2372] صحيح مسلم [1722/1]

412- سمندر کے پھینکے ہوئے سامان وغیرہ کا حکم

سمندر کے کنارے پڑے ہوئے گم شدہ مال یا اس کے پھینکے ہوئے سامان کا بھی وہی حکم ہے جو لقطہ کا حکم ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8598)

اہل کتاب کے ساتھ معاملات

413- اہل کتاب سے کیا مراد ہے؟

اہل کتاب سے یہود و نصاریٰ اپنے شرک سمیت مراد ہیں۔ یہ شرک ان میں اس وقت بھی موجود تھا جب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر قرآنِ کریم نازل ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے ہاں حضرت عیسیٰ کی الوہیت اور خدا کے ساتھ انھیں بھی الٰہ بنانے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کے ساتھ ان کی بندگی کرنے کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ [المائدة: 17]

”بلا شبہ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے، جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ مسیح ہی تو ہے جو مریم کا بیٹا ہے۔“

اسی طرح یہود کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے کہا: عزیر (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا ہے، پھر تمام اہل کتاب کے متعلق بتایا کہ انھوں نے اپنے علما اور راہبوں کو خدا کے سوا رب بنایا:

﴿ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [التوبة: 30]

''اور یہودیوں نے کہا عزیز اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کا اپنے مونہوں کا کہنا ہے، وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کر رہے ہیں، جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا، اللہ انھیں مارے، کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: 64]

''کہہ دے اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان برابر ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے، پھر اگر وہ پھر جائیں تو کہہ دو، گواہ رہو کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے عقیدہ تثلیث کے متعلق بتایا اور ان کو اس سے منع کیا:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ [النساء: 171]

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو۔''

نیز فرمایا:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ [النساء: 171]

''اور مت کہو کہ تین ہیں، باز آجاؤ، تمھارے لیے بہتر ہوگا۔ اللہ تو

صرف ایک ہی معبود ہے۔"

ان آیات کے علاوہ دیگر کئی آیات ہیں جو وحی کے نزول کے وقت ان کے شرک و کفر پر دلالت کرتی ہیں، اور قرآن کریم میں کئی ایک جگہ انھیں اہل کتاب کا نام دیا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 7150)

414- کفار کے ساتھ منع کردہ مشابہت

کفار کے ساتھ جو مشابہت رکھنے سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد ان کی خصوصی عادات اور دین و عبادات میں ان کی داخل کردہ بدعات کے ساتھ مشابہت رکھنا ہے، جیسے ڈاڑھی منڈوانے، زنار باندھنے (یہ ایک طرح کا دھاگا یا پٹکا ہوتا ہے جسے یہود و مجوس اور نصاریٰ اپنی کمر کے گرد باندھتے ہیں) میں ان کی مشابہت رکھنا، اور جو انھوں نے مختلف تہوار اور عیدیں بنائی ہیں، صالحین سے مدد خواہی میں غلو کرتے ہیں، ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں، ان کاموں میں ان کے ساتھ مماثلت رکھنا، ناقوس بجانا، صلیب کی تعظیم کرتے ہوئے یا اس کے متعلق وہی عقیدہ رکھتے ہوئے جو اس کے متعلق عیسائیوں کا ہے، اسے گلے میں پہننا، گھروں میں لٹکانا یا ہاتھ وغیرہ پر گندوانا (ان تمام کاموں میں مشابہت رکھنا ان کے ساتھ مشابہت رکھنا ہے) اور ان کے ساتھ مشابہت رکھنے کا حکم بھی مختلف ہوتا ہے۔ کبھی تو ایسا کرنا کفر ہوتا ہے، جیسے اصحابِ قبور سے مدد خواہی، صلیب کو تبرکاً لٹکانے اور بطور امتیازی شان اختیار کرنے میں ان کی مشابہت کرنا اور کبھی صرف حرام ہوتا ہے، جیسے ڈاڑھی منڈوانا، ان کی عیدوں پر انھیں مبارکباد دینا۔ شائد ان حرام کاموں میں ان کے ساتھ مشابہت کفر تک نہ پہنچا دے۔ (اللجنة الدائمة: 4566)

415- کفار کے ساتھ دوستی کی حدود

کفار کے ساتھ دوستی رکھنا جس کی وجہ سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، وہ ان کے ساتھ محبت رکھنا اور مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرنا ہے۔ صرف ان کے ساتھ عادلانہ سلوک روا رکھنے، یا انھیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے ان کے ساتھ میل ملاپ رکھنے اور اشاعتِ اسلام کے لیے ان کی مجالس میں شرکت کرنے اور اس مقصد کی خاطر سفر کر کے ان کے پاس جانے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا۔ (اللجنة الدائمة: 6901)

416- ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ میں ولایت کا معنی

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہود اور دیگر کفار کے ساتھ محبت، دوستی، بھائی چارے اور دست گیری کا رشتہ قائم کرنے اور انھیں مصاحب وہم نشین بنانے سے منع کیا ہے، چاہے وہ غیر حربی (مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑنے والے) ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلة: 22]

”تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے

بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان، یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔"

اور فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ۝ هٰاَنْتُمْ أُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ ﴾ [آل عمران: 119,118]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے، وہ ہر ایسی چیز کو پسند کرتے ہیں، جس سے تم مصیبت میں پڑو، ان کی شدید دشمنی تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپا رہے ہیں، وہ زیادہ بڑا ہے، بے شک ہم نے تمھارے لیے آیات کھول کر بیان کر دی ہیں، اگر تم سمجھتے ہو۔ دیکھو! تم وہ لوگ ہو کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے۔"

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴾ [آل عمران: 120]

"اور اگر تم صبر کرو اور ڈراتے رہو تو ان کی خفیہ تدبیر تمھیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گی۔"

یہ آیات اور ان کے ہم معنی کتاب و سنت کی دیگر نصوص (اس پر دلالت کرتی ہیں) تاہم اللہ نے مومنوں کو غیر حربیوں کے ساتھ اچھائی کے بدلے اچھائی کرنے، یا ان کے ساتھ خرید و فروخت جیسے مباح اور حلال فوائد کے تبادلے اور تحفے تحائف قبول کرنے سے منع نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ [الممتحنة: 9,8]

”اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تو تمھیں انھی لوگوں سے منع کرتا ہے، جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔“ (اللجنة الدائمة: 4246)

417- مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مشترکہ جگہ میں عبادت کرنے کا حکم

اگر مسلمان اپنے لیے مسجد بنانے کے لیے کوئی جگہ مخصوص کرنے پر قادر ہوجائیں اور وہ دیگر ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ کسی مشترک عمارت میں نہ ہوتو ان پر ایسا کرنا لازم ہے، وگرنہ جس جگہ ان کے لیے ممکن ہو، وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرلیں، خواہ وہ اور دیگر ادیان کے پیروکار ایک ہی چھت تلے ہوں اور وہ جگہ مخصوص ہو یا غیر مخصوص، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔'' (اللجنة الدائمة: 2234)

418- یہودیت، عیسائیت اور اسلام تینوں ادیان کے لیے مشترکہ عبادت خانہ بنانے کا حکم

یہ جائز نہیں؛ کیونکہ کسی جگہ کو ان تینوں ادیان کی مشترکہ عبادت گاہ بنانے کی اساس تقویٰ پر نہیں بلکہ شرک اور اس میں غیر اللہ کی عبادت پر ہے، اور اسلام کے سوا کوئی صحیح دین نہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: 85]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

(اللجنة الدائمة: 6364)

419- غیر مسلموں کا مساجد میں داخل ہونا

مسجد حرام میں یہودیوں، عیسائیوں، صنم پرستوں، ملحدوں اور کیمونسٹوں سمیت کسی بھی کافر کا داخل ہونا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ [التوبة: 28]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بات یہی ہے کہ مشرک لوگ ناپاک ہیں، پس وہ اپنے اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے منع کر دیا ہے۔ اور مطلقاً جب مشرک بولا جائے تو اس میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہوتے ہیں، لہٰذا کسی مشرک کا مسجد حرام میں داخل ہونا جائز نہیں، نہ کسی یہودی کا، نہ کسی عیسائی کا اور نہ ان دونوں کے علاوہ کسی دوسرے مشرک ہی کا، بلکہ یہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔

لیکن جو باقی مساجد ہیں تو ان میں کسی مصلحت اور ضرورت کے تحت ان کا داخل ہونا جائز ہے اور اس میں مدینہ طیبہ بھی شامل ہے، اگرچہ مدینہ کی اپنی خصوصیت ہے لیکن اس مسئلے میں اس کی مساجد دیگر علاقوں کی مساجد ہی کے مانند ہیں، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے مدینہ میں مسجد نبوی میں کافر کو باندھا اور وفدِ ثقیف مسلمان ہونے سے پہلے جب مسجد میں داخل ہوا تو آپ نے انھیں وہیں رکھا۔ اسی طرح عیسائیوں کا وفد بھی آپ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوا، لہٰذا یہ اس کی دلیل ہے کہ مسجد نبوی میں مشرک کا داخل ہونا جائز ہے، اسی طرح دیگر مساجد میں تو ضرورت کے وقت بدرجہ اول وہ داخل ہوسکتے ہیں۔ سوال کرنے کے لیے یا کسی دوسری ضرورت کے لیے، کسی درس سے مستفید ہونے کے لیے یا

اسلام قبول کرنے یا اظہار اسلام کے لیے یا اس جیسے کسی مقصد کی خاطر۔
نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کا داخل ہونا جائز ہے، اگر کوئی مصلحت نہ ہو تو پھر اس کو مسجد میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ خدشہ ہو کہ یہ مسجد میں داخل ہو کر مسجد کا فرنیچر خراب کر دے گا یا گندگی پھیلائے گا تو اس کو منع کر دیا جائے۔ (ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 380/1)

420- اہل کتاب ہمسائیوں کے ساتھ سلوک

سوال اگر ہمارے کافر (عیسائی) پڑوسی ہوں، اگر وہ ہمیں تحائف دیں اور ہم انھیں قبول کر لیں تو کس طرح ان کے ساتھ پیش آئیں؟ کیا ہم ان کے سامنے ننگے منہ آ سکتی ہیں یا وہ ہمارے چہرے کے علاوہ بھی ہمارے جسم کا کوئی حصہ دیکھ سکتے ہیں اور کیا ہمارے لیے عیسائی دکانداروں سے خریداری کرنا جائز ہے؟

جواب جو تمھارے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، تم بھی اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، خواہ وہ عیسائی ہی ہوں اور جب وہ تمھیں کوئی جائز تحفہ دیں تو انھیں اس کا بدلہ بھی دو۔ نبی کریم ﷺ نے شاہِ روم کا تحفہ قبول کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾

[الممتحنة: 9,8]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تو تمھیں انھی لوگوں سے منع کرتا ہے، جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی کرو۔ اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔''

اور جس قدر مسلمان عورتوں کے سامنے اپنا جسم ظاہر کیا جا سکتا ہے اور کپڑوں وغیرہ کی زیبائش ہوسکتی ہے، علما کے صحیح قول کے مطابق کافر عورتوں کے سامنے بھی اس قدر اظہار کرنا جائز ہے، نیز تم اپنی ضرورت کا جائز سامان بھی ان سے خرید سکتی ہو۔ (اللجنة الدائمة: 5176)

421- نصرانی کی ملاقات کا حکم

عیسائی یا کسی دوسرے کافر کی ملاقات کے لیے جانا، اگر وہ مریض ہو تو یہ حقیقت میں ملاقات نہیں بلکہ عیادت ہوتی ہے، کیونکہ مریض کے پاس بار بار جایا جاتا ہے۔ اگر اس میں کوئی مصلحت ہو، جیسے اس کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے اس کی ملاقات کے لیے جانا تو یہ سراسر بھلائی ہے، اگر کوئی مصلحت نہ بھی ہو تب بھی اس کی عیادت کرنی چاہیے۔ اگر کوئی اور سبب ہو جو اس کی ملاقات کا تقاضا کرتا ہو، مثلاً وہ رشتے دار ہو یا پڑوسی ہو یا کوئی اس جیسا سبب تو پھر بھی اس کی ملاقات میں کوئی حرج نہیں، وگرنہ اس کی عیادت نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 5/21)

422- ان کے جنازوں میں شرکت کرنا

اگر ان میں کوئی حرام کام ہوتا ہو جیسے ناقوس (سنکھ) بجانا، آگ روشن کرنا اور صلیبیں اٹھانا تو پھر جائز نہیں اور اگر ان میں کوئی حرام چیز نہ ہو تو پھر ان میں مصلحت دیکھی جائے گی۔ واللہ اعلم۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 5/21)

423- کافر کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم

صلہ رحمی موالات نہیں ہوتی بلکہ موالات ایک چیز ہے اور صلہ رحمی دوسری چیز، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سورت میں صلہ رحمی کرنے اور دوست بنانے سے منع کرنے کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ﴾ [الممتحنة: 1]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ، تم ان کی طرف دوستی کا پیغام بھیجتے ہو۔''

اور اسی سورت میں یہ بھی ذکر کیا ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ﴾ [الممتحنة: 8]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔''

لہٰذا صلہ رحمی دوستی سے علاحدہ امر ہے، اس بنا پر صلہ رحمی کرنا واجب ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، لیکن ان کے کفر پر ان کی مدد، تائید اور موالات سے دور رہتے ہوئے۔ اسی طرح انھیں اپنے گھر میں بلانا بھی جائز ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کو دعوتِ اسلام پیش کرنے اور ان کو نصیحت کرنے اور ان کی راہنمائی پر بھی بھرپور توجہ دینی چاہیے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے سبب انھیں ہدایت نصیب کر دے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3/21)

424- ایک ہی پلیٹ میں مشرکوں کے ساتھ کھانا

مسلمان کو بُری مجالس سے بچنا چاہیے، مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی مجالس بھی انھی میں شامل ہیں، لہٰذا بقدر امکان ان سے دور رہے، لیکن اگر کسی ضرورت کی وجہ سے وہ ان کے ساتھ کھانے پر مجبور ہو تو اس کو معذور سمجھا جائے گا، جس طرح آج بہت سے ایسے ادارے ہیں جن میں مسلمان اور کافر اکٹھے کام کرتے ہیں اور مسلمان ان کے ساتھ اکٹھ سے بچ نہیں سکتا، لیکن میں کہتا ہوں کہ اس میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ مسلمان ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں پیش کرے اور ان کو اس کی دعوت دے، شائد اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے دے اور وہ اس اجر عظیم کا مستحق ہو جائے جس کا ذکر رسول کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خیبر بھیجتے وقت کیا تھا اور ان سے کہا تھا:

"ان کو اسلام کی دعوت دینا۔ خدا کی قسم! اگر اللہ تیرے ذریعے سے کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہوگا۔"[1]

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2942] صحيح مسلم [2406/34]

اور سرخ اونٹ عرب کے ہاں قیمتی ترین اور اعلیٰ مال تھا۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 4/21)

425- کافر کو پہلے سلام کرنا

کافر کو پہلے سلام کرنا جائز نہیں، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو، اگر تم راستے میں ان میں سے کسی کے ساتھ ملو تو اس کو تنگ راہ پر چلنے پر مجبور کرو۔''[1] (یعنی تم طمطراق سے درمیان میں چلو اور وہ تمھیں دیکھ کر ایک طرف ہو کر چلیں)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب اہل کتاب تم کو سلام کریں، تو تم کہو: ''و علیکم''[2]

لہٰذا حدیث کے مطابق ان کو ''علیکم'' (تم پر بھی وہی ہو جو تم نے کہا) کہہ کر جواب دو، البتہ کافر کا پہلے حال پوچھنے میں کوئی حرج نہیں، مثلاً یہ کہنا: تمھارا کیا حال ہے؟ صبح کیسی رہی؟ شام کیسی تھی وغیرہ، اور یہ بھی اس وقت جب ضرورت ہو۔ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی تصریح کی ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ بھی ان میں شامل ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 11123)

426- کافروں کی عیدوں پر انھیں مبارکباد دینا

مسلمان کے لیے عیسائیوں کو ان کی عیدوں پر مبارک باد دینا جائز نہیں،

---

1. صحيح مسلم [2167/13]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [6258] صحيح مسلم [2163/6]

کیونکہ یہ گناہ پر تعاون کی صورت ہے، جس سے ہم کو منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ: 2]

''اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

اسی طرح اس مبارک باد دینے میں ان کے ساتھ اظہارِ دوستی، ان کی محبت کی طلب، ان سے اور ان کے دینی شعائر (علامات) پر رضا مندی کا احساس چھلکتا ہے، جو ناجائز ہے، بلکہ ان کے ساتھ عداوت اور نفرت کا اظہار کرنا واجب ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہیں، اس کے ساتھ غیر کو شریک کرتے ہیں اور اس کی بیوی اور لڑکا بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ [المجادلۃ: 22]

''''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان، یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور انھیں اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ قوت بخشی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ﴾ [الممتحنة: 4]

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بَری ہیں، جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہوگیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔'' (اللجنة الدائمة: 11168)

427- جزیرۂ عرب میں کافر سے خدمت لینے کا حکم

مسلمان کو جزیرۂ عرب میں کافر کو خادم یا ڈرائیور رکھنے یا کسی بھی طرح کی خدمت لینے کے لیے رکھنا جائز نہیں، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے مشرکین کو اس جزیرے سے نکالنے کی وصیت کی ہے، نیز اس کام میں، جس کو اللہ تعالیٰ نے دور کیا ہے اور خائن قرار دیا ہے، اس کو قریب کرنا اور اپنی امانتیں اس کے سپرد کرنا ہے، نیز ان سے خدمت لینے میں کئی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 9607)

428- کافر کو مصاحب اور ہم نشین بنانے کا حکم

کافر مسلمان کا بھائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ ﴾ [الحجرات: 10]

''مومن مومن کا بھائی ہے۔''

اور فرمانِ رسول ﷺ ہے:

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔''[1]

کوئی کافر، یہودی، عیسائی، بت پرست، آتش پرست، ملحد کیمونسٹ وغیرہ اس کا بھائی نہیں، لہٰذا اس کو دوست یا مصاحب بنانا بھی جائز نہیں، لیکن اگر کبھی وہ تمھارے ساتھ کھا لے اور تم نے اس کو دوست اور ساتھی نہ بنایا ہو بلکہ اچانک یا کسی دعوت عام میں وہ تمھارے ساتھ کھا لے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس کو دوست، ساتھی، ہم نشین، ہم نوالہ و ہم پیالہ بنانا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان محبت و موالات قطع کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عظیم میں فرماتے ہیں:

﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ ﴾ [الممتحنة: 4]

''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے ایک اچھا نمونہ تھا، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک ہم تم سے اور ان تمام چیزوں سے بَری ہیں، جنھیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، ہم تمھیں نہیں مانتے اور ہمارے درمیان اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بغض ظاہر ہوگیا، یہاں تک کہ تم اس اکیلے اللہ پر ایمان لاؤ۔''

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [6591] صحیح مسلم [2580/58]

نیز فرمایا:

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ [المجادلة: 22]

''تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں، جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی''

آگے فرمایا:

﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ﴾ [المجادلة: 22]

''خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔''

لہٰذا مسلمان پر اہل شرک سے براءت کا اظہار کرنا اور خدا کے لیے ان کے ساتھ نفرت رکھنا واجب ہے، لیکن انھیں ناحق تکلیف پہنچائے، نقصان سے دوچار کرے نہ ان پر زیادتی ہی کرے، مگر ان کو دوست اور ہمراز ساتھی نہ بنائے، اور جب اچانک کسی عام دعوت میں یا کسی عارضی کھانے میں ان کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہو تو کھا لے لیکن ان کے ساتھ دوستی، محبت یا صحبت رکھے بغیر کوئی حرج نہیں۔ (ابن باز: نور علی الدرب: 370/1)

429- غیر مسلم کو خون دینے کا حکم

میں اس میں کوئی ممانعت نہیں جانتا، کیونکہ اللہ عزوجل اپنی کتاب عظیم میں فرماتے ہیں:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ﴾ [الممتحنة: 8]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ وہ ہم کو ان کفار کے ساتھ اچھائی اور حسن سلوک کرنے سے نہیں روکتا، جنھوں نے ہمارے ساتھ لڑائی کی، نہ ہم کو ہمارے گھروں سے نکالا۔ اور مجبور کو طبی امداد کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ اور اہل مکہ کے درمیان صلح کے ایام میں حضرت اسماء بنت ابوبکر کی والدہ، جو کافرہ تھی، اپنی بیٹی کے پاس آئی اور اس سے صلہ رحمی کا سوال کیا تو حضرت اسما نے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے ان کو اس کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا فتویٰ دیا اور کہا: ''اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر۔'' حالانکہ وہ کافرہ تھی۔

جب کوئی معاہد (وہ کافر جو کسی معاہدے کے تحت کسی مسلمان ملک میں آیا ہو) یا امن دی گئی سرزمین کا کافر، جس کے اور ہمارے درمیان لڑائی نہ ہو، اس کے لیے مجبور ہو تو اس کو خون کا عطیہ دینے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح اگر وہ مردار کھانے کے لیے مجبور ہو جاتا۔ تاہم تجھ کو اس کا اجر ملے گا کیونکہ خون کے ضرورت مند کی مدد کرنے میں تمھارے لیے کوئی ممانعت نہیں۔

(ابن باز: نورعلی الدرب: 375/1)

430- مسلمان کا کافر ملک کی شہریت اختیار کرنے کا حکم

مسلمان کے لیے ایسے ممالک کی شہریت لینا جائز نہیں، جن کی حکومت کافر ہو، کیونکہ یہ ان کے ساتھ موالات اور ان کے باطل کاموں میں ان کی موافقت کا ذریعہ ہے اور شہریت لیے بغیر وہاں اقامت رکھنا، اس آیت مبارکہ کی رو سے اصلاً منع ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ [النساء: 98,97]

"بے شک وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، کہتے ہیں تم کس کام میں تھے؟ وہ کہتے ہیں ہم اس سرزمین میں نہایت کمزور تھے۔ وہ کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ تو یہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔ مگر وہ نہایت کمزور۔"

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"میں ہر اُس مسلمان سے بَری ہوں جو کافروں کے درمیان اقامت اختیار کرتا ہے۔"[1]

علاوہ ازیں اس کے متعلق دیگر احادیث بھی مروی ہیں۔ بلاد شرک سے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [2645]

بلاد اسلام کی طرف استطاعت کے مطابق ہجرت کرنے کے واجب ہونے پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے، لیکن جو صاحب علم و بصیرت کافروں کو دین اسلام کی تبلیغ کرے اور دعوت دین دینے کے لیے ان کے درمیان اقامت اختیار کرے تو اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں، (خصوصاً) جب اس کو اپنے دین میں کسی فتنے کے واقع ہونے کا خدشہ نہ اور وہ ان کو متاثر کرنے اور ان کی ہدایت کی امید رکھتا ہو۔ (اللجنة الدائمة: 2393)

431- کافر کا مسلمان ملک کی شہریت اختیار کرنا

جب کافر کے متعلق کسی فتنے گری کا خوف نہ ہو اور اس میں بھلائی کا رجحان غالب ہو تو اس کا مسلمان ملک کی شہریت اختیار کرنا جائز ہے، لیکن جزیرہ عرب میں اس کو اسلام قبول کیے بغیر اقامت گزینی کی اجازت نہ دی جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکالنے کی وصیت کی ہے۔[1]

(اللجنة الدائمة: 6495)

432- ذمی کے ساتھ سلوک کرنے کا مثالی طریقہ

مسلمانوں کا ذمی کے ساتھ سلوک کرنے کا مثالی طریقہ یہ ہے کہ اس کے ذمے اور حق کو پورا کیا جائے۔ اس کے دلائل وہ آیات و احادیث ہیں جو وعدہ پورا کرنے، اس کے ساتھ اچھائی کرنے اور عادلانہ برتاؤ کرنے کا حکم دیتی ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [3053] صحيح مسلم [1637/20]

يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ [الممتحنة: 8]

''اللہ تمھیں ان لوگوں سے منع نہیں کرتا، جنھوں نے نہ تم سے دین کے بارے میں جنگ کی اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا کہ تم ان سے نیک سلوک کرو اور ان کے حق میں انصاف کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

اس کے ساتھ نرمی سے بات کرنی چاہیے اور عموماً احسان کرنا چاہیے، سوائے اس کام کے جس سے شریعت منع کرے، جیسے: سلام میں پہل کرنا، مسلمان عورت کے ساتھ اس کی شادی کرنا اور مسلمان کا اس کو وارث بنانا وغیرہ، اور اس طرح کے دیگر کام جن کی ممانعت نص سے ثابت ہے۔ اس موضوع کے تفصیلی احکام جاننے کے لیے علامہ ابن قیم کی کتاب ''أحکام أھل الذمة'' اور دیگر اہل علم کا اس موضوع کے متعلق کلام ملاحظہ کریں۔ (اللجنة الدائمة: 2677)

قضا (عدالتی معاملات) کے احکام

433- وہ شرائط جن کا مسلمان قاضی (جج) میں پایا جانا ضروری ہے

یاد رہے ہر (سرکاری) ذمے داری اور عہدے داری میں دو بنیادی ارکان بلکہ اساسی شرطوں کا ہونا ضروری ہے اور وہ دونوں: قوت اور امانت ہیں۔ ان دو ارکان یا شرائط کا ہر عمل میں موجود ہونا ازبس لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ﴾ [القصص: 26]

''کیونکہ سب سے بہتر شخص جسے تو اجرت پر رکھے طاقتور، امانت دار ہی ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ﴾ [النمل: 39]

''جنوں میں سے ایک طاقتور شرارتی کہنے لگا میں اسے تیرے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ تو اپنی جگہ سے اٹھے اور بلاشبہ میں اس پر یقیناً پوری قوت رکھنے والا، امانت دار ہوں۔''

اور قاضی میں قوت شریعت اسلامیہ کے علم اور لوگوں کے حالات، روایات اور اصطلاحات کی معرفت پر مرکوز ہوتی ہے، تاکہ وہ شریعت کے مطابق لوگوں

کے فیصلے کرے اور شرعی احکام کی تطبیق و تنفیذ پر قادر ہو سکے، کیونکہ ہر حکم اور فیصلے کے لیے اس کے قابل محل اور جگہ کا ہونا ضروری ہے، لہٰذا قاضی میں شرعی احکام کا عالم ہونے اور لوگوں کے حالات، رسم و رواج اور اصطلاحات سے واقفیت رکھنے کی شرط لگائی جاتی ہے اور اسی کا نام قوت ہے۔ اس کا امانتدار ہونا بھی ضروری ہے اور امانت اسی وقت وجود پذیر ہو سکتی ہے، جب قاضی اور جج مسلمان اور عادل ہو۔ غیر مسلم کا فیصلہ مسلمان پر نافذ نہیں ہوتا کیونکہ وہ اپنے فیصلے میں امین اور قابل اعتماد نہیں ہوتا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو فاسق کی خبر کی حقیقت معلوم کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ﴾ [الحجرات: 6]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو لاعلمی کی وجہ سے نقصان پہنچا دو۔“

بلاشبہ کافر کی خبر کی حقیقت معلوم کرنا بالاولیٰ ضروری ہے۔ اسی لیے ضرورت کے علاوہ کافر کی گواہی بھی جائز نہیں اور وہ بھی اس صورت میں جب کوئی مسلمان حالتِ سفر میں مر جائے اور اس کے نزدیک کوئی مسلمان نہ ہو تو اس نے وصیت کی اور دو کافروں کو گواہ بنا دیا۔ ایسی حالت میں گواہی قبول کی جائے گی اور اگر ان دونوں کی قسموں میں کوئی شک واقع ہو تو وہ دونوں قسمیں اٹھائیں گے۔

بہر کیف اہم بات یہ ہے کہ قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور عادل بھی۔ عدل سے مراد جس کا دین بھی درست ہو اور مروّت (اخلاقی بلندی) بھی۔

جو واجبات ترک کرتا ہے یا کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے یا صغیرہ گناہوں پر مصر رہتا ہے تو ایسا آدمی عادل نہیں ہوتا، لہٰذا وہ حاکم اور فیصلہ کرنے والا بھی نہیں بن سکتا کیونکہ فیصلہ تین امور پر مشتمل ہوتا ہے: گواہی، بیان اور فیصلہ۔ فیصلہ کرنے والا شرعی اور قانونی حکم بیان کرتا ہے، اس کی تشریح کرتا ہے اور کسی کے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہے اور یہ حکم تقاضا کرتا ہے کہ وہ (قاضی) گواہی دیتا ہے کہ یہ حکم فلاں کے حق میں اور فلاں کے خلاف ہے۔ اور وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہے، لہٰذا اس کا عادل ہونا ضروری ہے تاکہ ہم اس کے حکم اور خبر پر اعتماد کریں۔
چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ مرد ہو۔ عورت کا قاضی کے عہدے پر متمکن ہونا ممکن نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''وہ قوم فلاح نہیں پائے گی، جس نے عورت کو اپنا ولی امر (نگران سلطنت) بنا لیا۔''[1]

یہاں اور بھی شرائط ہیں جن میں علماءِ کرام کا اختلاف ہے، لہٰذا انھیں ذکر کرنے کی ضرورت ہے نہ موقع و محل کا تقاضا۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 1)

434- قاضی کا اپنے کام میں رویہ اور طرزِ عمل

قاضی کو دانا ہونا چاہیے۔ جہاں نرمی کی ضرورت ہو وہاں نرمی استعمال کرے اور جہاں سختی کا مقام ہو وہاں سختی، جبکہ نرمی، حسن اخلاق اور عدم شدت کا پہلو غالب رہنا چاہیے، مگر جہاں ضروری ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ [العنكبوت: 46]

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [4425]

''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، مگر وہ لوگ جنھوں نے ان میں سے ظلم کیا۔''

لہٰذا ظالموں کے ساتھ احسن برتاؤ سے (بتدریج) سخت رویے کی طرف منتقل ہوا جائے جس کا قاعدہ یہ قول ربانی ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ﴾ [آل عمران: 159]

''پس اللہ کی طرف سے بڑی رحمت ہی کی وجہ سے تو ان کے لیے نرم ہوگیا ہے۔''

جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ [البقرة: 83]

''اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔''

لہٰذا ان کے ساتھ احسن انداز میں مجادلہ اور تکرار کرے، لیکن اگر یہ دیکھے کہ بحث کرنے والا مد مقابل حق سے دور ہے اور مغالطہ دے رہا ہے تو تب سختی سے اس کو ڈانٹنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس کو اس کے عمل بد کے نتائج سے باخبر کرے۔ بعض اوقات اس کو جیل بھیج دینے یا سزا دینے جیسی کوئی بڑی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے، لیکن جب تک مسائل احسن انداز، بہترین گفتگو اور خیر خواہی کے دائرے میں پیش کیے جاتے رہیں تو اسی کو مقدم رکھا جائے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 208/23)

435- اس حدیث کی صحت: ''جو قاضی کے عہدے پر فائز ہوا تو اس کو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔''

یہ حدیث عمدہ اور معروف ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اسے امام احمد

اور اہل سنن نے روایت کیا ہے،[1] لیکن یہ قضا سے منع نہیں کرتی بلکہ قضا پر بہت زیادہ توجہ دینے کے لیے تنبیہ اور اس کے خطرات اور مابعد کے اثرات سے محفوظ رہنے کا خصوصی اہتمام کرنے کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

چھری کے بغیر ذبح کرنا ایسی چیز ہے جو حیوان کو تکلیف پہنچاتی ہے اور اس کی موت میں تاخیر کا سبب بنتی ہے، لہٰذا قاضی بسا اوقات قضا کی وجہ سے تکلیف اٹھاتا ہے اور مشقت بھی برداشت کرتا ہے، لیکن صبر اور سنجیدگی سے یہ تکلیف زائل ہو جاتی ہے، وہ اس وقت زیادہ ماندگی اور تھکاوٹ کا شکار ہوتا ہے اور چھرے کے بغیر ذبح کی طرح ہوتا ہے جب اس کا علم گم راہ ہو جائے، اس کو سیدھی راہ سجھائی نہ دے یا اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے میں غافل ہو جائے۔

یہ بات تم پر مخفی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ تمام قاضیوں، علما کے راہنما اور قاضیوں کے لیے نمونہ تھے۔ آپ قاضی بھی تھے اور معلم بھی، داعی بھی تھے اور نیکی کا حکم دینے والے بھی، آپ کی ذات ان صفات کا مجموعہ تھی، لہٰذا قاضیوں، علما اور داعیوں کو آپ کے صبر اور حلم کو اسوۂ بنانا چاہیے۔ بعض اوقات آپ ﷺ غضبناک بھی ہو جاتے، حالانکہ آپ امت کے سردار اور عاجزوں کے امام تھے، لیکن کبھی جھگڑا کرنے والا (مد مقابل) آپ کو اس پر مجبور کر دیتا، تاہم قاضی کو چاہیے کہ وہ صبر کرنے اور اسباب صبر اختیار کرنے میں اپنے نبی کی اقتدا کرے، شائد اس کو اس کی توفیق مل جائے۔

ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تھکاوٹ، مشقت کا سامنا تو ضرور کرنا پڑتا ہے لیکن قاضی جتنا زیادہ علم رکھنے والا، صبر کرنے والا، ہدایت و توفیق کی طلب کے لیے بکثرت دعا کرنے والا اور حلیم ہوگا، اتنی ہی اس کی پریشانیاں بھی کم ہوں گی۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 209/23)

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [3571]

436- اجتہاد اور قضا کے متعلق دو احادیث کے درمیان موافقت

سوال مندرجہ ذیل دو احادیث میں ہم کس طرح موافقت پیدا کر سکتے ہیں:

(1) ''قاضی تین ہیں: ایک جنت میں داخل ہوگا اور دو آگ میں۔ جو جنت میں جائے گا وہ ایسا آدمی ہوگا جس نے حق پہچان لیا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا اور ایک وہ آدمی جس نے حق پہچان لیا اور ظلم کیا تو وہ آگ میں ہوگا اور ایک وہ آدمی جس نے جہالت کی بنا پر لوگوں کا فیصلہ کیا تو وہ بھی آگ میں داخل ہوگا۔''[1]

(2) ''جس نے اجتہاد کیا اگر وہ راہِ صواب (درست راہ) پا گیا تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر غلطی کر گیا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔''[2]

جواب الحمدللہ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں بلکہ ان کا معنی بالکل واضح ہے۔ پہلی حدیث اس شخص کے متعلق ہے جو شرعی علم کے بغیر، جہالت کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے۔ اس کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے کیونکہ وہ بلا علم اللہ تعالیٰ کے خلاف جھوٹ گھڑتا ہے۔ اسی طرح جو حق پہچانتا ہے، لیکن صرف خواہش پرستی کے لیے کسی انسان کی محبت کی خاطر اور رشوت وغیرہ کی وجہ سے فیصلے میں ظلم کرتا ہے تو یہ دونوں جہنم میں جائیں گے کیونکہ پہلا علم کے بغیر فیصلہ کرتا ہے اور وہ جاہل ہے، لہٰذا وہ فیصلہ کرنے کا اہل نہیں، لیکن جو دوسرا ہے وہ قصداً ظلم و جور کرتا ہے لہٰذا وہ بھی جہنم میں جائے گا۔ ان میں جو پہلا تھا اس نے حق پہچانا، اس کے مطابق فیصلہ کیا، لہٰذا وہ جنت میں جائے گا۔

---

1. سنن أبي داود، رقم الحديث [3573]
2. صحيح البخاري، رقم الحديث [7352] صحيح مسلم [1716/15]

اور جو اجتہاد کے متعلق حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرے، پھر اجتہاد (حق تک پہنچنے کی پوری کوشش) کرے اور درست فیصلے تک پہنچ جائے تو اس کو دوہرا اَجر ملے گا، اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد کرے، پھر غلط فیصلہ کرے تو اس کو ایک اجر ملے گا۔"

یہ اس عالم کے متعلق ہے جو شرعی احکام جانتا ہے جاہل نہیں، لیکن بعض امور اور اشیا اس پر مخفی اور مشتبہ ہوسکتی ہیں، پھر وہ پوری کوشش کرتا ہے، اور حق تلاش کرتا ہے، قرآن و سنت کے شرعی دلائل میں نظرِ فکر دوڑاتا ہے اور شرعی حکم کی تحقیق و جستجو کرتا ہے لیکن درست بات تک نہیں پہنچ پاتا، اس کو اجتہاد کا اجر ملتا ہے، لیکن وہ درست فیصلے کے اجر سے محروم ہوجاتا ہے اور اس کی غلطی معاف ہوتی ہے، کیونکہ وہ عالم ہے اور قضا سے خوب واقف ہے، لیکن کچھ مسائل میں اجتہاد اور کوشش بسیار کے باوجود غلطی کر جاتا ہے، جبکہ اس کی نیت نیک ہوتی ہے، لہٰذا اس کو اجتہاد کا اجر ملتا ہے اور صواب و درستی کا اجر نہیں ملتا۔

دوسرا اجتہاد کرتا ہے، حق تلاش کرتا ہے، شرعی دلائل پر بھرپور توجہ دیتا ہے اس کا ارادہ برا نہیں ہوتا بلکہ وہ مجتہد اور طالبِ حق ہوتا ہے، پھر اس کو حق اور درست فیصلے کی توفیق مل جاتی ہے، وہ اس کی راہ پا لیتا ہے، اور حق کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اس کو دو اجر ملتے ہیں، ایک درست فیصلے تک پہنچنے کا اور دوسرا اجتہاد اور محنت کا، الحمد للہ معلوم ہوا کہ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 212/23)

437- قاضی کا تحائف قبول کرنا

قاضی کے تحفہ قبول کرنے کے متعلق علماءِ کرام کہتے ہیں کہ دو شرطوں کے بغیر اس کے لیے تحفہ قبول کرنا جائز نہیں، اور وہ دو شرطیں یہ ہیں: یہ تحفہ اس کی طرف سے ہو جو اس کے اس منصب تک پہنچنے سے پہلے بھی اس کو تحائف دیا کرتا تھا اور دوسری شرط یہ ہے کہ یہ جو تحفہ دے رہا ہے اس کا اس کے ہاں کوئی فیصلہ (یا مقدمہ) نہ ہو۔

اگر وہ اس کو اس کے اس منصب سے پہلے تحائف دینے والوں میں نہیں تو پھر اس کے لیے اس کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں کیونکہ اس نے اس کو یہ تحفہ اس کے اس منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے دیا ہے، لہٰذا وہ اس عامل اور ملازم کی طرح ہے جس کو نبی ﷺ نے مال زکاۃ اکٹھا کرنے کے لیے بھیجا تھا، جس کا نام عبداللہ بن لتبیہ ہے، جب وہ واپس لوٹا تو اس نے کہا: ''یہ تمھارا ہے اور یہ مجھے بطور تحفہ دیا گیا ہے۔'' رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

> ''یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا، پھر دیکھا جاتا اس کو کوئی تحفہ دیتا ہے کہ نہیں؟!''[1]

اور اگر تحفہ دینے والے کا اس جج کے پاس کوئی فیصلہ یا مقدمہ ہے جس کو وہ تحفہ دے رہا ہے تو پھر اس بات کا خدشہ موجود ہے کہ یہ شخص اپنی مرضی کا فیصلہ کروانے کے لیے رشوت پیش کر رہا ہو اور یہ ایک عام بات ہے کہ جس کو تحفہ دیا جاتا ہے، وہ تحفہ دینے والے کی طرف میلان رکھتا ہے اور اس کے دعوے اور معاملے میں غور و فکر اور تحقیق کرنے میں رغبت نہیں رکھتا، لہٰذا ان دو شرطوں کے

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [2597]

بغیر قاضی کا تحفہ قبول کرنا جائز نہیں:

پہلی شرط: وہ اس شخص کی طرف سے ہو جو اس کو اس عہدے پر متمکن ہونے سے پہلے بھی تحائف دیتا ہو۔

دوسری شرط کہ اس تحفہ دینے والے کا کوئی مقدمہ زیر سماعت نہ ہو۔

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 2)

438- قاضی کے عہدے پر فائز مگر اسے بجا لانے سے قاصر

اگر وہ اپنے متعلق جانتا ہے کہ وہ اس عہدے کے معاملات نپٹانے سے عاجز ہے (یا اس کی صلاحیت نہیں رکھتا) تو اس کو استعفیٰ پیش کر دینا چاہیے یا معذرت کر لینی چاہیے اور ایسے کام میں اپنے آپ کو نہیں پھنسانا چاہیے جو اس کے لیے نقصان رساں ہو۔ انسان اپنے متعلق سب سے بہتر جانتا ہے، اگر وہ اپنے متعلق جانتا ہے کہ اس میں علم کم ہے یا وہ لوگوں کے درمیان اچھے انداز میں فیصلے نہیں کر سکتا۔ یہ محض اس کا وہم یا گمان نہ ہو، بلکہ وہ اچھی طرح جانتا اور سمجھتا ہو تو ایسے شخص کو لازماً مستعفی ہو جانا چاہیے یا معذرت کر لینی چاہیے، تاکہ ایسی ہلاکت خیزیوں میں نہ مبتلا ہو جائے جو اس کو بھی نقصان پہنچائیں اور دوسروں کو بھی، لیکن جو مجھے خدشہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ محض وسوسات اور اوہام اور شیطان کی طرف سے حوصلہ شکنی ہے، اس سے ضرور بچنا چاہیے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 207/23)

439- مجرم کا اپنا بیان بدلنا اور اس کے متعلق قاضی کا موقف

سوال بعض مجرم پولیس کی تفتیش کے دوران میں اعتراف کر لیتے ہیں،

پھر جب ان کو جج کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہ انکار کر دیتے ہیں، یہاں جج کا کیا موقف ہونا چاہیے، کیا وہ اس انکار کا اعتبار کرے یا کیا کرے؟

جواب اس مسئلے میں کچھ تفصیل ہے: اگر تو یہ اعتراف مخلوق کے حق کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، پھر ان کے لیے اس سے پھرنا جائز نہیں، خواہ وہ یہ دعویٰ کریں کہ انھوں نے یہ اعتراف فلاں اسباب کی بنا پر کیا تھا۔ جس تفتیشی کے سامنے اس نے اعتراف کیا ہو، اس سے پوچھے کہ اس نے ان کو اس اعتراف پر مار کر مجبور تو نہیں کیا، یا کوئی ایسا کام کیا ہو جس کی بنا پر یہ مجبور ہو گئے ہوں؟ وگرنہ وہ ان کا دعویٰ ہی ہوگا اور چوری، جرم اور ایسی اشیاء سے رجوع کرنا ان کے لیے جائز نہیں جن کا تعلق مخلوق کے حقوق کے ساتھ ہو، البتہ وہ اعتراف جس کا تعلق حدود اور اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ ہو تو اس کا معاملہ کسی پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق کے متعلق اعتراف سے رجوع کے متعلق جمہور علما کا یہ موقف ہے کہ اسے حدود میں شک کا فائدہ دے کر قبول کر لیا جائے۔ یعنی حدود کو شبہات کی بنا پر نافذ کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔

مقصود کلام یہ ہے کہ وہ مخلوق کے حق کے متعلق نہ ہو کیونکہ اس سے رجوع قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ اس نے پولیس کے پاس اعتراف کیا ہو یا کسی دوسری جگہ، اور جج کے پاس اس کا اعتراف ثابت ہو جائے، یا وہ خود اقرار کرے کہ اس نے اس کا اعتراف کیا تھا، لہٰذا اس کا اعتراف کی بنا پر مؤاخذہ کیا جائے گا، جب تک قاضی کے ہاں کوئی ایسی چیز ثابت نہ ہوتی ہو جو اکراہ (اور مجبور کرنے کی وجہ) سے اسے کالعدم قرار نہ دے سکے۔

(ابن باز: مجموع الفتاویٰ والمقالات: 205/23)

440- مجرم کو عدالت سے چھپا کر رکھنے یا اس کی بھاگنے یا چھپنے میں مدد کرنا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

''اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

لہٰذا کسی کے لیے گناہ گار یا چیرہ دست کی اس کے گناہ یا اس کی چیرہ دستی اور زیادتی میں مدد کرنا جائز نہیں، خواہ وہ جو کوئی بھی ہو۔ اس ظالم، چیرہ دست اور مجرم کی بھاگنے یا اس کو چھپانے میں مدد کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ اس میں کوئی مصلحت ہو، مثلاً اس مجرم سے پہلے ایسا کوئی کام سرزد نہ ہوا ہو یا بظاہر وہ اچھا آدمی ہو تو ایسی حالت میں ہم یہاں کہہ سکتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس کی پردہ پوشی کرنا مستحب ہے۔ جب ہمیں یقین ہو کہ وہ اچھا ہو جائے گا یا غالب گمان ہو کہ وہ سیدھی راہ پر چل پڑے گا اور توبہ کرے گا، لیکن جو فساد اور بگاڑ میں مشہور ہو اور اس میں اچھائی کا گمان نہ کیا جا سکے تو ایسے شخص کی پردہ پوشی کرنا جائز نہیں اور یہ عمل اس فرمان مصطفیٰ کے متعارض نہیں کہ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔[1]

اس سے مراد وہ ہے جس کی پردہ پوشی میں کوئی مصلحت ہو لیکن جس کی پردہ پوشی اس کو برائی میں شیر کر دے اور چیرہ دستی میں مزید سرکش کر دے تو ایسی حالت میں اس پر پردہ ڈالنا جائز نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 10)

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [2442] صحيح مسلم [2699/38]

441- وکالت

ہم نے دیکھا ہے کہ وکالت سے مراد کسی آدمی کی طرف سے اس کے مخالف کے ساتھ بحث وتکرار کرنے کے لیے وکیل بننا ہے اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس کی دو اقسام ہیں:

1. ایک قسم میں وہ حق کے لیے اور حق کی طرف سے وکالت کرتا ہے، تو اس میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس میں زیادہ سے زیادہ یہی بات ہے کہ آدمی اجرت اور فیس لے کر کسی کا وکیل بنتا ہے اور اجرت کے ساتھ وکیل اور نائب بننا جائز ہے۔
2. وکالت کی دوسری قسم میں وکیل اپنا قول پورا کرنا چاہتا ہے، وہ حق کے ساتھ ہو یا باطل کے ساتھ، اس قسم کے مقدمے میں داخل ہونا جائز نہیں کیونکہ وہ حق کا دفاع کرنے والا بھی ہوگا اور باطل کا بھی، اور یہ حرام ہے، بلکہ مسلمان کا فرض ہے کہ جب اپنے بھائی کو باطل میں کودتا ہوا دیکھے تو اس کو نصیحت کرے اور اس کی طرف سے وکیل نہ بنے کیونکہ آپ ﷺ کا قول ہے:

"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان کے ساتھ، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو پھر اپنے دل میں برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔"[1] (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 7)

442- اسلامی نظامِ عدالت میں وکیل کی جگہ

اسلامی نظام عدالت میں وکیل کی یہی جگہ ہے کہ وہ دو جھگڑنے والوں

[1] صحیح مسلم [49/78]

یعنی مدعی اور مدعیٰ علیہ میں سے جس کے دفاع کی ذمے داری لیتا ہے اس کا وکیل ہے، لہٰذا اس پر اور اس کے موکل پر لازم ہے کہ وہ طلبِ حق میں اعتدال سے کام لے اور مخالف کے ساتھ انصاف کرے۔ اگر وہ دونوں اس کا التزام کریں تو یہ ان دونوں کے لیے بہتر ہے اور اس میں جھگڑوں کے مقدمات نپٹانے میں فیصلہ کرنے والے اور فیصلے کی بھی اعانت ہے۔

اگر مخالف یا اس کا وکیل خود غرضی اور غلبہ پانے کی خواہش رکھتے ہوئے، خواہ یہ باطل کے ساتھ ہی ہو اور دولت کمانے کے لیے چاہے حرام ہی کی ہو، مقدمے میں تلبیس، فریب کاری اور جھگڑے سے کام لیتا ہے، تو یہ دونوں گناہگار بھی ہوئے۔ انھوں نے باطل طریقے سے لوگوں کا مال بھی کھایا اور جج کو حیرانی اور الجھاؤ کا شکار بھی بنا دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مہربانی سے اس کو نہ نوازے اور اس کو سیدھی راہ کی توفیق نہ دے تو شائد وہ اس مقدمے میں حق کے ساتھ فیصلہ نہ کر پائے۔ (اللجنة الدائمة: 3339)

443- غیر شرعی قانون کی تدریس کا حکم

وضعی (غیر شرعی) قوانین کے کھرے کھوٹے کا بیان کرنے کے لیے اور شریعت اسلامیہ کی رفعت، کمال، جامعیت اور ان تمام امور پر محیط ہونے کی وضاحت کرنے کی خاطر، جو بندوں کے عبادات اور معاملات کے تمام حالات درست کر سکتے ہیں، ان قوانین کی تدریس اور تحقیق کا کام کرنا جائز ہے اور بعض اوقات یہ واجب ہوتا ہے، جب حق ثابت کرنے اور باطل مٹانے کی ضرورت پیش آتے اور امت میں آگاہی اور بیداری پیدا کرنا مقصود ہو، تاکہ امت اپنے دین پر مضبوطی سے جم جائے اور منحرفین اور قوانین کی حاکمیت کا سکہ رائج کرنے

والوں کی دعوت سے دھوکا نہ کھائے۔ اس جیسے کام پر اُجرت لینا جائز ہے، لیکن وضعی قوانین میں رغبت رکھتے ہوئے، انھیں رائج کرنے اور اسلامی قانون سازی کے مشابہ قرار دینے یا اس کی مخالفت کرنے کی خاطر پڑھانا اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت، صریح کفر اور سیدھی راہ سے انحراف ہے، اس کی تدریس پر اجرت لینا حرام اور برائی در برائی ہے۔ نسأل اللّٰه العافية ونعوذ به من الخذلان.

(اللجنة الدائمة: 1329)

444- لوگوں کے لیے عریضے (وثیقے، عرضیاں وغیرہ) لکھنا جن میں جھوٹ داخل ہوتا ہے

اگر تم لوگوں کے دعوے اور شکوے اسی طرح لکھتے ہو جس طرح وہ تجھے لکھواتے ہیں اور تجھے علم نہیں کہ یہ حقیقت اور امر واقعہ کے خلاف ہیں تو کوئی حرج نہیں اور جو تم ان کے لیے لکھتے ہو اس میں تجھے کوئی گناہ نہیں، کیونکہ اس میں کوئی ممانعت نہیں۔ ان میں جو جھوٹ یا غلط بیانی ہوتی ہے تم اسے نہیں جانتے تو اس کا گناہ اس کے کہنے والے کے سر ہے، لیکن اگر تجھے علم ہے کہ جو وہ تجھ سے لکھوانا چاہ رہے ہیں وہ جھوٹ اور غلط بیانی ہے تو پھر تمھارے لیے ان کو لکھ کر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس میں ان کی باطل اور گناہ میں معاونت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: 2]

”اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔“

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴾ [النساء: 107]

''اور ان لوگوں کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں، یقیناً اللہ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو ہمیشہ بہت خائن، سخت گناہ گار ہو۔''

جس کے دعوے میں جھوٹ کا تجھے علم ہو جائے اسے نصیحت کر، اللہ کی یاد دلا اور جھوٹ کے مرتکب اور باطل کے دعویدار پر جو وعید مرتب ہوتی ہے، اس کا ذکر کر، شائد وہ نصیحت قبول کر لے اور اپنے ارادے سے باز آ جائے۔

(اللجنة الدائمة: 20353)

445- کیا ثالث کا فیصلہ قبول کرنا واجب ہے؟

سوال کیا مسلمان کو مسلمانوں کے درمیان طلاق، خلع یا امور تجارت جیسے اختلافی امور میں ثالث بنایا جا سکتا ہے اور فیصلہ کروانے والوں پر اس کا فیصلہ لازم اور واجب تنفیذ ہو جائے گا؟

جواب اگر تو یہ ثالثی اصلاح اور مصالحت کی غرض سے ہو تو پھر اس پر راضی رہنا اور اس کا پابند ہونا مستحب ہے، کیونکہ یہ دلوں کو کینے، بغض، حسد اور انتقام سے پاک کرنے کا سبب ہے۔ اور اگر یہ تحکیم اور ثالثی عدالتی فیصلے کی قبیل سے ہو اور ثالث اپنے علم اور بصیرت کی بنا پر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر فیصلہ دونوں اطراف پر لازم ہو جائے گا جسے نافذ کرنا واجب ہوگا۔

(اللجنة الدائمة: 19504)

شہادات (گواہیاں)

446- اس حدیث کا کیا معنی ہے کہ ”میں تمھیں بہترین گواہ کی خبر دیتا ہوں اور وہ ایسا آدمی ہے جو پوچھنے سے پہلے گواہی پیش کر دے“ [1]

اس سے مراد یہ ہے کہ بہترین گواہ وہ ہے کہ جب اس کی ضرورت پیش آئے تو وہ گواہی کے لیے آ جائے، خواہ اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے یا نہ پوچھا جائے۔

انسان کبھی کسی معاملے کی گواہی دے سکتا ہے، لیکن جس شخص کی وہ گواہی دینا چاہتا ہے، وہ اس کی گواہی سے لاعلم ہوتا ہے، لہٰذا جب وہ دیکھے کہ مقدمہ جج کے سامنے پیش ہوا ہے تو وہ گواہی کے لیے اس کے پاس جائے جس کی گواہی دینا چاہتا ہے اور اس کو بتائے کہ وہ اس کا گواہ ہے تاکہ وہ شخص اس گواہی کے ساتھ اپنا حق لے سکے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 3)

447- گواہوں کی تصدیق کرنا

اسلامی نظام عدالت میں امر واقعہ کی گواہی کے لیے گواہوں کی تصدیق کرنے کے لیے دو مستقل تصدیق کنندگان کا تعین نہیں کیا جاتا کیونکہ کوئی ایسی متعین جماعت نہیں جو کسی بھی علاقے، یا کچہری، جس میں جج بیٹھتا ہو، وہاں گواہی کے لیے آنے والے تمام گواہوں کے حالات سے واقف ہو، بلکہ جج گواہوں کی تصدیق کی ضرورت کے وقت کسی بھی قابل اعتماد سچائی اور معاملات

[1] صحیح مسلم [1719/19]

کی تحقیق کرنے میں معروف اور گواہوں کے حالات سے واقف شخص سے تصدیق کروا سکتا ہے، کیونکہ گواہوں کی جہات اور مکانات دور دور ہو سکتے ہیں۔ ان کے حالات، کیفیات اور محرکات مختلف ہوتے ہیں اور ان کے بہت سارے معاملات بہت سارے لوگوں پر مخفی رہتے ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 3339)

448- گواہی چھپانا

گواہی چھپانا جائز نہیں۔ جو اسے چھپاتا ہے وہ خطا کار اور نافرمان ہے، اس کے لیے توبہ کرنا فرض ہے:

﴿ وَ لَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا﴾ [البقرة: 282]

”اور گواہ جب بھی بلائے جائیں انکار نہ کریں۔“

نیز فرمایا:

﴿ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: 283]

”اور شہادت مت چھپاؤ اور جو اسے چھپائے تو بے شک وہ، اس کا دل گناہ گار ہے اور اللہ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے خوب جاننے والا ہے۔“

(اللجنة الدائمة: 13646)

449- جھوٹی گواہی کا حکم

جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو توبہ کرتا ہے اور دوبارہ جھوٹی گواہی نہ دینے کا پختہ عزم کرتا ہے، اگر وہ اس میں سچا ہے اور اس کی گواہی کی وجہ سے جن کے جو حقوق ضائع ہو گئے تھے یا حلال سمجھ لیے گئے تھے، وہ انھیں لوٹا دیتا

ہے تو پھر اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ [الشوری: 25]

''اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔'' (اللجنة الدائمة: 4271)

450- ایسی جگہ جھوٹی گواہی دینے کا حکم جہاں واضح طور پر کسی کو بھی نقصان نہ پہنچتا ہو۔

جھوٹی گواہی دینا مطلقاً حرام ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ [الحج: 30]

''پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔''

حضرت ابوبکرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہوں کی خبر نہ دوں؟''

ہم نے کہا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا:

''اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

''یاد رہے، جھوٹی بات بھی، یاد رہے، جھوٹی گواہی بھی۔''

آپ اس کا مسلسل تکرار کرتے رہے کہ ہم نے تمنا کی: کاش! آپ خاموش ہو جائیں![1] (اللجنة الدائمة: 6355)

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [5976] صحیح مسلم [87/143]

451- سگریٹ نوشی کی گواہی

بلاشبہ سگریٹ نوشی حرام ہے۔ اس کی حرمت پر دلالت کرنے والے کتاب و سنت سے بہت زیادہ دلائل ہیں، نیز اس کے صحت، مال اور معاشرے پر جو بد اثرات بیان کرتے ہیں، وہ بھی ایک دلیل ہے۔ اسے پینے کا عادی، بیچنے والا یا بنانے والا، اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے، لیکن جہاں تک اس کی گواہی قبول کرنے کا مسئلہ ہے تو اس کا حکم اس کے اپنے حالات (وغیرہ)، جس کے خلاف گواہی دے رہا ہے اور جس کے حق میں گواہی دے رہا ہے، ان کے حالات کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اس کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں ہے جو اس مقدمے کو دیکھ رہا ہے، جس میں یہ سگریٹ نوش اس کے ہاں گواہی پیش کرے گا۔ (اللجنة الدائمة: 1788)

452- کام سے غیر حاضر ہونے کا بہانہ ثابت کرنے کے لیے بیماری کی جھوٹی گواہی گھڑنے کا حکم

ان گواہیوں کا حکم یہ ہے کہ یہ حرام ہیں، کیونکہ یہ جھوٹ اور جعل سازی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ﴾

[الحج: 30]

''پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات سے بچو۔''

فرمانِ رسول ﷺ ہے:

''کیا میں تمھیں کبیرہ گناہوں کی خبر نہ دوں؟ وہ تین ہیں: اللہ کے

ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

"یاد رہے جھوٹی بات، یاد رہے جھوٹی گواہی۔"

آپ مسلسل تکرار کرتے رہے، حتی کہ ہم نے کہا: کاش! آپ خاموش ہو جائیں![1]

(اللجنة الدائمة: 3577)

453- امیدوار کا ووٹر خریدنا

امیدوار کا ووٹر کو اپنے حق میں ووٹ دینے کے لیے مال دینا، رشوت کی ایک قسم ہے جو حرام ہے۔ (اللجنة الدائمة: 7245)

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5976] صحيح مسلم [87/143]

حدود اور جرائم

454- مسلمان حاکم کی غیر موجودگی میں حدود نافذ کرنا

حدود صرف مسلمان سلطان نافذ کر سکتا ہے یا اس کا نائب، تاکہ امن عامہ کنٹرول میں رہے، حدود سے تجاوز نہ ہو اور ظلم کا اندیشہ نہ رہے، اور نافرمان کو چاہیے کہ وہ توبہ اور استغفار کرے، بکثرت نیک اعمال کرے۔ جب وہ اپنی توبہ خالص اللہ کے لیے کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس پر مہربانی فرما دیں گے اور اپنے فضل و احسان سے اس کو معاف کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [الفرقان: 68 تا 70]

''اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو قتل کرتے ہیں، جسے اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو یہ کرے گا وہ سخت گناہ کو ملے گا۔ اس لیے قیامت کے دن عذاب دگنا کیا جائے گا اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل کیا ہوا رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور عمل کیا،

نیک عمل تو یہ لوگ ہیں جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ ہمیشہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿ وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾ [طٰہٰ: 82]

’’اور بے شک میں یقیناً اس کو بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے۔‘‘

حدیث نبوی ﷺ ہے:

’’اسلام اپنے سے پہلے ہر چیز ختم کر دیتا ہے اور توبہ اپنے سے پہلے ہر چیز (گناہ) مٹا دیتی ہے۔‘‘ [1]

نیز فرمانِ نبوی ہے:

’’گناہ سے توبہ کرنے والا اس کے مانند ہے جس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔‘‘ [2]

(اللجنة الدائمة: 16815)

455- قصاص نافذ کرنا

اس وقت تک قصاص نافذ کرنا جائز نہیں جب تک وہ شرعی عدالت میں شرعاً ثابت نہ ہو جائے۔ اسے حاکم نافذ کرے گا۔ عام افراد کے لیے قصاص نافذ کرنا قطعاً جائز نہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں نقصان اور انارکی پیدا ہو گی۔

(اللجنة الدائمة: 18804)

---

❶ صحیح مسلم [121/192]

❷ سنن ابن ماجه، رقم الحديث [4250]

456- حدود کفارہ ہیں

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میری اس پر بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرو گے۔ زنا، چوری اور ناحق قتل نہیں کرو گے۔ جو تم سے یہ ایفاءِ عہد کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، اور جس نے ان کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کرلیا، پھر اس کو دنیا میں اس کی سزا مل گئی تو وہ اس کا کفارہ ہوگا اور جس نے ان میں سے کوئی کام کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو سزا دے دے۔"[1]

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ حدود جس پر جاری ہو جائیں اس کے لیے کفارہ ہوتی ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 6341)

457- توبہ حد نافذ کرنے سے نہیں روکتی

حدود جب شرعی حاکم تک پہنچ جائیں اور مناسب دلائل سے ثابت ہو جائیں تو پھر انھیں نافذ کرنا واجب ہوتا ہے اور بالاجماع توبہ کے ساتھ یہ ساقط نہیں ہوتیں۔ غامدیہ عورت توبہ کرنے کے بعد اپنے اوپر حد نافذ کرنے کی درخواست لے کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث [4894] صحیح مسلم [1709/41]

”اس نے ایسی توبہ کی ہے، اگر اہل مدینہ وہ توبہ کرتے تو اس کی توبہ ہی ان کے لیے کافی ہوتی۔“ ❶

اس کے باوجود آپ نے اس پر شرعی حد قائم کی اور یہ سلطان کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کرسکتا، لیکن جب تک وہ سزا سلطان تک نہ پہنچے تو مسلمان آدمی کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی تلے چھپا رہے اور سچی توبہ کر لے، شائد اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے۔ (اللجنة الدائمة: 9000)

458- حدود کی سزا کی رقم میں قیمت نکالنا

حدود کی سزاؤں کی مالی رقوم میں قیمت نکالنا جائز نہیں کیونکہ حدود توقیفی (اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ) ہیں اور جو حد شارع نے مقرر کردی ہے اسے کسی دوسری چیز سے بدلنا جائز نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 14445)

459- حرمتِ زنا کی علت کے متعلق شبہہ

سوال قرآن کریم میں ایک آیت ہے جو ذکر کرتی ہے کہ زنا حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہ ہے اور زنا نسب میں اختلاط پیدا کرنے کی وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اب دین اسلام پر اعتراض کرنے والے کہتے ہیں کہ اس سبب کا مانع حمل ادویہ کے استعمال کے ذریعے سے حل کرلیا گیا ہے، جب سبب زائل ہوگیا ہے تو زنا میں کوئی حرج نہیں۔ آپ اس کا کیا جواب پیش کرتے ہیں؟

جواب زنا کتاب و سنت اور مسلمانوں کے اجماع کے ساتھ حرام ہے،

❶ صحیح مسلم [1695/23]

خواہ اس میں علتِ تحریم کا، جو نسب کے تحفظ اور عورتوں کی عزت اور ان کے سرپرستوں کی بدنامی سے حفاظت ہے، ادراک ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ شرعی امور میں اصل انھیں قبول کرنا ہے خواہ ان کی تعلیل کی جا سکے یا نہ، نیز ان میں بہت زیادہ حکمتیں ہیں جو بعض افراد پر مخفی رہ سکتی ہیں۔ صرف حفظ نسب اکیلی علت نہیں۔

اگر ہم یہ فرض کریں کہ صرف یہی ایک علت ہے تو بھی حمل کا خطرہ نہ ہونے کے باوجود زنا کرنا جائز نہیں کیونکہ جو کام اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لیے حرام کیا ہے، کسی مسلمان کے لیے اسے کرنا جائز نہیں، خواہ اس کے خیال کے مطابق جو علت ہے وہ پائی جائے یا نہ پائی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اپنے بندوں کے لیے قانون بناتا ہے اور جس کا فیصلہ کرتا ہے اس کے متعلق وہ مکمل علم اور حکمت رکھنے والا ہے۔ اگر بعض حالات میں زنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بیان کر دیتے اور تیرا رب بھولنے والا نہیں: ﴿وَ مَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾

(اللجنة الدائمة: 2758)

460- جدید ذرائع سے زنا کی حد ثابت کرنا

زنا کا جرم DNA ٹیسٹ، فنگر پرنٹس رپورٹ اور موقع پر پائے جانے کی گواہی (Circumstantial evidence) کے ذریعے ثابت کرنا صحیح نہیں۔ اس سے صرف ان کا اکٹھ اور اختلاط بیان ہو سکتا ہے اور یہ کام تہمت اور شک پیدا کرتا ہے اور حد واجب کرنے والے جرم کو ثابت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا کہ اس کا ارتکاب کرنے والے دونوں افراد پر حد قائم کی جائے، اسی طرح یہ پاکدامن مرد اور عورت پر زنا کی تہمت لگانے والے پر حد قذف لگانے سے روکنے کے بھی قابل نہیں، اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے بندوں کے متعلق خوب جانتے ہیں

اور ان سے زیادہ ان کے لیے رحم کرنے والے ہیں۔

اس کے باوجود جو پاکدامن خاتون پر الزام لگاتا ہے اور چار گواہ پیش نہیں کرتا اس کو قذف کی حد لگانے کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قانون سازی میں علیم اور حکیم ہیں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز ہوتی جو قذف اور الزام کی حد دور کر سکتی تو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں یا اپنے نبی پر وحی بھیج کر اسے بیان کر دیتے اور تیرا رب بھولنے والا نہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی شریعت سازی اور حکمت میں بصیرت رکھتا ہے اس پر قذف کی حد کی حکمتیں مخفی نہیں۔ اس کی وجہ سے فحاشی کی اشاعت کی روک تھام ہوتی ہے، عزتیں محفوظ ہوجاتی ہیں اور عداوت کے دروازے بند۔ اس کی سنگینی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے چار آنکھوں دیکھے گواہوں سے کم پر اکتفا نہیں کیا اور وہ علیم و حکیم ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3339)

461- رجم کی سزا کو ایسی سزا میں بدلنا جو اس سے زیادہ جلدی اطلاق پذیر اور اذیت میں کم ہو

شادی شدہ اور کنوارے کی زنا کی سزا کی تعیین، ان دونوں کی نوع اور صفت کا بیان اور انھیں نافذ کرنے کی کیفیت یہ تمام تعبدی (ایسے کام جنھیں عبادت کا درجہ حاصل ہو) امور ہیں جن میں عقل کے لیے کوئی گنجائش نہیں، بلکہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ اپنے بندوں اور ان کے دینی اور دنیاوی امور میں مفادات اور ان کو شر اور نقصان سے دور رکھنے والے امور سے خوب آگاہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کنوارے زنا کرنے والے کے لیے کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے اور جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے اس کے لیے رجم کی سزا۔ تاکہ عزتوں، حرمتوں کی صیانت کی جائے، نسبوں اور ان کے متعلق خاندانی اور مالی حقوق کی

حفاظت کی جائے، معاشروں کو بگاڑ کے عناصر سے پاک کیا جائے اور غارت گری، مار دھاڑ اور خون بہانے سے روکا جائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت، عدل، رحمت اور مہربانی سے یہ سزائیں مقرر کی ہیں۔

اگرچہ ان میں ایک طرح کا عذاب اور اذیت ہے اور جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے اس کی رسوائی کا اعلان، لیکن معاشرے کے لیے اس کی خطرناکی اور مصیبت اس اذیت سے کہیں بڑھ کر ہے جو یہ سزا کی صورت میں اٹھاتا ہے، اور یہ انجام تو اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا ہے، اللہ تعالیٰ نے نصیحت آموزی اور عبرت ناکی کے لیے نیز اس مجرم کی سزا میں مزید اضافے اور اس کو نفسیاتی طور پر اذیت دینے کے لیے مومنوں کی ایک جماعت کو، ان کو سزا دینے کے اس عمل کا مشاہدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ہمیں ان لوگوں کے متعلق اظہار شفقت سے منع کیا ہے جن پر زنا کی حد لگائی جاتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کے لیے زنا کرنے والوں کی سزا کے متعلق ان پر شفقت کرتے ہوئے، یا ان سے تخفیف کرنے کی خاطر، اللہ تعالیٰ کے حکم کو بدلنا حرام ہے۔ اللہ ان کا رب ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنے کا بھی زیادہ حقدار، اسی نے کنوارے کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ بہترین حاکم، سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور ہمیں وہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3339)

462- زنا کا ارتکاب کرنے والے مسلمان کی سزا

وہ مسلمان جو جرمِ زنا کا ارتکاب کرتا ہے اس کی سزا اگر وہ کنوارہ ہے تو سو کوڑے مارنا اور ایک سال تک جلاوطن کر دینا ہے، اور جو شادی شدہ ہے اس کو

سنگسار کرنا ہے حتی کہ وہ مر جائے۔ یہ اس وقت ہے جب اس پر اس جرم کا ارتکاب ثابت ہو جائے، جو اس کے اعتراف کے ساتھ ہوگا یا چار عادل گواہوں کی گواہی کے ساتھ۔ اور حد صرف ملک کا نگران سلطنت قائم کرے گا یا اس کا نائب (شرعی قانونی حاکم)۔ (اللجنة الدائمة: 4889)

463- طلاق دے دینے والے یا رنڈوے زانی پر زنا کی حد کا نفاذ

جو کسی عورت سے شادی کرتا ہے، پھر زنا کرتا ہے۔ اس پر رجم کی حد لگائی جائے گی، خواہ اس کی بیوی اس کی زوجیت میں موجود ہو یا مرگئی ہو، کیونکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنے کی وجہ سے شادی شدہ ہو چکا ہے، عورت کا بھی یہی حکم ہے۔ (اللجنة الدائمة: 8820)

464- خادمہ کو لونڈی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے اس کے ساتھ زنا کرنا

وہ خادمہ جس کو کام کے لیے اجرت پر رکھا جاتا ہے اس کے ساتھ ہمبستری کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ زنا ہے اور یہ کبیرہ گناہ ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ وہ مملوکہ جس کے ساتھ مباشرت کرنا شریعت نے جائز رکھا ہے، وہ عورت ہے جو شرعی طور پر لونڈی ہو (جس کو شریعت کے مطابق لونڈی بنایا جائے)۔ (اللجنة الدائمة: 10529)

465- رجم کی آیت

رجم کی آیات کے الفاظ منسوخ ہیں لیکن ان کا معنی محکم ہے، جس طرح

علم اصول میں یہ بات معروف ہے۔ امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا:

لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور آپ پر کتاب نازل کی ہے۔ اس میں آپ پر رجم کی آیت نازل ہوئی، ہم نے اسے پڑھا اور یاد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے خدشہ ہے کہ جب وقت طویل ہوجائے اور کوئی کہنے والا کہہ دے: کتاب اللہ میں ہم آیتِ رجم نہیں پاتے، تو وہ اس فریضے کو ترک کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوجائیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔

لہٰذا جو شادی شدہ، عورت ہو کہ مرد، زنا کرتا ہے اور اس پر دلیل قائم ہوجاتی یا حمل ظاہر ہوجاتا ہے یا وہ اعتراف کر لیتا ہے تو اس کی سزا رجم ہے۔[1] جو کتاب اللہ میں حق اور سچ ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ جو قانون بھی بنائیں اسے ضرور قرآن ہی میں لکھیں، بلکہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، وہ اس میں جو چاہتا فیصلہ کرتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 6194)

466- جو زانی کے ساتھ نرمی کا دعویٰ رکھتے ہوئے اس کو سنگسار کرنے میں شریک نہیں ہوتا؟

یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر کوئی موجود رجم کرنے میں شرکت کرے لیکن جو زانی پر شفقت یا ہمدردی کرتے ہوئے شرکت نہیں کرتا وہ گناہگار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث [4418]

﴿ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النور: 2]

”جو زنا کرنے والی عورت ہے اور جو زنا کرنے والا مرد ہے، سو دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور تمھیں ان کے متعلق اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑے، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور لازم ہے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۔“

467- عورتوں کے درمیان ہم جنس پرستی (Lesbianism) کا حکم

عورتوں کے درمیان ہم جنس پرستی حرام ہے، بلکہ کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ یہ عمل اس فرمان خداوندی کے مخالف ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ [المعارج: 29 تا 31]

”اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں پر، یا جس کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں، تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں۔ پھر جو اس کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈے تو وہی حد سے گزرنے والے ہیں۔“ (اللجنة الدائمة: 5520)

468- جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا اور اس کے نتائج

انسان کا کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا انتہائی قبیح عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود میں دراندازی اور فطرت سلیمہ سے خروج ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواہش پوری کرنا اور لذت اٹھانا صرف بیوی اور لونڈی کے ساتھ حلال رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ [المومنون: 5 تا 7]

''اور وہی جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں، یا ان (عورتوں) پر جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں تو بلاشبہ وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے سوا تلاش کرے تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

جس نے یہ فعل کیا اس کے لیے اس سے توبہ و استغفار کرنا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا واجب ہے۔

اگر قاضی کے پاس کسی انسان کا اس فعل بد میں شریک ہونا ثابت ہو جائے تو وہ اس کو ایسی تعزیری سزا دے سکتا ہے جو اس کو اس فعل بد سے روک سکے۔

لیکن جس جانور کے ساتھ یہ فعل ہوا ہے، اسے ہر حالت میں قتل کر دینا چاہیے اور اس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ اگر وہ اس کی اپنی ملکیت میں تھا تو اس کا خون معاف ہوگا اور اگر کسی دوسرے کا تھا تو بدفعلی کرنے والا اس کا تاوان بھرے گا۔ جانور کے ساتھ ایسا اس لیے کیا جائے گا تاکہ یہ جرم بھلا دیا جائے،

اس کے ساتھ کسی شخص کو عار نہ دلائی جائے اور اس کا دیکھنا اس واقعے کو یاد کرنے کا سبب نہ بنے، جس طرح اہل علم کی ایک جماعت کا یہ موقف ہے۔
(اللجنة الدائمة: 21279)

469- قذف (تہمت لگانے) کا حکم

مسلمان کا اپنے بھائی پر تہمت لگانا ناجائز اور کبیرہ گناہ ہے، جس سے توبہ کرنا واجب ہے، اور جس پر تہمت لگائی ہے اس سے معافی مانگنا بھی ضروری ہے اور اگر وہ معاف نہیں کرتا تو شرعاً اپنے حق کا مطالبہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔
(اللجنة الدائمة: 13871)

470- بیوی کا خاوند پر تہمت لگانا

قذف کی حد کا وجوب مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے عام ہے کیونکہ آیت کا عمومی حکم یہی ہے، جو بیوی سے اس وقت تک ساقط نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس سے معافی نہ مانگ لے اور نہ خاوند ہی سے ساقط ہوتا ہے (اگر وہ الزام لگاتا ہے تو) جب تک معافی نہ مانگ لے یا پھر لعان ہوجائے۔
(اللجنة الدائمة: 18911)

471- شراب پینے پر مجبور کا حکم

شراب پینے پر مجبور شخص پر کوئی گناہ نہیں۔ اگر وہ اس بات میں سچا ہو کہ اس کو بادہ نوشی پر مجبور کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ

مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ﴾ [النحل: 106]

''جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔''

اگر ایک مسلمان مجبور کیے جانے پر کلمہ کفر بول دینے کی وجہ سے معذور سمجھا جاتا ہے تو شراب نوش تو بالاولیٰ معذور ہوگا۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا بھول اور جس پر انھیں مجبور کیا جائے، اس سے معاف کر دیا ہے۔''[1] (اللجنة الدائمة: 17627)

472- نشہ آور اشیا کی حرمت کے دلائل

منشیات خبیث اور ناپاک چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر ناپاک چیزیں حرام کی ہیں اور پاک چیزوں کے سوا کچھ حلال نہیں کیا، جس طرح سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ قُلۡ اُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبٰتُ﴾

[المائدة: 4]

''تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے؟ کہہ دے تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔''

اور سورۂ اعراف میں نبی کریم ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ﴾

[الأعراف: 157]

---

[1] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [2043]

’’اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔‘‘

نیز امام ابوداود نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے:

’’نبی کریم ﷺ نے ہر نشہ آور اور مضمحل کر دینے والی چیز سے منع کیا ہے۔‘‘ [1]

اور یہ ایک عام بات ہے کہ نشہ آور اشیا مضمحل کر دینے والی ہیں، نیز منشیات کے بہت زیادہ نقصانات اور اضرار ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 500)

473- غیر عورت کے ساتھ کپڑوں کے اوپر دخول کیے بغیر مباشرت کرنا

جس نے یہ کام کیا وہ گناہگار ہے اور اس کو توبہ و استغفار کرنا چاہیے، اگر یہ بات حاکم کے سامنے ثابت ہو جائے کہ اس نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا تو وہ اس کو روکنے کے لیے کوئی مناسب تعزیزی سزا دے سکتا ہے۔

(اللجنة الدائمة: 6687)

474- ایسی حکومت کی چوری کا حکم جو شریعت نافذ نہیں کرتی

چوری مطلقاً حرام ہے، وہ افراد کی ہو یا حکومتوں کی، چاہے وہ شریعت کے مطابق نہ بھی حکومت کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَيْدِيَهُمَا ﴾ [المائدة: 38]

’’اور جو چوری کرنے والا اور جو چوری کرنے والی ہے سو دونوں کے

[1] ضعیف. سنن أبي داود، رقم الحديث [3686]

ہاتھ کاٹ دو۔‘‘

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ [البقرة: 188]

’’اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ۔‘‘

(اللجنة الدائمة: 6800)

475- چور کا ہاتھ کاٹنے کی شرائط

چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے نو شرطیں لگائی جاتی ہیں:

1. چوری: ایسا مال چورانا جو چھپا کر رکھا گیا تھا۔ اگر وہ اسے اچکتا ہے یا چھینتا ہے تو اس میں ہاتھ کاٹنا نہیں۔
2. چور مکلّف ہو، بچے یا پاگل پر حد لگانا واجب نہیں ہوتا۔
3. چوری شدہ مال ہاتھ کاٹنے کے نصاب اور مقررہ حد کو پہنچے۔ نصاب سے کم میں ہاتھ کاٹنا نہیں۔ چوری کا نصاب سونے کے دینار کا چوتھائی حصہ ہے یا کوئی دوسری چیز جس کی قیمت اس کے برابر ہو۔
4. چوری شدہ ایسی چیز ہو جسے عموماً مال بنایا جاتا ہے (اور اس سے دولت میں اضافہ ہوتا ہے)۔
5. چوری شدہ ایسی چیز ہو جس میں کوئی شبہہ نہ ہو۔
6. محفوظ جگہ سے اسے چرائے۔
7. محفوظ جگہ سے اسے نکالے۔
8. قاضی کے پاس چوری یا تو دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہو یا چور کے اعتراف سے۔

⑨ چوری شدہ مال کا مالک آئے اور دعویٰ کرے۔

ان شرطوں کو دیکھنا اور چوری پر انھیں منطبق کرنا شرعی عدالت کا کام ہے۔ (اللجنة الدائمة: 17627)

476- ارتداد کا مفہوم

ارتداد کا معنی ہے: دین اسلام سے کفر کی طرف لوٹنا۔ یہ کام قول، فعل، شک یا ترک کسی کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے۔

قول کے ساتھ مرتد ہونے کی مثال اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کو گالی دینا ہے۔

فعل کے ساتھ مرتد ہونے کی صورت صلیب یا صنم کو سجدہ کرنا، قبور کے لیے ذبح کرنا یا قرآن کریم کی بے حرمتی کرنا۔

شک کے ساتھ مرتد ہونے کی شکل اسلام کے صحیح ہونے میں یا نبی ﷺ کی صداقت میں شک کرنا۔ اور ترک کر دینے کے ساتھ مرتد ہونے کی حالت دین اسلام سے اعراض کرنا، نہ اسے سیکھنا، نہ اس پر عمل کرنا اور اس جیسے دیگر معاملات ہیں۔ (اللجنة الدائمة: 21166)

477- مرتد کی سزا

دین اسلام سے پھرنے والے کی سزا قتل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: 217]

"اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے اپنا دین بدل دیا اس کو قتل کر دو۔"[1]

اس حدیث کا معنی ہے کہ جو دین اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے دین میں منتقل ہو جائے اور اسی پر ثابت قدم رہے اور توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"کسی مسلمان کا خون حلال نہیں جو کلمہ پڑھتا ہے، سوائے ان تین حالتوں میں سے ایک کے: قتل کے بدلے قتل، شادی شدہ زانی اور دین سے نکلنے والا جماعت ترک کر دینے والا۔"[2]

(اللجنة الدائمة: 21166)

478- مرتد کی شدید سزا کی حکمت

مرتد کی سزا میں یہ شدت کئی ایک امور کی بنا پر ہے:

1. یہ سزا اس شخص کے لیے ایک طرح کی دھمکی اور تحذیر ہے جو اسلام میں نفاق یا کسی غرض کی خاطر داخل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اس معاملے میں تحقیق اور سوچ بچار کا باعث بھی ہے، لہٰذا جب وہ اسلام کی طرف منہ

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [6524]

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث [6484] صحيح مسلم، برقم [1676]

کرے تو بصیرت کے ساتھ اور دنیا و آخرت میں اس کے انجام سے باخبر ہو کر آئے، کیونکہ جو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے تو وہ اسلام کے تمام احکام کی برضا و رغبت پابندی کرنے پر موافقت کرتا ہے اور یہ کہ اگر وہ مرتد ہوا تو اس کو قتل کی سزا دی جائے گی۔

② جو اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے تو وہ مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے اور جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے تو وہ اس کے لیے مکمل ولاء، محبت، مدد اور اس میں فتنے پیدا کرنے والے یا اسے توڑنے والے یا اس کی وحدت پارہ پارہ کرنے والے ہر سبب کو روکنے کا پابند ہو جاتا ہے۔ مرتد ہونا جماعت مسلمین اور اس کے الٰہی نظام کے خلاف خروج اور بغاوت ہے اور اس کے لیے نقصان دہ اثرات پیدا کرنا، لہٰذا قتل لوگوں کو اس جرم سے روکنے کے لیے سب سے بڑی ممانعت اور دھمکی ہے۔

③ مرتد کے متعلق کمزور ایمان والے مسلمان اور مخالفین اسلام یہ سوچ سکتے ہیں کہ اس نے اسلام کی حقیقت اور تفاصیل سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرنے کے بعد اسے ترک کر دیا ہے۔ اگر یہ سچا دین ہوتا تو یہ اس سے نہ پھرتا۔ ایسے لوگ نور اسلام بجھانے اور دلوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے اس کی اسلام کی طرف منسوب کردہ ہر بات، جھوٹ، شکوک و شبہات اور خرافات قبول کر لیں گے۔ اسی طرح دین حق کی، جھوٹے لوگوں کی طرف سے اس کی شہرت خراب کرنے کی کوششوں سے حفاظت، مسلمانوں کے ایمان کو بچانے اور اس میں داخل ہونے والوں کی

راہ میں پڑی گندگی کو دور کرنے کی خاطر اس مرتد کو قتل کر دینا واجب ہے۔

4 ہم مزید کہتے ہیں کہ آج معاصر بشری قوانین میں نظام کو بعض حالات میں اختلال سے بچانے اور معاشرے کو منشیات وغیرہ جیسے بعض مہلک جرائم سے محفوظ رکھنے کے لیے قتل کی سزا موجود ہے۔ جب بشری قوانین کی حفاظت کے لیے یہ موجود ہے تو اللہ کا سچا دین، جو ہر جانب سے باطل سے محفوظ ہے، دنیا و آخرت میں بھلائی، سعادت اور فراخی کا سراپا ہے، زیادہ حق رکھتا ہے کہ جو اس میں دراندازی کرتا ہے، اس کا نور بجھاتا ہے، اس کی تروتازگی مسخ کرتا ہے اور اپنے ارتداد اور گمراہی میں اوندھے منہ گرنے کی توجیہات پیش کرنے کے لیے جھوٹ گھڑتا ہے، اس کو سزا دی جائے۔ (اللجنة الدائمة: 21166)

479- دین بدلنے کی سزا

سوال اگر کوئی اسلام سے پھرتا ہے تو اس کی سزا تو قتل ہے لیکن جو اسلام قبول کرتا ہے، اس کی یہ سزا کیوں نہیں؟

جواب جو دین اسلام قبول کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کی بندگی کو عملی طور پر اپنا کر اور اس کے اس دین کو خلوص کے ساتھ قبول کر کے اس کی اطاعت کا ثبوت دیتا ہے کہ جسے قبول کرنا اور اس پر ایمان لانا جنوں اور انسانوں میں سے ہر مکلّف پر واجب ہے، اور یہ خالق کا اپنی مخلوق پر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاريات: 56]

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔''

نیز فرمایا:

﴿ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ﴾ [آل عمران: 19]

''بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''

﴿ وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: 85]

''اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔''

اس کا ثواب بیان کرتے ہوئے جو اسلام میں داخل ہوتا ہے، ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہوجاتا ہے اور نیک اعمال کی صورت میں اس کا اثر اس کے اعضا پر ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴾ [الكهف: 108,107]

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے فردوس کے باغ مہمانی ہوں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ [الأعراف: 35]

”اے آدم کی اولاد! اگر کبھی تمھارے پاس واقعی تم میں سے کچھ رسول آئیں، جو تمھارے سامنے میری آیات بیان کریں تو جو شخص ڈر گیا اور اس نے اصلاح کر لی تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔“

پھر فرمایا:

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰی ﴾ [طٰهٰ: 123]

”پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔“

نیز فرمایا:

﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ [النحل: 97]

”جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقیناً ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے پاکیزہ زندگی، اور یقیناً ہم انھیں ان کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔“

اس مفہوم کی آیات بہت زیادہ ہیں۔ یہ اس شخص کی جزا ہے جو اسلام قبول کرتا ہے۔ اللہ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے نبی اور رسول ہونے، اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوتا، اس کی جزا: ہدایت، نور، دنیا و آخرت میں پاکیزہ

زندگی اور جنت کی نعمتوں کا ملنا، اللہ کی رضا کا حصول اور جہنم سے نجات ہے۔

لیکن جو معاملہ الٹ کر دیتا اور آسمان سے نازل ہونے والے حق سے پھر جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا میں قتل کی سزا کا مستحق ہوجاتا ہے اور آخرت میں جہنم کے ہمیشہ کے عذاب کا سزاوار۔ جس طرح اس بات کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ [البقرة: 217]

''اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے، پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو تو وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور یہی لوگ آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (اللجنة الدائمة: 21166)

480- خودکشی کرنے والے کا حکم

جو مسلمان اپنے آپ کو غلطی کے ساتھ قتل کر لیتا ہے تو وہ معذور ہے اور اس کام کی وجہ سے گناہ گار نہیں لیکن جو مسلمان حالات سے تنگ آکر جان بوجھ کر خودکشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر پر ناراض نہیں تو یہ کافر نہیں، لیکن کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا اور اس کو آگ کی دھمکی اور ڈراوا ہے۔ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے اس سے درگزر کرتے ہوئے اس کو معاف کر دے یا چاہے تو اس کو عذاب دے دے۔ (اللجنة الدائمة: 5958)

481- بھوک ہڑتال کی وجہ سے مرنے والے کا حکم

جو بھوک ہڑتال کی وجہ سے مر جائے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ خودکشی اور منع کردہ کام کا ارتکاب کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ [النساء: 29]

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔''

اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جو کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے وہ لازماً مر جاتا ہے۔ اس بنیاد پر یہ اپنی جان کا قاتل ہے، لہٰذا کسی انسان کے لیے اتنی مدت تک بھوک ہڑتال کرنا جائز نہیں کہ جس میں وہ مر ہی جائے، لیکن وہ اتنی مدت کے لیے بھول ہڑتال کرتا ہے جس میں مرتا نہیں اور اپنے آپ کو ظلم سے بچانے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں اور وہ ایسے ملک یا علاقے میں رہتا ہے جس میں اپنا حق لینے کے لیے یا ظلم سے نجات پانے کے لیے یہ طریقہ اپنایا جاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر موت کی حد تک پہنچ جائے تو پھر یہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 8)

482- جان بوجھ کر کسی بے گناہ آدمی کو قتل کرنا

قتل عمد میں کفارہ نہیں کیونکہ یہ کفارہ ادا کر کے بَری ہو جانے سے بہت بڑا معاملہ ہے۔ یہ اس سے بہت بڑھ کر ہے کہ انسان کفارہ دے کر اس سے بَری ہو جائے۔ اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَ اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴾ [النساء: 93]

''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والا ہے اور اللہ اس پر غصے ہوگیا اور اس نے اس پر لعنت کی اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔''

(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 24)

483- غلطی سے کسی کو قتل کر دینا

قتل خطا کا کفارہ یہ ہے کہ قاتل دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے اور کسی شرعی عذر کے بغیر ان دو ماہ میں افطار نہ کرے (ان میں تعطل نہ آئے)۔ اگر کسی شرعی عذر کے بغیر خواہ ایک دن بھی روزہ چھوڑ دے تو اس پر دو ماہ کا اعادہ کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ نے تسلسل کی شرط لگائی ہے۔ اگر وہ روزے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ [التغابن: 16]

''سو اللہ سے ڈرو جتنی تم طاقت رکھو۔''

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ [البقرة: 286]

''اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔''

اہل علم کے ہاں یہ ایک طے شدہ قاعدہ ہے کہ ''لَا وَاجِبَ مَعَ الْعَجْزِ'' معذوری یا کسی کام کے کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی حالت میں کوئی واجب نہیں۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو پھر اس کے ذمے کچھ بھی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کے کفارے میں یہ مرتبہ ذکر نہیں کیا بلکہ صرف دو مرتبے ذکر کیے ہیں: ایک غلام آزاد کرنا اور دوسرے دو ماہ کے مسلسل

روزے رکھنا، ظہار کے عکس جس میں اللہ تعالیٰ نے تین مرتبے ذکر کیے ہیں: غلام آزاد کرنا، اگر نہ ملے تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا، اگر ان کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 27)

484- دیت ادا کرنے کی کیفیت

علما کہتے ہیں: انسان جب کسی کے خلاف جرم کرتا ہے اور سماعت و بصارت جیسی کوئی منفعت تباہ کر دیتا ہے یا اس جیسی کوئی بھی منفعت تلف کر دیتا ہے تو اس پر اس منفعت کی دیت ادا کرنا واجب ہوتی ہے، مثلاً اگر اس پر اتنا ظلم کرتا ہے کہ وہ اندھا ہو جاتا ہے تو اس پر بصارت کی مکمل دیت ہے۔ اگر کسی کو اتنا نقصان پہنچا دیتا ہے کہ وہ بہرہ ہو جاتا ہے تو اس پر سماعت کی کامل دیت ہے۔ اگر کسی کو اتنا نقصان پہنچاتا ہے کہ اس جسم شل اور مفلوج ہو جاتا ہے اور وہ حرکت کے قابل نہیں رہتا تو اس پر حرکت کی مکمل دیت ہے، اسی طرح دیگر نقصانات ہیں۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 27)

485- شریعت اسلامیہ میں بار بار جرم کرنے کا مفہوم

بلاشبہ نافرمانی کا تکرار اور بار بار گناہ کا ارتکاب کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کو سنجیدگی سے نہ لینے، محرمات کو ہلکا سمجھنے، اللہ تعالیٰ کے خوف کی کمی اور اس کے دیکھنے اور ہر وقت نگرانی کرنے کو ذہن میں نہ رکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے ایمان کم ہو جاتا اور ضمیر میں گناہ محسوس کرنے کا احساس کمزور ہو جاتا ہے۔ اس کا علاج حسب ذیل ہے:

① اہل علم و دین اور مبلغین کے وعظ و نصیحت پر مشتمل خطابات سننا، خصوصاً

ان علما کی تقاریر سننا جو مخلص ہو کر وعظ و نصیحت کریں۔

② قرآن کریم کی بکثرت اور تدبر کے ساتھ تلاوت کرنا، حضور قلب کے ساتھ دنیا و آخرت میں عذاب اور سزا کی یاد دہانی کروانے والی آیات پر غور وفکر کرنا اور جو کہا یا سنا جائے اس میں تامل کرنا۔

③ تمام حالات میں اللہ تعالیٰ کے دیکھنے اور نگرانی کرنے کو ذہن میں ہر وقت حاضر رکھنا، یہ دل میں اس کی تعظیم اور اس کے اوامر و نواہی کی عظمت کا احساس پیدا کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

④ جب اس سے گناہ سرزد ہو جائے، اللہ کی طرف دوڑ کر آئے، پشیمان ہو، توبہ و استغفار کرے، اللہ کی طرف رجوع کرنے اور اس کو ناراض کرنے والے ہر کام سے دور رہنے کا عزم کرے۔ یہ اور ان جیسے دیگر اقدامات توبہ اور حرام کاموں سے دوری کا سبب بنتے ہیں۔ واللہ اعلم

(ابن جبرین رحمہ اللہ: 15/6)

486- سزا سخت کرنے میں جرم کے تکرار کا کردار

تکرار محرمات کو حقیر سمجھنے، اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرنے، اس کی نگرانی کا خیال نہ رکھنے اور کوڑوں یا ہلکی سی قید کو خاطر میں نہ لانے پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا سزاؤں میں سختی کی ضرورت پیش آتی ہے جو ان جرائم سے روک دے اور ان کا عادی نہ بننے دے، یا اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے حصول کے لیے، چاہے یہ سختی قتل تک ہی لے جائے، جس طرح اس شخص نے چار مرتبہ شراب پینے کا تکرار کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

”اگر وہ پیے تو اس کو کوڑے مارو، پھر اگر چوتھی مرتبہ پیے تو اس

کو قتل کر دو۔"[1]

یہ صحیح اور متواتر حدیث ہے، اسی طرح جو بار بار نشہ آور اشیا رائج کرتا ہے تو وہ اس لائق ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

ایسے ہی شادی شدہ زانی، کسی آزاد مسلمان کو ناحق قتل کرنے والا یا بار بار مرتد ہونے والا، اللہ، اس کے رسول، اس کے دین، اس کی کتاب اور اس کی شریعت کو گالی دینے والا (یہ سب سختی کے مستحق ہیں) وغیرہ وغیرہ۔ واللہ اعلم

(ابن جبرین رحمہ اللہ: 16/10)

[1] سنن النسائي، رقم الحديث [5661]

متفرق مسائل

487- خنزیر فروخت کرنے کا حکم

خنزیر (سور) کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ حرام ہے اور اس سے کسی بھی صورت میں کمائی جانے والی روزی حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کوئی چیز حرام کرتے ہیں تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتے ہیں، اس کا کام کر کے روزی کمانا، اسی میں شامل ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4358)

488- کھانے اور دوا میں الکحل سے مرکب سرکہ استعمال کرنا

الکحل سے ملا ہوا سرکہ استعمال کرنا ناجائز ہے، کیونکہ اس کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کر دیتی ہے۔ نشہ آور الکحل شراب ہے اور اللہ تعالیٰ نے شراب سے بچنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا نشہ آور الکحل سے علاج کرنا جائز نہیں، کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے جب دوا بنانے کے لیے شراب کے متعلق پوچھا گیا[1] تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بیماری ہے دوا نہیں، اور آپ ﷺ کا قول ہے:

”جس کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کر دے اس کا تھوڑی مقدار میں استعمال بھی حرام ہے۔“[2] (اللجنة الدائمة: 18644)

---

[1] صحيح مسلم [1984/12]

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث [3681] سنن الترمذي، رقم الحديث [1865] سنن ابن ماجه، رقم الحديث [3393]

489- مسلمان کا ذبیحہ

سوال بازاروں میں متداول مسلمانوں کے ذبیحوں کا اور ان جانوروں کا حکم جنھیں وہ خود ذبح کرتے ہیں اور جو گوشت ان کے پاس ذبح شدہ آتا ہے؟

جواب مسلمان کے متعلق اصل یہ ہے کہ اس کے متعلق ہر معاملے میں خیر کا گمان ہی رکھا جائے، یہاں تک کہ معاملہ اس کے خلاف ظاہر ہو جائے، اس بنا پر ان کے ذبیحے بسم اللہ پڑھنے اور ذبح کی کیفیت کے متعلق شرعی احکام کے موافق ہی ہونے پر محمول کیے جائیں گے، لہٰذا اس کا ذبیحہ کھایا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ایک قوم نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک قوم ہمارے پاس گوشت لے کر آتی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ وہ ان پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم خود اس پر اللہ کا نام لے لو اور اسے کھا لو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''وہ نئے نئے مسلمان تھے۔''[1]

(اللجنة الدائمة: 949)

490- بت پرست ممالک سے درآمدہ گوشت کا حکم

اگر گوشت بت پرست یا کیمونسٹ ممالک سے آئے تو اسے کھانا حلال نہیں، کیونکہ ان کے ذبیحے حرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اہل کتاب کا، جن سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں، کھانا حلال کیا ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ [المائدة: 5]

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث [5507]

کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی۔''

یہ اس وقت ہے جب مسلمان کو علم نہ ہو کہ یہ غیر اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہے، جیسے: گلا گھونٹ کر مارنا یا بجلی کے جھٹکے سے مارنا وغیرہ۔ اگر اس کا علم ہو جائے تب ان کا ذبیحہ بھی جائز نہیں، کیونکہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ وَ الْمُتَرَدِّيَةُ وَ النَّطِيْحَةُ وَ مَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ [المائدة: 3]

''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور گلا گھٹنے والا جانور اور جسے چوٹ لگی ہو اور گرنے والا اور جسے سینگ لگا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو، مگر جو تم ذبح کر لو۔'' (ابن باز: مجموع الفتاویٰ و المقالات: 32/23)

491- تصویروں پر مشتمل اخبارات و رسائل خریدنا

وہ اخبار اور رسائل جن میں اہم خبریں اور مفید علمی مسائل ہوں اور ان میں ذی روح اشیا کی تصویریں بھی ہوں تو انھیں خریدنا اور ان میں موجود مفید علم اور اہم خبروں سے مستفید ہونا جائز ہے، کیونکہ ان میں مقصود علم اور خبریں ہیں تصویریں تابع ہیں، اور حکم اصل مقصود کے تابع ہوتا ہے، تابع کے ساتھ نہیں۔ ان میں موجود تصاویر کسی بھی طریقے سے اچھی طرح مٹا کر یا چھپا کر ان کے خط و خال چھپ جائیں، انھیں نماز گاہ میں رکھنا جائز ہے تاکہ ان میں موجود مضامین سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ (اللجنة الدائمة: 3374)

492- ویڈیو بنانے کا حکم

ویڈیو بنانا بنوانے والے پر منحصر ہے کہ وہ کس چیز کی ویڈیو بنوانا چاہتا

ہے۔ آج کل جو لوگ شادی کے دنوں میں محفل نکاح وغیرہ کی مووی بنواتے ہیں، یہ بہت بڑی غلطی اور جرم عظیم ہے کیونکہ اس فلم کو تمام لوگ دیکھیں گے۔ اس میں بے حجاب اور آراستہ خواتین بھی ہوتی ہیں۔ عورتیں ایک دوسری کے ساتھ گفتگو اور ہنسی مذاق بھی کرتی ہیں، جس سے فتنہ پیدا ہوتا ہے جو بلا اشکال حرام ہے۔ بعض اوقات کسی چیز کو بنانے یا تیار کرنے کے لیے یا اس کی ٹریننگ دینے کے لیے سائنسی علمی مواد کی ویڈیو بنائی جاتی ہے، تاہم وہ اہم علمی مواد ہو یا کوئی لیکچر ہو، جس میں گفتگو کرنے والا لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتا ہے، ان کو وعظ و ارشاد کرتا ہے، اس میں کوئی (قباحت) نہیں۔ قصہ مختصر یہ اس چیز کے حسبِ حال ہے جس کی ویڈیو بنائی جائے۔
(ابن عثیمین: نور علی الدرب: 17/36)

493- حنوط شدہ جانور رکھنے کا حکم

حنوط شدہ جانور رکھنا منع کردہ تصویر کے حکم میں نہیں، کیونکہ آپ نے وہ چیز رکھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ کیا وہ اللہ کی مخلوق نہیں؟ لیکن ایک بات غور طلب ہے کہ اگر یہ جانور ایسا ہے جس کا گوشت کھایا نہیں جاتا تو وہ پلید ہے، اسے رکھنا جائز نہیں، لیکن اگر وہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت کھانا حلال ہو لیکن اسلامی طریقے کے مطابق ذبح نہ کیا گیا ہو تو وہ بھی ناپاک ہے اور اسے رکھنا بھی ناجائز ہے، لیکن اگر وہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت کھانا حلال ہو اور تم نے اسے اسلامی طریقے کے مطابق ذبح کیا، پھر حنوط کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس کام میں بہت زیادہ رقم خرچ کی جاتی ہو تو پھر یہ مال ضائع کرنے کی قبیل سے ہے۔ (ابن عثیمین: نور علی الدرب: 17/147)

494- موسیقی سے شغل کرنا اور اس سے علاج کرنا

موسیقی نشر کرنے اور سننے کے ساتھ اشتغال اور دلچسپی رکھنا حرام ہے، خواہ

اس میں گانا ہو یا نہ ہو۔ گانے کے ساتھ تو اس کی مصیبت دو چند ہو جاتی ہے، اور اخلاق اور فطرت فساد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ جو ذکر کیا جاتا ہے کہ بعض علما کو اس میں بڑی مہارت حاصل تھی، تو یہ صحیح ہے، لیکن وہ فارابی کی جنس سے تھے، جن کو دین اسلام کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ یہ مسلمانوں کے قائد ہیں نہ حق میں حجت، نہ یہ مسلمانوں کے علم، عقیدے اور عمل میں امام ہی تھے، جیسے خلفاء وراشدین، سعید بن جبیر، حسن بصری، شافعی، احمد، اوزاعی اور ان جیسے اسلامی علم اور اس پر عمل کرنے والے ائمہ کرام۔ یہ بعد والے لوگوں کے لیے نمونہ ہیں اور رہی بات موسیقی سے علاج کرنے کی تو یہ جائز نہیں۔ مسلمان کو اچھی آواز میں گائے گئے اسلامی ترانوں اور قراءتِ قرآن کے ہوتے ہوئے اس کی ضرورت ہی کیا ہے، جس سے اعصاب پرسکون ہو جاتے ہیں، نفس میں اطمینان اور سرور حاصل ہوتا ہے اور مسلمان کا اللہ اور اس کی تقدیر پر ایمان بڑھ جاتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 4470)

495- آلاتِ لہو رکھنا

موسیقی ڈھول وغیرہ جیسے آلاتِ لہو رکھنا جائز ہے نہ ایسی کیسٹیں جمع کرنا جن میں طرب انگیز گانے ریکارڈ ہوں اور نہ ان اشیا کی خرید و فروخت ہی جائز ہے، کیونکہ ان اشیا کے رکھنے میں گناہ اور زیادتی میں تعاون ہے اور ان کی قیمت کھانا بھی جائز نہیں، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کوئی چیز حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام کر دیتا ہے۔ ان اشیا کو ضائع کر دینا چاہیے اور ان سے چھٹکارا پا لینا چاہیے۔ ان اشیا کا شادی وغیرہ کی تقریبات میں استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ اس سے برائی کا اظہار ہوتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 21404)

496- اداکاری کا پیشہ اختیار کرنا

اداکاری کے پیشے سے وابستہ ہونا تمھارے لیے جائز نہیں، کیونکہ اگر

مخصوص افراد کی نقل کی جائے تو ان کی تنقیص ہوتی ہے، نیز یہ پیشہ مذاق اور کھیل تماشے پر مشتمل ہوتا ہے جو مسلمان کے لائق نہیں، لہٰذا ہم تجھے یہ پیشہ ترک کرنے۔ اور اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ رزق طلب کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بہتر عوض دیتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: 3,2]

”جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔“ (اللجنة الدائمة: 21203)

497- سینما بنانا اور اس کا انتظام سنبھالنا

مسلمان کے لیے سینما بنانا ناجائز ہے، اور نہ اپنے لیے نہ کسی دوسرے کے لیے اس کا انتظام سنبھالنا ہی حلال ہے، کیونکہ یہ حرام لہو پر مشتمل ہے، نیز دنیا بھر کے سینما گھروں کے متعلق یہ ایک معروف بات ہے کہ ان میں حیا باختہ تصویریں اور فتنہ انگیز مناظر پیش کیے جاتے ہیں جو بے حیائی اور اخلاقی بگاڑ کی دعوت دیتے، جنسی جذبات بھڑکاتے ہیں اور پھر ان میں اکثر غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3501)

498- گانا بجانا بطور پیشہ اپنانا

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی کمائی میں شرعی طریقے اپنائے، تاکہ اس کی کمائی پاک اور روزی حلال ہو، پھر اپنی ذات، اولاد اور زیرِ کفالت افراد پر

حلال کمائی سے خرچ کرے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اجر لکھتے ہیں، اس کی ذات، مال اور زیرِ کفالت افراد میں برکت ڈالتے ہیں۔

لہٰذا مسلمان کے لیے گانا گانا اور موسیقی کے آلاتِ طرب و نشاط بطور پیشہ بجانا حرام ہے کہ اس کی کمائی پر وہ خود بھی زندگی گزارے اور اس کے زیر کفالت افراد بھی اور پھر فقرا اور اچھائی کے کاموں میں بھی اسی سے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔ یہ کام اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے، اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دعا رد کر دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ [البقرۃ: 267]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں سے خرچ کرو۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ پاک ہے جو پاک کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کام کا پیغمبروں کو حکم دیا ہے اسی کام کا عام لوگوں کو بھی حکم دیا ہے۔ پھر فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾

[المومنون: 51]

”اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔“

وہ فرماتے ہیں:

”پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ آدمی لمبا سفر طے کر کے آتا ہے، پراگندہ بال اور گرد آلود ہے، آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یا رب! یا رب! کہہ رہا ہے، جبکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام،

مخصوص افراد کی نقل کی جائے تو ان کی تنقیص ہوتی ہے، نیز یہ پیشہ مذاق اور کھیل تماشے پر مشتمل ہوتا ہے جو مسلمان کے لائق نہیں، لہٰذا ہم تجھے یہ پیشہ ترک کرنے۔ اور اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ رزق طلب کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بہتر عوض دیتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: 3,2]

"جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا۔" (اللجنة الدائمة: 21203)

497- سینما بنانا اور اس کا انتظام سنبھالنا

مسلمان کے لیے سینما بنانا ناجائز ہے، اور نہ اپنے لیے نہ کسی دوسرے کے لیے اس کا انتظام سنبھالنا ہی حلال ہے، کیونکہ یہ حرام لہو پر مشتمل ہے، نیز دنیا بھر کے سینما گھروں کے متعلق یہ ایک معروف بات ہے کہ ان میں حیا باختہ تصویریں اور فتنہ انگیز مناظر پیش کیے جاتے ہیں جو بے حیائی اور اخلاقی بگاڑ کی دعوت دیتے، جنسی جذبات بھڑکاتے ہیں اور پھر ان میں اکثر غیر محرم مردوں اور عورتوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے۔ (اللجنة الدائمة: 3501)

498- گانا بجانا بطور پیشہ اپنانا

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنی کمائی میں شرعی طریقے اپنائے، تاکہ اس کی کمائی پاک اور روزی حلال ہو، پھر اپنی ذات، اولاد اور زیرِ کفالت افراد پر

حلال کمائی سے خرچ کرے، ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اجر لکھتے ہیں، اس کی ذات، مال اور زیرِ کفالت افراد میں برکت ڈالتے ہیں۔

لٰہذا مسلمان کے لیے گانا گانا اور موسیقی کے آلاتِ طرب و نشاط بطور پیشہ بجانا حرام ہے کہ اس کی کمائی پر وہ خود بھی زندگی گزارے اور اس کے زیر کفالت افراد بھی اور پھر فقرا اور اچھائی کے کاموں میں بھی اسی سے خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔ یہ کام اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے، اس سے برکت اٹھ جاتی ہے اور دعا رد کر دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ [البقرۃ: 267]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان پاکیزہ چیزوں سے خرچ کرو۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ پاک ہے جو پاک کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس کام کا پیغمبروں کو حکم دیا ہے اسی کام کا عام لوگوں کو بھی حکم دیا ہے۔ پھر فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾

[المومنون: 51]

''اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرو۔''

وہ فرماتے ہیں:

''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا کہ آدمی لمبا سفر طے کر کے آتا ہے، پراگندہ بال اور گرد آلود ہے، آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یا رب! یا رب! کہہ رہا ہے، جبکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام،

پہناوا حرام اور حرام سے اس کے پیٹ میں غذا داخل ہوئی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر کیسے اس کی دعا قبول ہو؟!"[1] (اللجنة الدائمة: 1620)

499- زمانہ جاہلیت کی شاعری پڑھانا

عربی ادب کی تدریس جائز کاموں میں شمار ہوتی ہے، اس کی اجرت لینا جائز ہے، جب تک نصابِ تعلیم فسق و فجور، قبیح کلام اور اسلامی قوانین کے خلاف بغاوت اور خروج پر مشتمل نہ ہو۔ (اللجنة الدائمة: 20153)

500- ایسے سپورٹس ڈریس (کھیلوں کے کپڑے) درآمد کرنا جن پر کافروں کے شعار اور علامتیں ہوں

وہ کپڑے جن پر کافروں کے شعار ہوتے ہیں ان کی کچھ تفصیل ہے جو درج ذیل ہے:

1. اگر یہ شعار کافروں کے دینی رموز ہوں جیسے صلیب وغیرہ تو ایسی حالت میں ان کپڑوں کی درآمد جائز ہے نہ خرید و فروخت ہی۔
2. اگر یہ شعار اور علامت کسی کافر کی تعظیم کا رمز ہو، مثلاً اس کی تصویر چھپی ہو یا اس کا نام لکھا ہو یا اس طرح کی کوئی بھی چیز تو یہ بھی پہلے کی طرح حرام ہیں۔
3. اگر یہ علامتیں کسی عبادت کا رمز ہوں نہ کسی شخص کی تعظیم، بلکہ جائز تجارتی نشانات ہوں جنھیں ٹریڈ مارکس کہا جاتا ہے تو ان میں کوئی حرج نہیں۔

(اللجنة الدائمة: 16585)

---

[1] صحیح مسلم [1015/65]

500 جواب في البيوع والمعاملات

لجمع من العلماء

الإمام ابن باز   العلامة العثيمين   العلامة الفوزان

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

دار النور اسلام آباد

اسٹاکسٹ اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

0092-321-5336844   0092-333-5139853 +

0092-512575158   0092-512229164-5